

خاندان بھر کے لیے

ماہنامہ



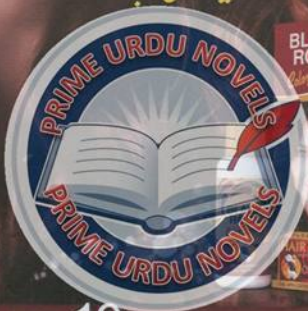
September, 2016

BLACK ROSE
ColorSuprema



WITH
COLOR LOCK
TECHNOLOGY

عید الاضحیٰ مبارک

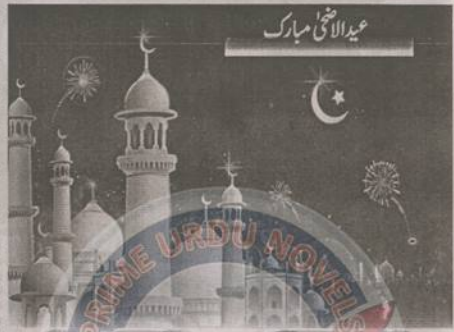


سالگرہ نمبر



AVAILABLE IN **10** DIFFERENT SHADES

عید الاضحیٰ مبارک



رنگ خیال

دنیا رنگ و نور
بابر شریف

کاغذ کی کشتی
حامد زمان ناصر
بارک

کہانیاں زندگی کی
ماہدہ زہرا حسین بھٹہ
مجاہد علی بھٹہ
افسانہ

سندھ لیسے

اعوان تخریب
2016

رنگ میں بیٹنگ
انجم انصار

باد پرچی خانہ
عائشہ سعید

آپ کے اوراق
سعدیہ متقی

خود کلامی

روحانی معالج

آپ کے رویہ
مصطفیٰ گل شاہ
روینہ رضا

الف اچھے
عبداللہ سرور

خواص
ناشناختی

باتیں صحت کی
ڈاکٹر سعید

بی بی کی بیوی نہیں
کاشف سرور

دین اور دنیا

ذہبی مہنون

ریشمی دستک

پیشی سرور
آپ کے خطوط

بزدل و شیر

محمد عرفان راسے
نارنجی کہانی

قربانی

سرنگھت غفار
افسانہ

پہلی ساگرہ

مستاز احمد
افسانہ

احساس پہ دستک

سلیم اختر
افسانہ

آخری سورچہ

محمد حفیظ
افسانہ

ریشم

حمید بن محمد انصاری
سلسلے وار

ساگرہ

محمد احمد خان
افسانہ

چاچا جانی

رائد قاسم
افسانہ

بہی میاں جانی

بہی خوشیاں لائی
نرگس علی
افسانہ

جگنو ہے ہم سفر

غزالہ عیسیٰ راز
سلسلے وار

انوکھی محبت

محمد قاسم خان بلوچ
افسانہ

محبت خواب کی صورت

نورہت جبین
افسانہ

وہ چاند ٹھہرا ہر چائی

عابدہ حسین
نارت (سہ ماہی)

کبتہ

محمد اسلم آزاد
افسانہ



یا اللہ

یا محمد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بسمِ باری تعالیٰ

ایسی کوئی زمیں نہیں یا آسمان نہیں
مرد و شا جہاں تری ہوتی یہاں نہیں
حیرے ہی پاک نام سے کرتا ہوں ابتداء
برکت ہے حیرے نام میں کس پر مایاں نہیں
پچیلے ہیں کائنات میں ہر سو ترے ہی رنگ
ایسی کوئی جگہ نہیں ہے تو جہاں نہیں
اس وقت بھی تو پاس ہی موجود ہوتا ہے
جب لوگ سے سمجھتے ہیں کوئی یہاں نہیں
تو اس کا ساتھ دیتا ہے جس کا کوئی نہ ہو
تو اس کی بات سنتا ہے جس کی زباں نہیں
اپنے کرم سے تو نے چھپائے ہیں میرے عیب
حیرے سوا کوئی بھی مرا رازداں نہیں
تو ہر کسی کے حال سے رہتا ہے باخبر
شاہد دلوں کے راز بھی تجھ سے نہیں نہیں
(غفتر علی شاہ)

یا اللہ

یا محمد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بسمِ باری تعالیٰ

فکر کیسے ممکن ہے شاہ دین کی محنت کا
حق ادا کیا جائے کیسے اُن کی مدحت کا
الہا یہ ہے یا رب راہ سے نہ ہٹکوں میں
میں سدا رہوں بیرو شاہ دین کی سنت کا
زندگی میں رہنا ہی آپ کی عبادت ہے
درس ہم کو ملتا ہے آپ سے محبت کا

ہم حشر ہم ہوں کے مصطفیٰ کے سائے میں
انتظار ہے ہم کو اب تو بس قیامت کا

اے ندم میں جج بچ خوش نصیب ہوں کتنا
یہ شرف کہ ہوں میں بھی فرد اُن کی امت کا
(ریاض ندیم نیازی)



دنیا اور دنیا

اسلام کا تصور قربانی

عید الاضحیٰ اور قربانی کا باہمی تعلق
 قربانی کا مفہوم سرانجام دے کر ان کی جتنی بھی چیزیں ملتی ہیں
 ہے کہ سارے سال میں ہی اور دن میں بھی قربانی کرنی
 عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو ”قرب“ سے مشتق ہے۔
 ”قرب“ کسی چیز کے قریب ہونے کو کہا جاتا ہے۔
 اس کے برعکس دوری یا بے قرب اور دوری کو دونوں سجا
 نہیں ہو سکتے۔ قرب سے قربانی کا لفظ سامنے کے طور
 پر واضح ہوا ہے۔ اس تصور کو چارہ مثالوں سے سمجھا جاسکتا
 ہے۔ مثلاً ”قدرت“ کے معنی ”قوت“ ”پڑھنا“ ہے اور قرآن
 کے معنی اس کتاب اللہ ہیں جسے بار بار تواتر اور کثرت
 سے پڑھا جائے اور اچھا پڑھا جائے کہ قیامت تک اس کا
 پڑھنا ختم ہی نہ ہو۔ باقی اعلان نے کتاب الہی کا نام
 آئینہ وجود کی بنیاد پر قرآن رکھا ہے کہ کثرت قرات کے
 اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب اس کے برابر نہیں ہو سکتی
 دیکر الہامی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں جن میں انجیل،
 تورات، زبور اور دیکر الہامی کتبیں ہیں جو انجیل، زبور اور تورات
 پر نازل ہوئے مگر کوئی الہامی کتاب، کتاب الہی کے طور
 پر قرآن مجید کا بدل نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا
 نام قرآن رکھا ہے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کتب ساریہ میں
 سے کوئی اور کتاب اس سے زیادہ پیچی جاتی۔

لفظ قربانی کا معنوی پس منظر
 اس ساری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ ہر عمل کے
 اپنے مخصوص ثمرات اور فیوض و برکات ہیں جو قرب الہی کا
 قربانیت سے ہیں مگر یہ قربانیت میں قربانی کے عمل کو کیوں اللہ
 کے انتہائی قرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے؟ قربانی کا عمل
 صرف جانور کو ذبح کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ
 قربانیت کے معنی ہیں اور دور رس شخصیات (Implications)
 رکھتا ہے۔ جانور کے ذبح کرنے کے عمل کو قربانی سے
 اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کا عمل
 بندے کو اللہ کے انتہائی قریب کر دیتا ہے۔ لیکن اس
 میں قربانی کرنے والے بندے کے اخلاص ایک سواہیہ
 نشان کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کیا وہ قربانی کو بندہ
 ذبح کے طور پر پیش کر رہا ہے اس کے اللہ کی بارگاہ سے
 مطلوبہ نتائج حاصل ہوئے ہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات
 میں ہے تو اس کا عمل قربانی نہیں ہے بلکہ اللہ کے انتہائی
 قرب کا سبب قرار دیا جائے گا۔ گویا قربانی کی روح
 حقیقت میں اس قربانی کے پیچھے کارفرما اخلاص ہے۔
 قربانی اور حضرت آدم کے بیٹوں کا ذکر
 نماز میں ثابت اور اخلاص کی طرح یہی حال قربانی
 کے عمل کا ہے قرآن مجید نے اس تناظر میں حضرت
 آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے
 میں قربانی کی قبولیت کا ایک طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف
 سے مقرر کیا گیا تھا، جس سے فوراً پتہ چل جاتا کہ آیا
 پیش کردہ قربانی قبول ہوئی ہے یا نہیں۔ وہ یوں کہ
 قربانی کر کے جانور کو ایک جگہ رکھ دیتے ہیں۔ جس کی
 قربانی قبول ہوتا ہوئی اسے آسمان سے آگ آکر
 جاو جاتی اور جس کی قربانی کو آگ آکر نہ جلاتی اس
 کے بارے میں یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔

بشری مسرور کا دنیا تہا لکھ خیر سلسلے دار ناول

آدمی گواہی ادھوری صورت

بہت جلد

صرف قارئین ریشم کیلئے

یہ ایک معیار تھا جس سے قرہ کی قبولیت یا عدم قبولیت کا پتہ چل جاتا تھا۔ چاہے انہی قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پیغام کی حقانیت و صداقت کے لیے دلیل ہوئی کہ وہ قرآنی کتب کے لیے اور جس کی قرآنی کو آسانی آگ آ کر جلا دے گی وہ اللہ کا قبول بندہ ہوگا اور جو نافرمان ہوگا اس کی قرآنی کو آگ نہیں جائے گی۔ چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں بائبل اور تائیل نے قرآنی پیش کی تو ایک کی قرآنی قبول ہوئی اور دوسرے کی روٹی، جس کی قرآنی قبول نہ ہوئی وہ اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ "میں جسے کھ لے بغیر نہ ہوں گا۔" اس ارادہ قتل کے انکار کے پیچھے وہ نیت کا شرک تھا جس کی بنا پر ایک بھائی کی قرآنی قبول نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ کسی بائبل قبول ہو گیا اور کسی کا نہ ہوا اس کی کوئی کوئی قرآنی قبول نہ ہوئی۔

ہوئی تو کوئی قرآنی قبول نہ ہوئی۔

کرتا نہ کرنا اللہ کا کام ہے اور اگر کوئی اس عباد پر کسی کے قتل کے لیے دوسرے ہوتا ہے تو اس قتل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قتل قرآنی کے پیچھے اللہ کی رضا اور خوشنودی کا کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا بلکہ اس کا عزم کی جگہ اور تھا جس نے اسے خود میں جھکا کر دیا تھا۔ وہ جس کی قرآنی قبول ہوئی کسی ایسے بھائی کے منہ سے یہ بات بھی کر سکتا ہے تو جسے کیوں کھل کر کہنے کے لیے دوسرے ہو گیا ہے اس میں میرا کیا قصور ہے قرآنی کی قبولیت قرآنی جانب اللہ ہے۔

اِنَّمَا يَنْفَعُ الْفُلَّ مِنَ الْمُنْتَفِسِينَ
(المائدہ، ۵: ۲۸) "اذا تو صرف ان کی قرآنی قبول کرتے ہیں جو جنتی ہوتے ہیں۔"

جس کے دل میں ذلتی ہوں و معاوہہ ریاکاری اور نمود و فرماں کا کوئی خیال نہیں ہوتا اور جس کی زندگیوں تقویٰ اور پرہیزگاری کے حسن سے مزین ہوتی ہیں۔ اللہ انہی کی قرآنی کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی کی نظر سے کھل کر نہیں بلکہ اس کے دل میں چمکی ہوئی نیت پر ہوتی ہے۔

قبولیت و عدم قبولیت کا قرآنی فلسفہ

وہندگان خدا جن کے دل میں کسی کے بارے میں حسد، بغض اور عداوتیں ہوتا اور جو اپنا حق نہ دین اور اپنی پر کا ہزار نامہ اللہ کی بارگاہ میں صرف اس کو راضی کرنے کے لیے پیش کر دیتے ہیں ان کے اعمال، سندن قبولیت سے نوازے جاتے ہیں۔ انہیں ان کی حسن نیت کا پھل ملتا ہے اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فرمایا! یہ شک اللہ تعالیٰ تمہاری طرف اور تمہارے اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلی نیت کو دیکھتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی نظر نہ ہندوں کی صورتوں کو دیکھتی ہے اور نہ ان کے بدن و احوال کو بلکہ ان کے دلوں میں چمکی ہوئی نیتوں کو دیکھتی ہے۔ مین ممکن ہے کہ کوئی دیکھنے میں حق خصل اور بھلا لگے، اس کے اعمال بھی دیکھنے میں اچھے لگیں لیکن ان کے اعمال کے پیچھے اچھی نیت کارفرما نہ ہو اور اس کے مقابلے میں ایک نفس بھدا، بدنام، بائیں اور کم تر دھنڈلے دے لیکن اس کی نیت اور اخلاص کا یہ عالم ہو کہ اس کے اعمال کو قبولیت کے عملی درجے پر فائز کر دیا جائے۔ چنانچہ اس معیار قبولیت کو یہ قبول ہونے کے لیے اس کے لیے جس کی قرآنی قبول ہوئی تھی اس کے لیے یہی ہے کہ

"کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ میری طرف بڑھاتے پھر بھی جواب میں میری طرف ارادہ قتل سے ہاتھ نہیں اٹھاؤ گا۔"

قرآن حسن عمل اور تقویٰ کی تلقین کرتا ہے اور اگر کوئی زیادتی کرتا ہے اور وہ اس زیادتی کا جواب زیادتی سے دینے کی بجائے غم، ضبط اور درگزر سے کام لیتا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہیں میرا حوالہ نہ دے گا۔ تاراج نہ ہو جائے گا تو اس عمل اسے تقویٰ کے عملی درجے پر فائز کر دیتا ہے۔ اس سے یہ بات صریح ہوئی کہ انسانی اعمال میں سے

اللہ تعالیٰ انسان کے تقویٰ اور خشیت الہی کی کیفیت کو قبول فرماتا ہے اور وہ اعمال جو حسن دکھائے کے لیے کئے جائیں انہیں شرف قبولیت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات کے لیے نہیں دیکھتی کہ وہ جانور جو قرآنی کے لیے پیش کئے ان کی بابرکت اور جسامت کیا ہے بلکہ وہ قرآنی کرنے والے دلوں کی کیفیت پر نگاہ رکھتا ہے۔ کیا وہ تو نہیں کہ قرآنی کرنے والے کی نیت کوئی بادی صفت بائیں نمود و فرماں کا اظہار ہے، اللہ ہر عزت کو ایسی قرآنی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اس قرآنی کو قبول کرتا ہے جس کی اساس تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ اسی کے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

"اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت دیکھتے ہیں اور نہ ان کے خون گراے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کو قرآنی کے جانور کے گوشت کی قیمت اور جسامت سے کوئی فرض نہیں اس تک تو صرف وہ تقویٰ پہنچتا ہے جو قرآنی کے پیچھے چھا ہوا ہے۔ وہ تو دیکھتا چاہتا ہے کہ قرآنی کرنے والے میں خوف خدا اور ہرگز نہ کی کیا کیفیت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"صدق و اخلاص سے قرآن لکھے جانے والے جانور کے خون کا پہلا قطرہ جو بھی زمین پر گرتا ہے اس قرآنی کو بارگاہ الوہیت میں قبول کر لیا جاتا ہے۔"

وہ تو بندے کی نیت کو دیکھتا ہے۔ کیا جوہر ہے قرآنی سے مقصود گوشت نہیں بلکہ قرآنی کے جانور کے عظم پر رسم اللہ اکبر کہہ کر پھری چلا دینے کا نام قرآنی ہے۔

قرآنی کے گوشت کی قیمت کا طریقہ اللہ اس میں کارفرما نکتہ گوشت کی قیمت کے معاملہ میں اس تقسیم کو ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ

اس کا ایک حصہ فرما، ساکین میں صدقہ کروایا جاتا ہے۔ ایک حصہ عزیزین اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تیسرا حصہ ان کے استعمال کے لیے رکھا جاتا ہے۔

اگر قرآنی خالصتاً صدقہ ہوتا تو اسے سارا کارسارا غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم مینا لیکن کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہاں تک اجازت ہے کہ کنبہ کے افراد زیادہ ہوں تو سارے کا سارا گوشت مگر میں رکھا جاسکتا ہے۔ اس لیے قرآنی سے مقصود حسن گوشت کی تقسیم نہیں بلکہ اس کے پیچھے کارفرما نکتہ قرآنی کے جانور کا اللہ کے لیے خون بہانا ہے۔ اس طرح عید الاضحیٰ یا عید قرآن کا بنیادی فلسفہ اللہ کی رضا کا حصول ہے جس کے لیے قرآنی کی جاتی ہے اور اس میں حسن نیت اور اخلاص کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآنی کا عمل اگر کھیل تری کیوں نہ ہو صدقہ و اخلاص کا ہونا ہے تو قبولیت کو پہنچاتا ہے اور اگر یہ عمل صدقہ و اخلاص سے نالی ہو تو قبولیت کے چاہے پیڑ کی طرح اظہار ہونے چاہیں بارگاہ الہی میں ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ قرآنی میں تقویٰ کی اہمیت کو انہا کر کرنے کے لیے اس بات کی طرف بندے کی توجہ مبذول کرانی گئی ہے کہ کوئی نہ سمجھے کہ قرآنی کے قتل کو کافر اور کفر اور اہل اسلام میں اپنی حیثیت کا رعب بھانے اور اپنی بائبل کا جانور قتل کرنے کے لیے جوہر کارفرما ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی بدوا نہیں، سب انسان برابری کی راہ پر ہیں۔ مین ممکن ہے خدا کے ہاں کوئی خوف ہے تو یہ فیئر زیادہ قدر و منزلت کا حامل ہو۔ ایسی ہی اللہ کے بندے ہیں جو ان شینہ کے تاج ہیں لیکن ان کا دل چاہتا ہے کہ کاش ہمارے پاس لستے و سکل ہوتے تو ہم اللہ کی راہ میں قربانیاں پر قربانیاں کرتے چلے جاتے۔ ممکن ہے کہ انہیں قرآنی نہ کرنے کے باوجود حسن نیت کا اتنا ثواب مل جائے جو ریاکاری کی قرآنی والے کو بھی میسر نہ ہو۔

قرآنی کے آداب اور سنت محمد ﷺ

تمام احکام اللہ جو قرآن مجید میں قرآنی کے ذیل میں بیان ہوئے ہیں ان میں بنیادی اہمیت میں قرآنی میں پیچھے وہ تقویٰ اور حسن نیت کا حاصل ہے۔ کیا



ریشمی

بشیری مسیور

ریشمی یمن بھائی!
ریشمی دنیا کے ریشمی سہیوا
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حراج خیر ہو گئے۔ ہمارے پاس بہت سی تمناؤں پر آتی ہیں کہ ریشم واجتہ کو آن لائن کر دیا جائے۔ اس کام میں ہمیں کوئی مشکل تو نہیں ہے مگر ہمارا ذہنی خیال یہ ہے کہ اس طرح خرید کر پڑنے کا رحمان بہت کم رہ جائے۔ جبکہ ہمارے ملک میں بدلتی ہوئی ہے کہ جب یہ مطالبہ کا شوق دینے کی بجائے ہونے کے برابر ہو گیا ہے۔ اور اگر کسی کو ہے بھی تو وہ خرید کر پڑنے کی بجائے "سٹاک" کے پھروں میں رہتا ہے اور جب سے ٹی وی کی خریدی ہوئی خرید ہوئی ہے یا انٹرنیٹ پر ہم کاموں پڑنے کو ملنے لگے تو بیشتر بڑے چارے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ گئے ہیں کہ اب کوئی کتب کا خریداری نہیں کیا سو سرائے و کتب شائع کرنے کا کام کھانے کا سودا لگے گا۔ اچھے اچھے گھاری اپنی قادر شای کا دوتا رو دے ہیں۔ گھاریوں کے معاوضے گھٹ گئے۔ بلکہ انہیں بیشتر و کتاب یا مضمون حاصل کرنے کا معاوضہ طلب کرنے لگے ہیں جو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہوتا ہے اور سچا پڑھنے والے گھاریوں کے لیے "مسابک کتب" ہونا گویا جیسے لڑنے کے حرافت ہو گیا۔ ایسے میں ماہنامہ ریشم کا قریب آج بھی لگاتار ہر نصف لے لے جس روز ماحول میں ہمارا جھجکا ہی تو ہے کیوں کہ ہم اپنے گھاریوں کو ان کی اچھی لگاتار ہر نصف معاوضہ آفر کرتے ہیں بلکہ ہر سال شیعہ ورلڈز کو بیس ڈالٹر اور اس سے بھی نوازا جاتا ہے۔ سو جہاں سے جیسا ہے کی بنیاد پر ریشم سے جڑے رہے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب میں پھرتے رہے اپنے بڑے کو تحائف کرانے، جہاں تک بات واجتہ کو آن لائن نہیں کرنے کی ہے تو اگرچہ میں ذہنی طور پر موافق ہوں ڈائجسٹوں کے آن لائن مطالعہ کے حق میں زیادہ نہیں ہوں تاہم آپ سب کی خواہش کو نظر رکھتے ہوئے بلکہ ریشم واجتہ کا ٹکٹ دے دیا جائے گا (انشاء اللہ) اور کچھ لوگ کہانی شائع کر کے انکار کرتے ہیں کہ کیا تاؤں؟ وہ جانتے ہیں کہ فوراً سے پختہ ہادی کہانی نگار جانے اور پھر رہا ان کی کہانیاں آتی رہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بات ہم پہلے ہی کیا بات تھی کہ ان جو کہانیاں ہیں ان میں سے کوئی کہانی نہیں ہے کہ ہم کسی کی پختہ کی پختہ نہیں ہوتی۔ ہر رات کے گیارہ بجے کا ٹاؤری دہی ہیں، حتیٰ کہ پختہ والے دن بھی کچھ راتیں بے خیال کیے بغیر کہ پختہ کا دن اپنی پختہ کیے ہوتا ہے۔ کال بے کال کیے جارہے ہوتے ہیں۔

میں ہر بار جب گھاریوں سے ملتی گزارش کرتی چلی آتی ہوں کہ لڑاکہ کرم پہلے اچھا اور پختہ، معیاری گھاریوں کی خریدوں کے مطالعے سے جملہ بندی، پھر آراء بتانے کا بغیر اور کہانی کی پختہ کا طریقہ سیکھیں پھر کسی سماجی موضوع پر مباح آراء کی کریں۔

کہانیوں میں کچھ نہ کچھ متروک ہو، وہی صدیوں سے چلتی ہوئی کھیتی پٹی طوطا پٹا کی کہانیاں اور پیار و محبت عشق کے قصے، تھوبہ کی بے وفائی پر پختہ فحشوں کی داستان پڑنے کے لیے ابھی کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ لہذا آئنے

آل محمد (ﷺ) کی طرف سے، امت محمدی (ﷺ) کی طرف سے پھر آپ نے قربانی کی۔

اس پر محمد بن کرام اور یقیناً دین کا کہنا ہے کہ اس طرح حضور ﷺ نے اپنی پوری امت کو قربانی کے ثواب میں شامل کر لیا۔ آپ ﷺ وہ سراسر امت محمدی ہیں کہ عمل قربانی کے دائرے میں بھی چاہتے ہیں کہ ان کے سارے امتی شریک ہو جائیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں ذبح کرتے وقت آپ سے یہ الفاظ منسوب فرمائے گئے ہیں۔

"یہ میری طرف سے، میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا باری تعالیٰ یہ قربانی میری طرف سے ہے اور یہ قربانی میرے ان امتوں کی طرف سے ہے جو انسانی ہیں جو یہ قربانی نہیں کر سکتے۔ ہمیں بھی قربانی کرنے دینی نبی کریم ﷺ کو اس میں شریک کرنا چاہیے اور یہ بہت کا تقاضا بھی ہے۔

پال اور ناخن نہ کٹوانے کی حکمت

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوجائے تو فوراً قربانی کرنے کا ارادہ رکھنا ہو وہ پہلی ذوالحجہ سے قربانی کے وقت تک نہ اپنے پالوں کو کٹوائے نہ ناخن کو تراشے۔ یہ آقا نے دو جہاں ﷺ کی سنت ہے اور یہ عمل ابتدا حجاجوں کے لئے تھا اور انہیں ہم تھا کہ ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں منامک حج قربانی ادا کرنے تک پال اور ناخن کٹوانے اور تراشنے سے پرہیز کریں بعد میں قبر حجاجوں کو بھی اس حکم میں شریک کر لیا گیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب دین و دن تک وہ پال اور ناخن نہ کٹوائیں گے تو ان کی عقل انہیں بار بار اس امر کی طرف متوجہ کرتی رہے گی کہ وہ اللہ کی راہ میں قربانی دینے والے ہیں اس طرح انہیں قربانی کی عظمت اور قدر و منزلت کا احساس ہوتا رہے گا۔

☆☆☆☆

جہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس بارے میں جو سنت اختیار فرمائی ہے اس کے مطابق قربانی کا عمل اس وقت تک تقویٰ عوب کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک قربانی کو اپنے ہاتھ سے نہ کیا جائے۔ اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے سے خون گرنے کا عمل جو قربانی کی روح ہے پورا ہو سکے گا۔ اس لئے حضور ﷺ کی سنت مبارک کی رعایت کے جانور کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرتے اور یہ آپ کا زندگی بھر معمول رہا آپ رقتہ رقتہ اللہ تعالیٰ سے تھے اور جانور کو ادنیٰ سی تکلیف بھی برداشت نہ کرتے تھے لیکن قربانی ہیضہ اپنے ہاتھ سے کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قربانی کا کبرا منکول اور بیکہ فرمایا کہ عاکہ (رضی اللہ عنہا) چھری لے آئی، آپ ﷺ نے چھری کو کچھ کر فرمایا کہ اسے پھر یہ اسی طرح تیز کر لے۔ اس نے آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں ایسے ہی کیا تو آپ ﷺ نے اس چھری سے قربانی کا جانور ذبح فرمایا، حضور ﷺ کے اس عمل میں تمناؤں اور دیگر قربانی کرنے والوں کے لئے انتباہ ہے کہ وہ قربانی کا جانور کو تیز چھری سے ذبح کریں تاکہ اسے سختی اور درد کم سے کم تکلیف ہو۔ اسلام آتی وقت وللا وہیں ہے کہ وہ جان لگتے وقت جانوروں کی اتنی سی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس سے کہیں ہوگا کہ وہ انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کا حق نہ برداشت کر سکتے اور زہد انسانوں کے جان و مال اور عزت نفس کو بے دردی سے تلف ہوتا دیکھ سکتے۔ حضرت عائشہ حضور ﷺ کا طریقہ قربانی بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ نے قربانی کا جانور خود زمین پر گر لیا اور اسے قبلہ رو کر کے چھری سے ذبح کیا تاکہ جب اس کا خون نکلے تو خون کے دھار کا رخ جانب قبلہ ہو۔ حضور ﷺ نے ابتدا قدم مبارک جانور کے پہلو پر رکھا اور ذبح کرتے ہوئے ہم اللہ اللہ کہہ کر اور یہ کلمات ادا فرمائے۔

"اے اللہ قبول کر محمد (ﷺ) کی طرف سے،

مجھے کی لڑائی اور سازشی ہانڈے بہت حسین لگ رہی ہیں۔ اللہ آپ کو ای طرح ہنسا سکنا رکھے اور آپ کے مکان کا سب کچھ جلد مل جوائے۔ (آمین)

اس بار ٹوک جھوٹے قاتلوں پر مسکراہٹ بھی چمکی دی رہی۔ امید ہے آج وہ ایسا نہیں ہوگا۔ بشری آبی کا نیا ہال دیکھ کر زینت نے جا رہا ہے۔ بہت خوب۔

میرا افسانہ شائع کرنے پر بہت شکر ہے۔ میں اپنا ایک اور افسانہ بھیج رہی ہوں۔ جبکہ شاعری کافی بار بھیج چکی ہوں۔ امید ہے اپنی باری پر ضرور لگا دی جائے گی۔ تحترم افضل شاہین کو صحت یابی پر مبارکباد۔ اللہ آپ کو مزید صحت عطا کرے۔ (آمین)

آبی فریدہ فری اور محترم حسن نظامی کی اہلیہ کو بھی اللہ صحت دے۔ (آمین) ریتم اپنا رڈ تقریب کی جھلکیاں بھی خوب رہیں۔ آپ اجازت چاہوں گی۔

رہش کی پوری تم کو میری طرف سے سلام و دعا قبول ہو۔

فریدہ جاوید فری، لاہور
بیاری بشری
اسلام ٹیکسٹ

جون کا تجربہ بہت ہو گیا تھا ہی لیے شائع ہونے سے روک گیا۔ ریتم 20 تاریخ کو طبع خط میں باہنسل سے لکھے رہی ہوں۔ وہاں ایڈٹ ہوں چھوڑ دوڑ کے لیے چھوڑا کچھن گئے ہیں جب سے اسلام آباد سے اپنا رڈ لے کر آئی ہوں تب سے بنارہی ہوں۔ بدن کا مسئلہ ہے۔ تمام دوستوں، کارکن، راکٹر سے التماس ہے وہ میرے لیے دعا کرتے ہیں۔ میں بے حد فخر محض میں ہوں۔ دے دو تو بے حد شکر ہے کہ میرے لیے دعا کرتے ہیں۔

جلیز بشری جی ریکل شائع جلدی شروع کیجئے۔ ابھی رسالہ پڑھنا شروع نہیں کیا کیوں کہ ڈیوٹی ملتی ہوئی ہے۔ سب کو سلام دعا اور پیار۔ بشری کو بے حد سلام دعا۔

کاشف اشعیر اللہ مزہ اور چھوڑ دوڑ کو بے حد پیار۔ اور طبع کی آپ کو بھی پیار۔

(بشری کی طرف سے تحترم نظامی اور جوابی دعا میں۔ آپ کے لیے دل سے صحت یابی کی دعا کرتے ہیں۔ اپنا خیال رکھیں)

ثناء مازر جانانہ
بیاری آبی بشری سرور
اسلام ٹیکسٹ

تعلیم B.S.(I.T)hons ہے۔ آج کل عارضی طور پر فیسو تدریس سے بھی شکستک ہوں۔ میں نو بہ یکہ سچھے کے آباؤی قہیے رجائے سے تعلق رکھتی ہوں۔ باقاعدہ طور پر لکھنے کا آغاز اپریل 2014 سے کیا۔ تب سے لے کر اب تک کی افسانے، نظمیں، اور ریکٹر اور ناولت لکھی ہوں۔ ڈاکٹر دیانیا سے میرا اہلی کاوش ہے۔ امید کرتی ہوں حوصلہ افزائی ضرور ہوگی۔ سلامت رہیں۔ اللہ آپ تک ہم سب کے لیے آسائیاں پیدا کریں۔

(☆ خوش آید آہ آپ کا ناول ابھی نظر سے نہیں گزرا۔ پڑھ کر بتا سکوں گی۔ آج وہ تو اتنی کرے گا)

میں موضوعات منتخب کیجئے۔ جرم و سزا، دہشت گردی اور فوجی کارروائیوں پر لکھنے کے لیے اپنا مطالعہ وسیع کیجئے۔ تاکہ اگر آپ فطرت میں ہونے والے مظالم کی داستان لکھ رہے ہیں تو صرف داستان نہ ہو، آپ کے پاس پورا ناٹج ہو اور ہر کہانی میں نئی بات کریں۔ جو کارروائی کی فوجی فوری طور پر اپنی طرف سے لے۔

ٹوک جھوٹے کے لیے اچھے اور معیاری سوالات بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے۔

موسم بدل رہا ہے، آپ سب اپنا بے حد خیال رکھیے کیونکہ میں آپ سب بہت عزیز ہیں۔ یقین کیجئے آپ نہیں ہیں جو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہماری بہن فریدہ جاوید فری ان دنوں ہسپتال میں داخل ہیں۔ آپ سب سے ان کے لیے دعا سے اکیلے کے اکیلے ہے۔ فریدہ جلدی سے ابھی ہوا خدائے ارحمہ سے طویل عمر کا انتظار ہے۔ ڈاکٹر طارق محمود کے پاس جا کر سنا تو لہ ہوا ہے۔ انہیں ہم سب کی جانب سے بے حد مبارکباد۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو نیک و فرمانبردار بنائے اور سب کی صحت و تندرستی کے ساتھ عطا فرمائے (آمین)

اور اب پڑھتے ہیں جلیز بشری کی جانب

عزیزین اختر، لاہور
محمد بشری سرور صاحب
اسلام ٹیکسٹ

امید ہے آپ اور آپ سے جوڑے ہوئی رہش سنگت خیر و عافیت سے ہوں گے۔ واگت کا پڑچاؤ نام پر ملا۔

ماڈل ہاتھ میں سیر پا رہی ہوں اور پچھلے کچھ دنوں میں آپ سے ملنا سب سے زیادہ اہم تھا۔ ابھی لکھ رہی ہے۔

آپ کا ادارہ پڑھا۔ جہازدار کے معاملے سے ہے۔ میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں کہ بہت سے لوگ سر شام ہی سکون کی خاطر حصار کے وسیع لان میں جمع ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں کی دردناک سیریزوں کو سنا رہے ہوتے ہیں۔ یہ لکھتے ہوئے کچھ دیکھ رہی ہوں۔ بلکہ ہمارے کان کی آہنی آواز آ رہی ہے۔ کین کو کین کیا کہنے؟

مجھے کانی حصار پہلے ہی ملنے لگی تھی کہ ساقی حصار کو پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لوگ کوڑا دھیرے لان میں ہی پھینک کر چلے جاتے ہیں۔ ہم ان کو کانی ایک جگہ تو صاف رہتے ہیں۔ بہت خیال سے یہ لوگوں میں شعور کی کمی ہے۔

محمد باری تعالیٰ، نعمت اور دین دنیا کی دولت سے ملنے لگا ہاں ہونے کے بعد رہش دیکھ پر چمکی۔ چنانچہ شاہد سلیم صدارت کی کرسی سنبھال بیٹھے تھے۔ ڈن ڈن شاہد بیوی۔ اس کے علاوہ جن لکھاریوں کے خطوط رہش دیکھ کی زینت بنے اور جنہوں نے مجھے رہش دیکھ میں یاد کیا اللہ ان سب کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین)

اس بار بھی افسانے معیاری اور دھن کی محبت سے لبریز تھے۔ دھن سچھے سلام، عہد فراموشی نہ رہے ہم، اخلاص آزادی، میں بھی فوجی ہوں، گاہ زہنی ایک بہت رواں دوا، مجھ رنگ زہنی کے سنگین برف، شیطان مفت، دیار شمس، ابو میں ڈوبے تو حشر و بھیت دردی صورت، تا کین یا جھنوں، سہارا، اے بیٹی، قدرت کا انصاف، روشن صبح اور اصول و اسلوب زندگی معیاری افسانے اور ناولت تھے۔ سلسلے اور ناولت خوب جا رہے ہیں۔ پڑھو تو اگلے ماہ کا انتظار رہتا ہے۔ دنیا رنگ و نور میں انہیں کے حالات جانے۔ یاور پٹی خاندان، رنگ میں جھگ، سمنہ، خودکلائی، آپ کے اوراق، الف سے اچھے اور بی بی کی بیوی میں اچھی تھیں۔

آپ کے دہرہ میں آبی گہمت غبار کی بعد تصور طاقات خوب رہی۔ انٹرویو تو لا جواب تھا ہی۔ لیکن ہماری آبی

حمیرا وحید، واہ کیٹ
پیاری آبی بشری سرور
السلام علیکم:

یہ میرا پہلا خط ہے پلیز شائع ضرور کیجئے گا۔ (☆ خوش آمدید) شائع کرنے کے لیے اس لیے کہہ رہی ہوں۔
میں بچپن سے لکھ رہی ہوں۔ پھول اور ٹیکسٹ میں میری ایک دو تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ جب ابو کو پتہ چلا تو انہوں
نے بہت ڈانٹا اور سختی سے منع کر دیا۔ لکھتی تو رہی پر کوئی تحریر شائع کروانے کے لیے نہیں بھیجی۔ اب اجازت ملی ہے تو
خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آزاد نظم بھی لکھ سکتی ہوں، ناول بھی لکھ سکتی ہوں اور بے شمار افسانے بھی لکھ سکے ہیں۔ ان گنت
فرقے ہیں اور بہت سارا مواد لکھ کر ڈاے لیکن یہ تو آپ فیصلہ کریں گی کہ میں کچھ لکھ سکتی ہوں یا نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ
رہنم ہونے کے بعد میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی اور میں رہنم کے لیے افسانہ لکھ کر بھیج رہی ہوں اگر شائع ہونے کے
قابل ہوا تو شائع کر دیجئے گا اور پلیز میری حوصلہ افزائی کیجئے گا۔ تاکہ میں اور چار لکھنے کی کوشش کروں۔
کچھ دن پہلے رہنم رسالہ بطور تحفہ مجھے ملا اور جوتہ پینڈا یا ہار اس لیے میں پہلی بار رہنم میں افسانہ بھیج رہی
ہوں۔ باقاعدہ چرچے بھی لکھ سکتی ہوں اگر آپ مجھے اس قابل سمجھیں تو۔

جی کہنا ابھی لکھ رہی ہیں ہر لحاظ سے آپ کا ڈائجسٹ بہت اچھا ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے اور ہمیشہ مسکرائی
رہیں۔ (آمین)

(ہمارے پیاری حمیرا وحید۔ آپ کا افسانہ شائع ہو جائے گا۔)

☆☆☆

مقبور احمد بلوچ، میاں جٹوں

بہت ہی پیاری آبی بشری سرور صاحب!

السلام علیکم:

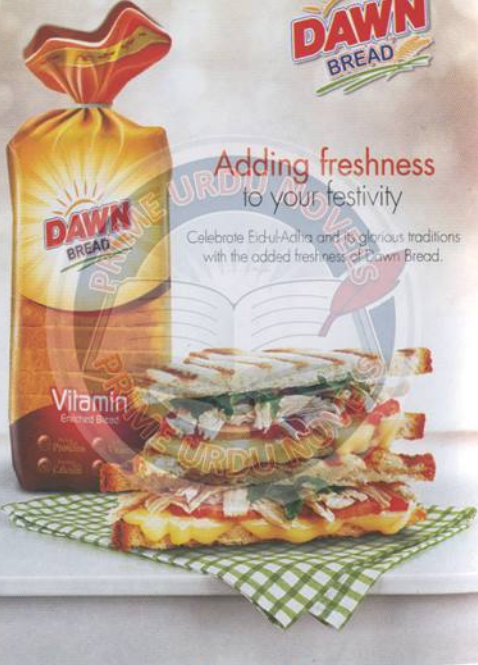
اس دفعہ رہنم جولائی 2016ء 9 جولائی کو ملا۔ عید کی چٹائیاں ہو جانے کی وجہ سے تو جولائی کو ملا۔ جب کہ عمر ان
بھائی نے تین جولائی کو چھپسٹ کر دیا تھا۔ اگر درمیان میں چٹائیاں ت آجیں تو باقی جولائی کو شمار ہمارے ہاتھوں میں
ہوتا۔ جو کہ بہت خوش آئند بات ہے۔

آبی جی اگر ٹیکسٹ کی بات کی جائے تو قابل سمجھیں بالکل پسند نہیں آیا۔ کیونکہ کہ بھی ڈائجسٹ کے فرٹ والے
صفحہ پر بھی کتنی کا اشتہار نہیں ہوتا۔ اس لیے قابل تو نہ ہونے کے برابر تھا۔ باقی آپ کو جیسے اچھا لگے۔ ہم نے تو
آپ کے ساتھ چٹانا ہے۔ معمول کے مطابق آپ کا اداریہ ہر صا جو کہ ہر باری طرح اس بار بھی آپ نے بہت اچھا
لکھا تھا۔ ہم باری تعالیٰ اور نعمت رسول مقبول سے ایمان کوتاہ نہ کرتے ہوئے صفحہ نمبر 23 یعنی کہ اپنے من پسند ناول
رہنم دسک میں شائع کئے۔ ماشاء اللہ بھائی اس دفعہ تو بہت روشتی لگی ہے۔ رہنم دسک میں۔ ہمارے بہت سارے
بہن بھائی جلوہ گر ہیں۔ اس دفعہ انعام یافتہ رہنم دسک ہمارے پیارے بھائی جس نے علی طالب سائیو ال من کی جی
بھائی انعامی دسک بہت بہت مبارک ہو۔ واقعی آپ کی دسک انعام کی حقدار تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کچھ دے۔
(آمین) اس کے بعد جن لوگوں نے میری نگارشات کو پسند نہ کی کی سند سے نوازا میں تھہر دل سے ان کا شکر گزار
ہوں۔ سب سے پہلے عمر جی بخاری جھنگ سے بہن جی آپ نے ہمیں یاد کیا۔ ہم آگے آئے۔ اس کے بعد مسرت بخت فگارہ



Adding freshness
to your festivity

Celebrate Eidul-Adha and its glorious traditions
with the added freshness of Dawn Bread.



dawnbreadofficial



dawnbread



www.dawnbread.com

حضرت بخاری، عربین اخترہ پیارے بھائی ممتاز احمد، امین حسن نکھای، پرنس افضل شاہین، سائل ایڈو۔ سائل مجاہدی آپ کو عید مبارک کہنے کا اعزاز بہت پسند آیا۔ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور میری طرف سے ڈیڑھ دن مبارکباد۔ دین محمد، نعمان نبی آپ کا بڑا پیار ہے جو میں یاد کرتی ہوں۔ آپ کا انٹرویو والدہ السلام بہت اچھا ہے۔ ہماری طرف سے آپ کو بہت مبارکباد، وہ بیکے آپ کی ذاتی زندگی کے بارے جان کر بہت دکھ ہوا۔ کیونکہ جو لوگ انظار خوش دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اندر سے ریزہ ریزہ ہوتے ہیں۔ آپ کی ذاتی زندگی، مطلب جو آپ کا انٹرویو شائع ہوا تھا۔ میں اس کی بات کر رہا ہوں۔ کہیں کوئی ایسا نہ ہو کہ میری اس بات کا کٹھن مطلب سمجھے۔ اس لیے بات کو دوسرا کر دیا ہے۔ دوسری بات آپ کا انٹرویو میں بہت شوق سے پڑھا ہوں۔ کیونکہ آپ کے کمرے میں بہت جگہ ملتی ہے کہیں کوئی۔

فیصل علی بھٹی، بھائی جان تقریب کے دوران آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میری تمام رازداری سے ایک گزارش ہے کہ پانچتر اگلے سال جب تقریب ہوگی تو تقریب سے چند روز پہلے آنے کی کوششیں کیا کریں۔ کیونکہ اس دفعہ ہم سارے رازداری حضرات اس ناگم مل جل والے ہونے۔ جب تقریب شروع ہونے والی تھی اور پھر جب تقریب شروع ہو چالی ہے۔ اس ناگم پر ہندو اپنی پشتیں پر بیٹھا ہوا اس ناگم سے نہ تو ملا جا سکتا ہے اور نہ کوئی گپ شپ کیا جاسکتی ہے۔ پہلے آنے کا یہ قاعدہ ہوتا ہے۔ ہر ایک دوپہر کے اسی طرح مل سکتا ہے۔ اس کے بارے میں جان سکا ہے۔ اسی اس دفعہ ہم نے سوچ کر گئے کہ کہیں نہ بھائی سے میں نے کوئی گپ شپ کریں گے۔ لیکن ممتاز بھائی تقریب شروع ہونے سے والی گئی تھی۔ مجھے نظر آئے۔ اس طرح فیصل علی بھٹی مجھے اس وقت جانے تقریب ختم ہو گئی۔ اور ہم کب لوگ جاتے تھے۔ اب زیادہ وضاحت کرنے کی میری خیال میں ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو اب کوئی بات کا مطلب ہے کہ حضرت قاسم علی بھٹی کی رہنمائی دیکھ کر ہنسنے کوئی۔ اس وقت بھٹی نے ممتاز احمد کے رہنمائی سے حاصل کی بات کی بہت خوشی ہوئی ہے۔ لکھا کہ اللہ ہمیں حاصل کیے کہ وہ ملے اور اسے بخود دے قاسم نے بات فرماتے بہت اچھی لکھی۔

[illegible]

UHU - glues anything, anytime.



minions

صوفی اصفہن، ماہین قاطرہ، اشفاق شاہین، نبیل عابد، مقصود احمد بلوچ کے اوراق پسند آئے۔ اس بار بھی غزلوں والا جلسہ قاصد قاصد تھا۔ بہادری کے عنوان سے ایک تحریر مجھ دانی نے ڈی آئی خان سے بھیجی ہے جس میں پچھتا چاہتا ہوں ان سے کہ آپ پہلے بھی سہاویوں میں تو نہیں رہتی تھیں۔ اس سلسلے میں فریاد جاوید فری کی کوئی تحریر کوئی خفا شاہ نہیں ہوا۔ کیا وجہ ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ فریاد آئی کو مکمل صحت بخشد یہ عطا فرمائے۔ (آمین)

اس ماہ رمضان کی شیعہ گری میں نے اپنی اپنی عینک سے کیا کاش سورج کی بھی کوئی عینک ہوتی۔ میری عینک نے پوچھا: وہ کس لیے؟ میں نے کہا: بہت آگ برسا رہا ہے کچھ تو اسے سنو دل کرتی۔ یہ سن کر عینک میری طرف دوڑی اور میں پتلی جلی میں نکل گیا۔ (خوش رہے)

☆☆☆

اشفاق شاہین، لاہور

ریشی دنگ میں یہ میرا سلاخ ہے۔ اس کے نو تیش پوری بات، تیرے کر نہیں ہوں۔ لاہور سے پہلی بار لکھ رہا ہوں، مگر اچھی سے لاہور کا سبز مصروف، ہوا آتے ہی دھیر ساری مصروفیات بھر لاہور سے ریشی کے پھل پانی اور پھر اب کے دنگ میں انٹری دے پڑا ہوں۔ امید ہے کہ اس بار بروقت پہنچ جاؤں گا۔ تقریب کا تصویر احوال ملاحظہ کیا بہت اچھا لگا۔ انٹرس بھی ہوا کہ کاش نشہ ہو پلایا آگئی بارش رو۔ انشاء اللہ

عبدالعزیز بی آفر سے ریشی کا حصہ ہے میں بہت خوش ہوئی۔ جی آئی جو شکایتیں ہوں جیکے۔ آپ مغل کی رونق ہیں۔ محسن علی طالب آپ دتاب کے ساتھ ریشی کی رونق ہیں۔ دعا ہے کہ وہ جلد از جلد ہماری باتیں سن سکیں۔ سبز گت غفار آپ کا فیکسلی تیرہ دنگ کا خاصہ ہے۔ گذر۔ موش ملک، مغربی بخاری، حنا، مغربی کھڑ، ریشہ، کنول آپ سب کو تیرہ دنگ سے بتی آ پیاں توں۔ مغربی بخاری اور حنا نے تو آتے ہی شادی خاندانہ کو تیرہ دنگ کے ساتھ بھر پور انٹری دی گذر۔ یہ کاش جاری رکھیے۔ تیرہ دنگ، اختر، حسن نظامی، ممتاز احمد کے خطوط بہترین تھے۔ سائل ابھی مغل کی رونق دشا میں۔

روینہ زہرا، مقصود احمد بلوچ آپ نور ریشی کی جان ہیں آپ کے ہر کلام میں بات ہے۔ چلتے ہیں کیا باتوں کی طرف۔ حسین انجم انصاری کا ریشم بہت اچھا جا رہا ہے۔ اور خالہ شیں راؤ کا بچو ہے ہم سبز، کیا بات ہے خصوصیت الفاظ پر مبنی کہانی آپ تو اس کے بڑے نظر آ رہی ہے۔ دیکھی سے بھر رہے۔ وری گذر۔ میڈم کا نظام ناول بھی آ رہا ہے تو کس کی جگہ پر، ریشم تو ہم کو شاید۔ عید کے حوالے سے تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ زہرت نہیں فیاض نے بہاری لوٹ آئی ہیں بہت خوبصورت لکھا۔ یہ عید اور ہم انچھے انجم کے ساتھ زہرت۔ ممتاز احمد کی دعاؤں کا شکر بہترین تحریر کوئی گت غفار کا افسانہ بھی بہترین تھا۔ شہناز بیز سے ملاقات خوب رہی۔ خود کا می تمام کلام بہترین تھا خصوصاً ماہ اولیٰ مقصود بلوچ اور شاہین حسین کا انتخاب۔ آجندہ تک اجازت اس دعا کے ساتھ کہ تمام احباب کو اللہ تعالیٰ و حیروں خوشیوں سے نوازے۔

(☆ خط لکھنے کا بے حد شغریہ)

☆☆☆

ساگرہ بھی آپ کو اور پوری ٹیم کو بہت بہت مبارک ہو۔ اس پر مسرت موقع پر میں اپنی تحریر ریشم عینک میں بھیج رہی ہوں۔ امید ہے آپ کو پسند آئے گی۔ میں بیشک کوکشل کی ہوں کہ بہتر لکھ سکوں۔ اس لیے محنت کرنی چاہتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ اتفاق سے میری ساگرہ بھی تیرہ دنگ سے بھیجی ہے۔ آئی آپ سے درخواست کرنی تھی کہ میرا بھی کر کے میری کال ریسیو کر لیا کریں۔ کیونکہ میں اپنی ذمہ داری بھی ہوں کہ اسے کم سے آپ کو انعام کیا کروں۔ آپ مصروف ہیں تو پڑھتی ہیں آپ کا زیادہ وقت بھی نہیں لوں گی۔

(☆ چھاپاری نرجس پاؤں سب سے پہلے تو آپ کو ساگرہ کی مبارکباد۔ ہمارا ایک کدھر ہے؟ بھیجی آپ مجھے اپنا نمبر دیں گی تو آئیڈیز کروں گی ناں۔ ایک بار بھی SMS کریں۔ تاکہ Save کروں)

☆☆☆

پریس فضل شاہین، بہاولنگر

چھاپاری باقی بڑی سرور صاحبہ!

السلام بحکم:

اس بار بھی ہمارا پسندیدہ ریشی ریشی ساگرہ وقت پر ہی لکھا۔ سرور کی ہر اس بار ایک روز کی انگلیس میں نے گتہ کیا تھا۔ آج کا اور یہ ہم انسانوں کی کم عمری پر تشریح چلا رہا تھا۔ بہت محنت دین اور دنیا پر ہر کہ ایمان کی سلاطین مضبوطی۔ آگے بڑھنا پسندیدہ ہر ریشی دنگ میں پہنچے۔ محسن علی طالب انعام یافتہ دنگ پر قندہ بنائے جیسے تھے۔ میری کاشات پہنچاؤنے پر سز گت غفار، مہرین اختر، ایم حسن نظامی، اختر احمد بلوچ، فیصل ندیم بھی کاش شریہ آپ کے خطوط کے ساتھ ساتھ ممتاز احمد، مقصود احمد بلوچ کے تیرہ دنگ بھی چلا رہے تھے۔ حنا، مغل، مغربی کھڑ، ریشہ، کنول کو بھی دنگ پر خوش آمدید کہتے ہیں۔

مغربی بخاری آپ کے بلاگ سے جانے والی تصویر ہیں۔ آئی بڑی آپ نے اس بار کہا ہے کہ تقریب کا احوال آپ لکھ رہیں اور ہم آپ کی تقریب تک بھی اپنی شائع کر کے مگر دو سال پہلے تقریب سے آتے ہی ایک ہر اکھ ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ایک ماہ تک اس پر پڑائی میں رہا اور ایک ماہ بعد بہت گت سے بہت ہی دلچسپ تقریب کا احوال ارسال کیا مگر وہ اسے صاحب نے یہ کہہ کر نہیں لکھا تھا کہ بہت لیت ہو چکا ہے۔ اس لیے معذرت۔۔۔۔۔

قطر اور افسانوں کے ساتھ نور جلال، عرفان داسے، بہاری لوٹ آئی ہیں زہرت جیہیں فیاض، سادون رت انجم فاروقی، ساطعی، نسیمی پری ہزاروں نرے، دعاؤں کا شرمناز احمد، آگے کی دلچسپی پر شکر ہے آسو گت غفار، عیدین خالہ سہاس بھی، محبت و محبوب چھاؤں ڈاکٹر طارق محمود، آزاد ماہ عابدہ طارق پسند آئے۔ روینہ رضانا نے ہمارے پسندیدہ شاعر شہناز بیز سے ہماری ملاقات کر دہا کہ ہمارے دل کی لوٹ لیے ہیں۔ ان کا انٹرو ایک بار میں نے آ رہے شہناز رضا داسے کے پروگرام تھا وہ اس سلسلے میں شریہ پریس ایف 90، یو۔ پیو۔ بنگلہ سے ملنا تھا۔ جو کہ سبز میں بہت پسند کیا گیا تھا۔ اس کے پروگرام کے بعد بھی اپنے انٹرو پروگرام میں شہناز رضا داسے ان کے کلام سے انتخاب پڑھتے رہیں ہیں۔ وہ اپنی شہناز بیز کاش کے شاعر ہیں۔

اگر وہ تو کاش شہناز بیز شاعر، نوشی کلائی، فریاد جاوید فری اداکار صدکار اطہر شاہ خان جیدی، عظیم سرور کے انٹرویوز ریشم کی زینت بنائیں۔

☆

مزنگبت خفاری
بیاری بڑی بی
السلام منکم

متنیں رہیں سلامت، شادو آ باد رہیں (آمین)

کل یعنی 13 جولائی کو سال موصول ہوا اور آج تبہ حاضر ہے۔

خوبصورت آنکھوں والی ماڈل دل کو بھائی بیشک کی طرح ہمدردت سے روح کو سنور کر دیا۔ دین و دنیا بے حد خوبصورت اور روح کو کھنسا دے والا سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت رسولؐ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

رنگینی دستک سب سے پہلے حسن علی طالب آپ کو بہت بہت مبارک ہوائی دستک پر کہانیوں میں عرفان رائے کی تاریکی کھلی، سیاسی گل عیدن خالہ جینو سے ہم سفر خواجہ جلیل، محبت و حوپ جھاؤں طارقی محمود آکاش، بہار لوت آکاش، لوت جینو، مجید اور ہم تر قرا آمین یہ ساری کہانیاں بہت پسند آئیں۔ باقی کہانیاں نہیں پڑھیں۔

خود کوئی میں سیاسی گل، حسن احمد جانی، اشفاق شاہین، پرس، افضل، منصور احمد بلوچ، عذرا عید، رشیدہ بہاویں، عدیم بھاری کے اشتیاع اور کھلافت بہت پسند آئے۔ آپ کے اوراق میں اور شادیت باری تعالیٰ، صدق، پرس، افضل، ایم حسن نظامی کیا جانتے ہو؟ زینت محبت و گناہ، یہ تحریر بہت اچھی تھی۔ آپ کے دیر میں شہزاد نیر صاحب کی باتیں اچھی لگیں۔ غزالیات میں ایم حسن نظامی کی سائل ایڈور، بڑی سرور، شگفتہ، شعل، عابدہ طارق، ایس، امتیاز، روینہ رضا کی غزالیات بہت پسند آئیں۔ بیاری بی بڑی بی۔ آج خدا شکر ساری لکھی ہوں تبہ وہ بھیجیں نہ ہونے کے برابر ہے جس کی وجہ۔ وہی بے مکان کل کرنے کے بعد سامان ایک مل کر رکھا ہے میں دوری کی جگہ یعنی اپنی بیٹی امیر کے گھر السید شہین ہوں اس پر سے باقی تحریریں ارسال نہ کر سکے۔ اللہ اللہ جوت جلد بحر عید کے حوالے سے افشاں ارسال کر دیں اور آپ ایک خوشخبری کہنے مکان میں انشاء اللہ میں بولا کی شکل میں بھیجاؤں گی اور دو تبرکو فدی شادی ہے۔ ان دونوں آپ کرانی اتنی ہوں اور فخر ہو گی میں اس بات پر کہ کرانی نوسال میں عروہ کے بچائے زوال پر ہے اللہ ہمارے دین کا شاندار نظام ہے عروہ کو ہمارے شہر یوں کو عروہ عطا فرمائے۔ (آمین) میری طرف سے آپ کو آپ کی فیملی کو میرے بچوں کو بھیجی ہو گی۔ دوشم کی فیملی کو سب مر اجب سلام دو دہائیں اور دیر دو بیار تنھے سب بچوں کو اللہ حافظ۔

(☆ بیاری گبت! آپ کو سنئے گھر اور فدی کی شادی کی بہت بہت مبارکباد۔ آپ کا محبت بھرا بیجا ملا۔ جس میں کرانی میں ملا طاعت نہ ہونے کا شکوہ تھا۔ کرکین ناظم بہت ہمدرد تھا۔ انشاء اللہ اگلی بار آئی تو ضرور ملا طاعت ہوگی)

☆ ☆ ☆

ایم حسن نظامی، تجول شریف
قابل قدر چیف ایڈیٹر شریعہ!
سلام مستون!

امید ہے اپنی بزم کے سبھی رفیق پر دانتے تجھے یہت سے ہوں گے رشیم کا تازہ پرچہ اپنی سابقہ روایات پر قرار

رکے جلوہ گر ہوا۔ بڑی سرور صاحب کے منہ زور قلم سے "نامہ بابا" اچھے عمدہ اور سبق آموز فقرات کا عکاس پایا اور یقیناً ابھی وقت ہے ہم سب مل جائیں۔ دلوں کے سیل کو اندر سے دھوئیں اور زندگی کی حقیقی خوشی اور اعمال کی عیدیں سنائیں۔ دین و دنیا میں سیرت نبویؐ پر مضون ایمان افروز پایا۔
رنگینی محفل میں حسن علی طالب انعام وصول کرتے پائے۔ جی مبارکباد قبول فرمائیں۔ نئے چروں کی انٹری دیکھ امید ہے وہ آچندہ پابندی کی حاضری دیں گے۔

مزنگبت خفاری، مغربی بھاری، مہرین اختر، ممتاز احمد، قاسم خان بلوچ، اشفاق شاہین، ساحل آہود، فیصل عدیم، یعنی، پرس، افضل شاہین، منصور احمد بلوچ، راشد لطیف اور کی ایک دوسرے ساتھیوں کی تکرار و دعاؤں کے مٹل میری شریک حیات کوئی زندگی کی بھی ساتھیوں کا ذخیرہ ہے۔

میری نگارشات کو پسندیدگی کی سند سے نوازنے والوں کا بھی شکریہ۔
طویل تحریروں میں تاریکی اور یادگار تحریر نور جہاں اور شادیت جہانگیری کی زبہ کی سے عرفان رائے صاحب نے اچھے اور مفرد انداز تحریر سے پردہ اٹھا۔

عذرا فردوس، قرۃ العین سکندر، زینت محبت، حسین، انجم طارق، سامی، جی، کمال، عید اور ساموں کے عنوان کو اپنے اپنے مفرد اور دلچسپ انداز سے لکھا کر فرما دے تھے۔ ممتاز احمد، محبت خٹار اور کل جملہ طارق کو آکاش عمدہ اور مفرد تحریروں کے ساتھ ایک دوسرے کے متعلق پائے۔ ان کے انداز تحریر میں دلچسپی ملتی۔

حسین انجم، انصاری اور خواجہ جلیل رائے کے انداز تحریر میں بلاسی شگفتگی پائی۔ وہ کردہاؤں کو ہمارا بخوبی جانتے ہیں۔ سیاسی گل اور راجہ طاہر نے بھی تحریروں کے ذریعے اپنی قابلیت دکھائی۔

بڑی انصاری پر مضون پسند آیا جہاں شہزاد عید پر تنقید کیا جہاں پیش کردہ تھی جس میں دیر و نوک جو تک میں اپنی دماغی صلاحیتیں اچا کر رہے پائے۔ رنگینی سند سے حسن علی الدین نوب اور شریعہ کی وفات پر دلی دکھ ہوا۔ بلاشیر وہ ملک کا مظلوم خزانہ تھے جن کو میں بڑی سرور صاحب، روینہ رضا، عابدہ طارق اور شہزاد عید اپنے اچھے جذبات کی عکاسی کرتے پائے۔

شہزادین کا انٹرویو اچھا لگا۔ خود بخاک کی آگے اور اوراق، مہندی کے خوبصورت پیرائے، باتیں محبت کی، ریشما کے خواب، بچوں کی کہانیاں اور لائف پر پے میں دیکھنے کے آسانی عروہ کا منظر پیش کرتے ہوئے سبکے محسوس ہونے پے۔

آخر میں پر سچے کی کیرنگ، ایڈیٹنگ اور تحریروں کے سبک مفرد اور عمدہ معیاری ترتیب دینے پر ادارہ کو مبارکباد قبول ہو۔ (☆ بے حد شکریہ)

☆ ☆ ☆

حسن علی طالب، ساہیوال
آپنی بڑی سرور صاحب!
السلام منکم

آداب بہت مبارک دہائیں۔

ماہ جولائی 2016 کا کارٹون مل گیا تھا جن کے بال مفید ہو گئے ان کے کام آئے گا۔ آپ کی آپ

نے اداریہ خوب لکھا۔ آپ سب ان کے غلام بن چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آخر خیزو سے کوئی کھڑو زہرہ رنگ بکڑتا ہے۔ اگر گھر کے بڑوں کا بیڑا ٹھیک ہو چھوٹے بھی ویسا ہی کرتے ہیں۔ اس طرح گھر جنت بن جاتا ہے۔

محمد باری تعالیٰ بھان انھیں غفر علی نے اللہ کا بندہ ہونے کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جبر سے گادین دینا میں حضور اکرم کے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی دل خوش ہو گیا۔

میری دستک کو انعام یافتہ قرار دیتے پر دلی شکر گزار ہوں آپ زرارہ وقت ملتا رہا تو ہر ماہ انشاء اللہ حاضری دیا کروں گا۔ بیوی ملک بنی آتی ہوں۔ رستم سے تمہیں بہت محبت ہے مگر آپ کو رستم کی بھرتی میں سے کھو اور چھا جاؤ۔ مہوش آپ کو میرا افسانہ اچھا لگتا ہے۔ محبت غفار آپ کی پوری تحریر پسند آئی ہے۔ دعا آ بار ہیں۔ تیا ناصر صاحب محبت کریں ایک کہانی بھیج کر بیعت نامہ جانیں اور انھیں قابل اہتمام ہوا تو لازمی لگے گی۔ سائل کا بڑا، دو اشفاق شاہین سے نمبر لے کر مجھ سے رابطہ کرتے خوشی ہوئی۔ رجبہ کنول کی خوش آمدید۔

جن کو میری تحریر پر خط پسند آئے ان کا دلی شکر گزار ہوں۔ محبت غفار، محمد حسن نظامی، محمد کاظم خان، فرس افضل اور سائل ابڑو کے تہنہ دلچسپ تھے۔ ہمیشہ ایسا ہی رہنے کو تمنا ہے تو خوش ہوگی۔ کچھ لوگوں کی کی محسوس کی۔ ویسے افسوسناک امر ہے جسے شایع ہونے والے اس کے میں سب کہہ رہے ہیں۔ جس نے ایسا دیا آپ کی تحریر میں شائق کی اس کو کوئی نقص اور اوکھا بات ہے۔

آپ کی آج کل کی بات کا دل بہت بڑا ہے۔ محمد عرفان رائے اس بار بھی تیار رہی کہانی لائے میرا کیا جگ ثابت کیا۔ مڈرافروسی اچھی تحریر لائی۔ آپ کی بھرتی آپ کی منزل لا جا رہی ہے ایک شعر عرض ہے۔
وہی عید بھی وہ شہر کی روشنی ہے
ایک وہ شہر کی جن کو ہم دیکھنا چاہتے تھے

یہ عید اور ہم تر ارم اور خدا کا فراموش نہیں شاد تھا۔ بیاری کوٹ آئیں جسے تو اگل کے بازو ہوتے ہیں تحریر میں سنہیں اچھا لگا۔
ستار مجلس راجستھن انجمن کا بول اس بار میری تجس میں چھوڑ گیا۔ سادہ رنگت اچھی کاوشی ایک شعر یاد آ گیا پڑھ کر

وہ شخص آج نہ جانتے کہیں تھا بھیجا رہا
جس کو بارشوں سے مددات تھی

نعمی پری کی معصوم باتیں اور قاتل کی سفاکی میں مثال چلی کچھ نئے لفظ رادہ کا راقی بنا دیتے ہیں جنت کی سیر کرواتے ہیں برین اور اٹھک کرتے ہیں ہم باندھ کر گنہگارے راستے پہنچا دیتے ہیں۔ صبح بھاد میں خوش خودزا بوجھل محسوس ہوا۔ آٹھ کی دہلیز پر چھترے آئے نور و کار سر نیچا ہوا ہے۔ عیدین خاندان خیر نے دل جیت لیا بہت اچھی اور سبق آموز تحریر تھی۔ روپیہ رضا صاحبہ میں سے ہوں سنا کہ انھوں میں کس کس کا تھرا ب آپ آکے سامت لگا کر بیٹھے جسے بھی لگ گیا ہے۔ آپ کی محبت کا شہر بہ بھرتی انھاری دکھار دی ہیں رستم کے ہاتھ میں خائے میں داخل ہوئے ہیں نہت کے چوہے جاگ گئے۔ عید محفل سے سب کو کوک جھوک میں آپ اڑے ہاتھوں لیا دوا۔ شہزاد شیر اچھے انسان ہیں نہ چکا ہوں ان کا انٹرویو اچھا لگا۔

خود کادی میں محبت غفار، ارمان، سلمان خالدہ، صوفی اصغر اور شازیہ حسین کے عید کے حوالے سے اشعار پسند

آئے۔ اس بار میری تحریر کی کی محسوس ہوئی ایک اور افسانہ جلد روانہ کروں گا۔ باقی سلسلے اور شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔
(☆☆☆ اچھے محسن علی غلاب اچھا لگتے ہو۔ خوش رہو۔ آمین)

☆☆☆

محمد کاظم خان بلوچ ٹو پے سنگ

بیاری باہمی بھرتی سرور صاحب!

السلام علیکم:

امید ہے آپ اور رستم کے چاہنے والے کسی لوگ خوش و خرم ہوں گے اور دعا ہے کہ کسی لوگ تاحیات نبی خوش صبح و سلامت رہیں۔ (آمین)

جولائی کا خواہ صورت شمارہ ملاؤں کو بہت خوشی ہوئی۔ خوش ہو کر رستم کو پڑھنا شروع کیا تو بہت حرا آیا۔ اس بار دین و دنیا ایک بہت ہی پیارا اور دل ثابت ہوا۔ وہ اس کی نگاہ سے پیارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کے چھٹے چھٹے اور دسویں نمبر سے اوصاف تھے۔ آپ کا خوب ترانہ جو جو دین و دنیا میں پیارے آقا کی آپ کے ایک ایک اوصاف کو خوب نگار دیا گیا۔ آپ کے حسن و جمال کی اللہ نے بھی تعریفیں کیں۔ اپنے پاک کلام میں تو اس قسم کے کلامی پورا حق ہے کہ وہ اپنے رحمت اللعالمین کی تعریف کریں دل و جان سے کیونکہ آپ چہرے جہان کے لیے ایک روشن چراغ اور نور ہیں۔ آپ نے اس امت کو ایک روشن راستے پہ چلا کر اپنی طرف سے اپنا پورا حق ادا کر دیا اور قیامت تک آپ اس امت کے لیے رحمت اور باعث شفاعت ہیں۔ کہوڑوں درود ہوں آپ پہ اور آپ کی ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین پر اللہ پاک ہمیں اپنے پیارے آقا کا پورا پورا ادب و احترام اور ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کا حوصلہ اور محبت دے۔ (آمین)

رستمی دستک میں اس بار تیسرے بڑے اچھے اور چاند تھے جسے لکھنے والوں کے ان لوگوں کو بھی دلی مبارکباد دیتا ہوں جن لوگوں کو رستم واہوں سے کواڑیاں ایک بہت بڑی حوصلہ افزائی کی تمام لکھنے والوں کے لیے بہت خوشی ہوئی۔ بھرتی باہمی تو جی جان سے لکھنے والوں کی قدر کرتی ہیں۔ اس لیے ہم سب رستم کے چاہنے والوں میں سے کسی کو بھی چاہیے۔ تقریباً ہائے سے تقریباً لکھیں ہی میں ہیں اور محبت باہمی سے محبت ہی تھی ہے۔

محسن علی غلاب کا تبصرہ پڑھا۔ آپ نے جانے کتنے دل و جان سے لکھا ہے اور میں بھی اچھا لگتا تھا۔ سبجبت غفار بہن جی آپ کا تبصرہ بڑے ذوق کے ساتھ پڑھا۔ آپ نے جانے کتنے دل و جان سے لکھا ہے اور میں بھی اچھا لگتا تھا۔ سبجبت غفار بہن ایک دوسرے کے لیے ہمدردی مانہ پڑھی ہے کہ کوئی کی کو تکلیف نہ دیکھے تو آگے آکر اس کی دل سے مدد کرے۔ اور بہن جی آپ نے کیا خوب لکھا کہ مجھے میری تحریر کو کڑی لین آپ کو نہیں مطلب آپ نے میری تحریر کو پسند کیا ہے تو بہن جی آپ کی محبت اور اوزار ہے۔ بہت شہرے تحریر پسند کرنا۔ ویسے اپنی تحریر کو خود اپنے لفظوں میں پسند کرنا مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگا میں تحریر کے حوالے سے پڑھنے والوں کی طرف دیکھا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں میری تحریر کے بارے میں۔

غفری بخاری جھنگ صدر سے آپ نے بھی اچھا تبصرہ لکھا بہت دلچسپ باتیں لکھیں اور میری کہانی دل کے درمی کو پسند کیا آپ کا شکور ہوں ان پسند کے لفظوں پہ دعا خوش رہو۔
بہن عزیزین آخری آپ کا بھی تبصرہ بہت کمال کا ہوتا ہے۔ آپ کا تبصرہ میں ہر بار لازمی پڑھتا ہوں آپ دل

(نئی پیاری منگنی! پہلی دھک کے جواب میں خوش آمدید ابھی آپ کی کوئی تحریر نظر سے نہیں گزری سوائے ایک نزل کے اس کے لیے معذرت۔ آپ اپنی شاعری کے لیے لازمی کی اتنے شاعر سے اصلاح کیجئے۔ ورنہ کبھی شائع نہیں ہوگی سکر ایسی کی ضرورت نہیں شاعری کے علاوہ کبھی بہت کام ہیں دنیا میں کرنے کو)

☆☆☆

فریدہ چاہو فری، لاہور

ڈیز بٹری بی!

السلام بیکٹر:

اگرست کارشم جلدی مل گیا غنیمت علی شاہد باری تعالیٰ اور نعمت رسول مقبول پر حاکم دی سکون ملا۔ ربی دھک میں شاہد سلیم کو انعامی دھک مبارک ہو۔ جن کے خطوط دھک میں جھکا رہے تھے۔ جو علم آزاد، پرس فضل شاہین، ایس ایف ایف، محسن علی طالب، عیدہ احمد بھائی، میر عزیز کو دھک سلام بادشاہ ہو بھائی۔ مصطفیٰ عالم، البرہہ، ایم احسن نکلی صاحب آپ کی ایلبر کو انعامی حقبت باری تعالیٰ عطا کرے۔ (آمین)

راشد لطیف، آسیہ شاہین آپ کی تحریر کی کمال کی ہوئی ہیں۔ بے حد سلام اور دعا۔ مصطفیٰ کی بہت پیار۔ مسز گیت غفار آپ کو پاکیزہ مبارک ہو۔ مکمل مشتاق آپ سب کو ربم میں خوش آمدید۔ غدار فردوس وطن تھے سلام بے حد پسند آئی۔ اشتیاق دینے والی آپ نے کیا خوبصورت کلمہ فارسیوں سے میر۔ جنم ل آوازی مقصود بھائی بے حد اچھا افسانہ لکے۔ میں کئی فونی جہاں کا مجھے بھائی بہن تحریر کی۔ پیار سے بھائی ڈاکٹر طارق آواز زور کی ایک بہتا دریا۔ بہت ہی خوبصورت تحریر کی۔ بیٹے کی مبارکباد قبول کیجئے میرا تو پیار سا بیٹھا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت اور برکت عطا فرمائے۔ آمین

دونوں بہن کا بھائی مٹھانی تیار رکھیں۔ مزین اختر نے بھی میر کے حوالے سے اچھی تحریر لکھی۔ ممتاز بھائی ہمیشہ کی طرح اچھی تحریر لے کر آئے۔ جس بانو نے کتنی ہفت کیا خوب لکھی۔ جگنو نے میر غزالہ طیل راؤ کے ناول کی چچی قسط پر بھی شاعر۔ ایس ایف ایف کو میر سے نفرت دلائی ہیں۔ شہلاں صفت فرشتہ پڑھ کر حزا آ گیا۔ تانا، ناز داؤد کیا خوب لکھی میر میں کیا اچھا محسوس ہو۔ دیوار مشتاق نے مثال تحریر کی۔

بارہ بی خانم میں قافلوہ سے مدد سے لکھا کہ اگر خوب لکھا۔ اچھا میری اب اجازت ہے۔ نزل میں پڑھنا ہے لکھ رہی ہوں وہاں ایڈٹ ہوں تمام رائٹر میرے لیے حقبت باری تعالیٰ کی دعا کریں۔ شکر ہے اب بہن بھائیوں کو بے حد سلام اور دعا بہت زیادہ پیار ہوں۔ بشری بی رنگ خیال پھر سے شروا کر دیں۔ شکر ہے

(نئی فریدہ آپ کی فرمائش پر "رنگ خیال" اس بار موجود ہے)

☆☆☆

ایم اشتیاق بیٹ، لاہور موٹی

آبی بشری مسرورا

السلام بیکٹر: اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی ساری فیملی کو دھک سلامت دے سکے۔ (آمین)

جون 2016ء کا ربم ڈائجسٹ اپنی تمام تر تحفوں جاپتوں کے ساتھ ملائی انتقاد کے بعد جہاں کا شمار ملا بڑا انتقاد کر رہا ہے تم نے میر سے پیار سے ربم کیونکہ جون کے شمارے میں 30 اپریل 2016ء کی شام شمس شام کو ربم ڈائجسٹ کی ایوارڈ تقریر ہوئی گی اس شام کی یادگار پھر رکھیں جس اور ایوارڈ تقریر کا احوال بھی پڑھتے تھے اس

کی اچھی ہو اور اچھی باجیں لکھتی تھیں۔ جناب پیارے امیر گلستان احمد کی سلام ہو آپ کو کسیے ہو امید ہے اچھے ہو گے۔ آپ نے میر سے تھرے اور کہانی کو پسند کیا کیسے آپ کا شعر ہے ادا کروں۔ آپ کا ربم لکھا رہی ہو۔ آپ جب حوصلہ دے ہیں تو دل میں انتہا کی خوشی ہوتی ہے بہت بہت شکر میر ممتاز انکلی ہیں۔ ایم احسن نکلی جناب ہمیشہ خوش رہو آپ کا تبصرہ تفصیل سے پڑھتا ہوں۔ آپ نے مجھے بہت عزت اور محبت دی ہے دعا ہے اللہ آپ کو اور زیادہ محبت دے آپ کا شعر یہ کہ آپ نے میر سے تھرے اور کہانی کو پسند کیا۔ ہمیشہ سلامت رہو۔ مفت گل، منگنی کوثر اور عذرا فردوس آپ سب بہنوں نے تو دو دو سطروں پر ہی تبصرہ کیا کیا ربم ٹوٹ گیا تھا آپ سب بہنوں کا پلیز مجھ زیادہ لکھا کریں سائل ایڈو بھائی بہت باعزت تبصرہ کیا تم نے آپ کی باجیں پسند آئیں۔ فیصل غلام بھٹی نے بھی اچھا اور معیاری تبصرہ کیا۔

تحریریں میں نور جہاں بہت کمال کی کہانی رہی۔ بہن عذرا فردوس آپ کی کہانی پیام خوشی لائی ہے عید بہت خوب کہانی خوش کی ہے آپ نے۔ بہادرین لوت آئیں میں نہ بہت عجین فیض کی تحریر کی کمال کی کہانی رہی۔ سادون رت زبردست بھی ایم فاروق سائل کی۔ شہلاں بی بی، منج بھاردا، واماؤں کا شعر ممتاز احمد کی ہے کہانی ربم میں جانے کی طرح تھیں۔ آگہ کی دلیپ پھر میرے آگے سو حقبت غفار آپ نے کئی زبردست تحریریں بھی خوش ہو گیا۔ سادون کا سرود بھی پڑھ کر حزا آ گیا۔ خوشکلی پرس فضل شاہین، مسز گیت غفار، عیدہ احمد بھائی، تانا، میرا صاحب میرا سائل گل کے شعر اچھے تھے۔ ایم احسن نکلی کی خوشی میں اچھی تھیں۔ اب سب دھک سائلوں کو دعا دینے کے ساتھ ساتھ اجازت آگہ کی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔

☆☆☆

منگنی کوثر آرا تھیں، اداکارو

ابھی باجی بشری صاحبہ

السلام بیکٹر:

ربم کے تمام اشعار قدر میں رائٹر کو دھک میں دعاؤں کے ساتھ باجیں چلا رہے ہیں۔ جلدی سے آپ بھی جموئی افغانیں۔ خدا آپ کو دیا جہاں کی خوشیوں سے ملا لکھ کریں۔ خدا آپ کو دیاوی خوشیوں کے ساتھ آخرت کی تمام نعمتوں سے نوازے۔ (آمین)

میں کافی عرصے سے رسالے پڑھ رہی ہوں۔ مگر آپ کے رسالے میں مجھے بھی کوئی کی نظر نہیں آئی۔ سب کہانیاں، حمد ہو یا نعت سب ہی اچھی ہوتی ہیں جن کو بار بار پھر دیکھنا چاہتا ہوں انتہائی لطف ملتا ہے۔ جتنا کہ پسند کرتے پڑھتے سے ملتا ہے۔

باجی بشری میں نے بھی خوشیوں اور حمد وہ کہانیاں بھیجی ہیں مجھے امید ہے کہ آپ میری حوصلہ افزائی کریں گی۔ جیسے کہتے ہیں کہ اگر ہمارا انسان بھی اگر اچھوں میں بیٹھے لگ جائے تو وہ بھی اچھا انسان بن جاتا ہے۔ اس طرح اگر آپ کسی کی حوصلہ افزائی کریں گی تو وہ بھی ایسے آپ کو سنواریا ہے۔ پلیز باجی آپ سے لکھنے والوں کو بھی مستحکم ہو لائیں تاکہ ان کے اندر بھی صلاحیت بھی پھر نوراں ہو کر ابھریں۔ اگر اصلاح کی ضرورت ہو تو وہیں کیونکہ کوئی بھی ماں کی کوکھ سے نکلا رہا پیدا ہوا ہے کیونکہ جن کو کوکھ ملتا وہ اچھا شاعر بن کر ابھرتا ہے جن کو کوکھ نہیں ملتا وہ دل کا شوق، دل میں لیے جہاں قافی سے کوچ کر جاتا ہے اس بات پر مجھے انتہائی ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

دفعہ بلک روز میگزین کے والے نمبر لے گئے۔ فرنت پیج پر انہوں نے چند روز کا جو کچھ لکھتے تھے سال سے کشاف کش سرور جسے کبھی بھی نہیں۔ اس دفعہ بلک روز والوں نے مجھ کو لیا جو کہ اچھا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری مرحوم بہن کے بیٹے کو دولت سے نوازا جسے دعائیں کر رہی ہیں کہ یہ کب سے لے کر خیر و برکت کا باعث بنے۔ (آمین)

اور میری بھانجی بیٹے یحییٰ کی دولت سے محروم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو میرا جیسا جیسا فرمائے۔ اور میری دانف کی بہن کا آپریشن ہوا ہے گردے کا اس کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

میں آئی بشری سرور اور سرور صاحب کا بہت بڑا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے میری دفعہ مجھے ایوارڈ سے نوازا میں بے حد خوش تھا۔ 30 اپریل 2016ء میں شام کو ریم ڈائجسٹ والا دفتر دھارمہ سے جس کو کھر کا ہر فرد چھوٹا ہے سب سے پہلے آئی کہ ایوارڈ پر دیا جا جو حقیقت تھا کہ شہب زما کی جب رات آتی ہے تو وہ بھی سو مایا پر صبح بچتے ہیں اور کوئی غلطی ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دینا سا ماراں لوگوں کو خراب چل چل میزوی بڑی دیتے رہے اور یہی معافی مانگ کر پھر وہی کام۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے (آمین)

فقط یہی شہب زما اور ڈاکٹر راشد شریز اپنی اپنے خوب لکھتی ہیں اور اللہ کے محبوب کی شان میں تعریف بیاگی۔ دین اور دنیا میں رمضان کا مہینہ آئے ہی یا کہ کھانے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔

آئی کی رہی دستک بڑھ کر بہت خوش ہوئی کہ وہ کہہ رہی تھیں کہ اس دفعہ ایوارڈ تقریب بہت کامیاب رہی کوئی بھی بہتر یا پہلے اور انٹرنیٹ پر دیکھنے کو نہ آئی ہے ایوارڈ تقریب میں آئے والے بھی مہمانوں کا کھانا لیا اور کبھی یاد دلائی کہ آئی کی اللہ کے فضل سے ایوارڈ تقریب پر سال بے جوشی و جذبے کے ساتھ ہوئی ہے۔ یہی رہی دستک میں سب سے پہلے فریڈ نے میرے افسانے کی تعریف کی ان کا ہے دھڑک رہے پرس افضل بھی آئیں اور صورت کی تعریف کر رہے تھے شہب سلیم میری رہی دستک کی تعریف کر رہے تھے اور مجھے ایوارڈ ملنے پر مبارکباد دے رہے تھے۔ ان کا ہے دھڑک رہے۔ ڈاکٹر طارق محمود آکاں آپ سے پر محبت ہیں تو بائبل ٹیک ہوں ان کے فضل سے اور آپ اپنی سائنس۔

خیرین انجمن کی دستک بہت اچھی تھی۔ رہی دستک کے بعد فساد و جنگ کریم لکائی کثیر کریم اور لوش دانف کو لے کر دیا میڈیا کی تحسین سے دانف چاکر ڈان بریڈ سے شہب سلیم اور ڈاکٹر ڈاکٹر لکائی لکائی انجمن والوں کے ایئر کولر سے چھڑی ہوئی انسانوں میں تحسین انجمن انجمن کا کریم رہا شہب سلیم کی دینا دینا پکار کرنے والوں کی نہ جانے کیوں دشن ہے۔

غیر اہمیل راؤ جتنو سے ہم سفر کا تسلط دار تالوں کی دوسری قسط اچھی تھی۔ ایس اعتبار اچھی شرارت لے کر آئے اور شہب سلیم کی قدرت کی گرفت اور ڈاکٹر طارق محمود آکاں کا افسانہ لکائی کی یاکین بھی کئی عورتیں جادو کرنے یقین کر رہی ہیں اور بیٹے کے چکر میں دوسروں کے بیٹے مار ڈالتی ہیں ان کے افسانے دیکھتے تھے۔

صفحہ نمبر 63 پر 30 اپریل 2016ء کی وہ شام وہ واقعات جو ہم سب نے آنکھوں کے ذریعے دیکھے تھے ریم ڈائجسٹ کے چیف ایڈیٹر سرور احمد نظر آئے بہت اچھا لگتا جہاں اور کشاف کش سرور، نواب اور مدیحہ حجازہ کہیں تک کرتے نظر آئے۔ اگلے صفحے پر لوگ ایوارڈ لے رہے ہیں تو کوئی وصول کر رہا ہے تو کوئی ایوارڈ لے رہے ہیں میرے پیارے دوست اور سرور حدوں کے رکھوالے جو کہ مہیاں چنوں سے صرف ایوارڈ تقریب میں شرکت کرنے آئے تھے۔

وہ ہیں مقصود احمد بلوچ لیکن ان کی تصویر جہاں وہ ایوارڈ لے رہے ہیں ان کی تصویر کے نیچے ریاض عظیم کا نام لکھا ہوا ہے یہ دیکھ کر بہت دکھائی ہوا اور میری جی دیکھ کر ہوا کہ ایک سائبر پر سال ایوارڈ تقریب کا افسانہ لکھتا ہے اور جب انتظار ختم ہوا تو اس کی تصویر کے نیچے کسی اور کا نام لکھا ہوا تو دل خون کے آنسو رہا ہے یہ بڑا موصوفی شخص

طلب کرتا ہے کہ یہ ایسا کیوں ہوا کہیں ہوا تو بس اتنا کہوں گا کہ تصویروں کی سیٹنگ کرنے والے کو میرے دوست مقصود احمد بلوچ کی تصویر ہی نظر آئی تھی کہ اس کی تصویر کے نیچے کسی اور کا نام لکھنے کے لیے اور میری جی دیکھ کر اتنی بڑی کس لکھ لکھے ہوگی۔ تصویر یہ اس دفعہ کچھ سال کی طرح اچھی تھی اور ڈراوی بڑی تھی جس جو کہ اچھی لک رہی تھیں۔ ایک بات کی مجھے نہیں آئی کہ کسی صفحہ پر کیا وہ تصویریں ہیں کسی پر بارہ کسی پر آٹھ کسی پر پندرہ کسی پر چھ اور کسی پر تین تقریب کے افتتاحی لمحات کی آخری پیجر بڑی ہوتی تو بہت خوبصورت لگتی تھیں اور اگر آخر میں اگر آئی بشری سرور بھی ایوارڈ حاصل کرنے والوں کے ساتھ ایک گروہ تو بنو تو ایوارڈ وصول کرنے والوں کا حوصلہ مزید بڑھاتا تھا رقابتوں کے ریشی بل کی اس شام جن جن کو ایوارڈ ملا ان میں روزینہ، مقصود احمد بلوچ، نایہد فاطمہ، شہب زما، ممتاز احمد، حفیظہ کل شاہ، عابدہ طارق، انجمن نظامی، مجید اوجا، تحسین انجمن انجمنی، ارشدہ ارشدہ، ڈاکٹر طارق محمود، آئی شہب سلیم، فریدہ فریڈ ان سب کو میری طرف سے بہت بہت مبارکبادیں مل رہی ہیں۔

ریم ڈائجسٹ ایوارڈ تقریب 2016ء کے احوال میں سب سے پہلے تیارہ انجمن نظامی جو کہ بلک شریف سے ایوارڈ تقریب میں شریف لائے تھے ان کا تیارہ بہت شاندار تھا شہب زما کیوں نہ ہو وہ شاندار لکھاری ہیں مجھ تازہ کو یاد کیا بہت شکر ہے۔

شہب سلیم سب ابدال بہت بہتر اور کافی تھے تیرے دلچپ احوال کے ساتھ جو دھڑکے شہب سلیم تقریب کے دوران آپ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے بہت اچھا لگا۔

راشد لطیف آپ نے اپنے تیرے میں مجھے اچھے لفظوں میں یاد کیا یہ آپ کی ذرہ توڑی ہے۔ فریدہ فریڈ آپ تقریب پر بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ آپ نے بھی اپنے تیرے میں مجھے یاد کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ نے اپنے تیرے مجھ تازہ کو یاد کی یقین لکائی کوئی بھلا سکتی ہے۔

☆☆☆

بشر زما کی آنکھ اور لکھتے پر دو بار ملاقات ہوئی۔ اپنا بہت سائیل رکھے گا۔

فی انان اللہ

بے شمار چاقوں کے ساتھ آپ سب کی

بشری سرور

خطوط اور اپنی تحریریں ایس ایس ایچ سے پر سال کر رہی

Suite#1, 4th Floor,

12-Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore

Facebook ID: Bushrarafiq

E mail: Bushrararaysham@gmail.com.

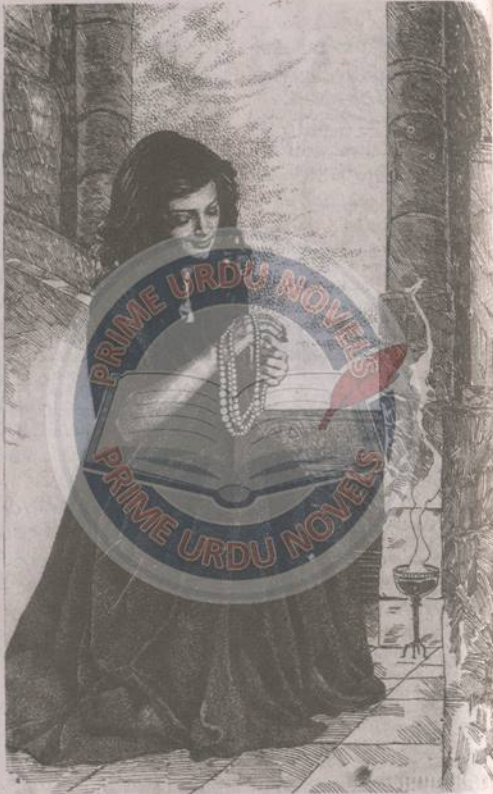
اور دو کچھ دیکھ میں اپنی کہانیاں اور دیگر تحاریر ایس ایس ایچ E mail پر بھیجیں۔

مژور شمشیر

محمد رفیق راے

تاریخ ماضی کی بازیافت کا فن ہے۔ ایسے میں چند مخصوص کرداروں کے کارنامے بیان کر کے مہر گوشت کو زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ جو لوگ تاریخ سے سبق سیکھ لیتے ہیں وہی نئی تاریخ رقم کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں ورنہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائی دیتی ہے۔

امیر تیمور کے عزم و ہمت کی ناقابل فراموش داستان



فصل

برہم اک نیا غم گھر لینا ہے مجھ کو
خفا جو میرا دل مسکرانے کی کر جاتا ہے

محبت آتش غم کا وہ گہرا ساگر ہے
پلٹن نہیں کوئی جو مد سے گزر جاتا ہے

دے کر دنگ بھر لوٹ جاتی ہے خوشی
غم نکلیں اگر کہے تو دل میں ضمیر جاتا ہے

منہ پر توڑ کر ہمدردی کے آنسو لگی ہوتے ہیں
خاندان دل سے جب دور ابھر جاتا ہے
(روایتِ غم، حبیب، گجرات)

چھ انکس ہوئی۔

چنگائی کی اولاد میں وعظرت میں ڈوب کر جاوا
ہوئے گئی اور پھر نقل مکانی کر کے شیل کے پہاڑوں
میں چلی گئی۔ اس کی باقیات میں خان اعظم آج بھی
میں وعظرت میں گمن ہے اور راجہ سیر کی حکومت اس
نے امیر قرقن کے پروردگی ہے۔ تیور کی باتیں اس
قدر دلچسپ ہیں کہ رات گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔
صبح تیور اپنے کھوٹے پر سوار ہوا اور ساتھیوں
سمیت شہر بڑوانہ ہو گیا۔

کھنچ کر تیور نے خیر خیمہ میں گزاری رات
کا واقعہ اپنے باپ کو بھی بتایا۔ بیٹے کی باتیں کر باپ
گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا:
"میں بے مقصد گھومتے پھرتے ہے تو بہتر ہے تم
امیر قرقن کے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ یہاں بادلوں کا تقدیر
وال ہے۔"

تیور کو یہ شوق ضرور تھا کہ وہ امیر قرقن کے لشکر
میں چلا جائے جس میں سحر گردی کا بھی ایک لحاظ تھا۔ ایک
روز چند تھوڑی سرشاری میں تیور کو یہ فوجی سنانی کہ
امیر قرقن نے اسے طلب کیا ہے۔ ایک ایسا موقع
تھا۔ امیر قرقن نے اسے خود بھی بلا لیا تھا۔ شاید اس کی
بہادری کے چرچے امیر تک بھی پہنچ چکے تھے۔
ان دنوں امیر قرقن ساری عمر اسے ساتھ لے کر آیا تھا۔

کے ہمراہ بڑا ڈالہ ہوتا ہے تو یہ تیور بڑا شگوارہ ہے۔
داخل ہوا تو بہت سی نگاہیں اس کی جانب اٹھیں۔ کوئی
اس کی جوانی کو دیکھ رہا تھا تو کوئی اس کی شہسوار کی
تعریف کر رہا تھا کہ وہ بہادر امیر قرقن کا بیٹا تھا۔
تیور کو امیر قرقن کے سامنے پیش کیا گیا تو اس
نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کی ایک آنکھ غائب
تھی۔ کسی جنگ میں اس کی ایک آنکھ میں تیر کا تھا
۔ امیر قرقن اسے دیکھ کر باہم لبہ میں بولا:
"تم گولگان عالی کے خاندان سے ہو لیکن چنگیز

اپنے دوستوں کے ہمراہ سرحد کے میدانوں میں
گھومتے دوڑتے گزرتا تھا۔ اب وہ چوڑے سینے اور
منہ بڑا ہاتھ والا دواں دواں قزاق جوان تھا۔
رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ تیور اس
وقت سادہ خندے کے خیمے میں بیٹھا تھا۔ اس کے
دوست بھی ہمراہ تھے جب کے ہر زبان انہیں بڑے
بڑے باتوں میں لہریں خور پائیں کر رہے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی میں اضافہ ہوتا
چلا جا رہا تھا اس لیے باہر آگ کے پاس بیٹھ چنکر لوگ
الاؤ کو مسلسل روشن رکھے ہوئے تھے۔

شعبہ باپ نے کے بعد تیور اپنی جگہ سے اٹھ کر ان
کا سانس لیا اور کھڑکی کی رفتار تیز کر دی۔
وہ خیموں کے نزدیک بیٹھے چاروں طرف سے بھونکتے
ہوئے ہاتھوں کے ان پر سخت بڑے تھے۔

گھونٹ کے پلے ایک ایک بھونکتے پر خیموں کے کین
میں سمجھتے تھے کہ قرقن نے شب خون مارا دیا ہے۔
چنانچہ وہ ہتھیار سنبالے باہر نکل آئے جہاں چنکر
سوار بھونکتے ہوئے تنوں کی موجودگی سے سبے پہلو پر
سکون کھڑے تھے۔

"اسے قرقن ہی کے کینوں گھر آؤ نہیں۔ ہم آپ
لوگوں کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں آئے۔
میں امیر قرقن کا بیٹا ہوں اور میرے چند دوست
میں ہمراہ ہیں۔ ہم انھیں سے راستہ چھوٹ کر آج
نکلے ہیں اور آپ سے مدد چاہتے ہیں۔"
یہ سنتے ہی قرقن نے کھواریں کھول دیں وہاں میان
میں ڈال لیں اور مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے۔
ایک خیمے میں لے گئے۔

تیور اس وقت ابچا ہوا جوان تھا۔ ماں کے
انتقال کے بعد وہ بچپن میں پرورش پا کر بڑا ہوا تھا۔
اس کا باپ قبیلے کا دربار ضرور تھا لیکن اپنا زیادہ وقت
درویشوں کی صحبت میں گزارتا تھا۔
تیور ایک جنگجو کی طرح بڑا ہوا تھا۔ اس کا بچپن

انھیں اچھا چل چلا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں
دے رہا تھا۔ وہ سب آوازوں کے سہارے ایک
دوسرے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یقیناً وہ راستہ
بھول چکے ہیں۔ اس روز شہر میں سردی تھی۔ درجنک بھونکتے
رہنے کے بعد انہیں کافی فاصلے پر انھیں سے میں چنکر
سے پھٹکے دکھائی دیے۔ جب چنکر کا منہ ملے طے کیا تو
منظر دھیرے دھیرے واضح ہوتا چلا گیا۔

دور سے چنگیزے دکھائی دینے والے چنکر اب خیر
بستی کی روشنیوں کا روپ دھار چکے تھے۔ وہاں
میں آبادی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ سب نے اطمینان
کا سانس لیا اور کھڑکی کی رفتار تیز کر دی۔
وہ خیموں کے نزدیک بیٹھے چاروں طرف سے بھونکتے
ہوئے ہاتھوں کے ان پر سخت بڑے تھے۔

گھونٹ کے پلے ایک ایک بھونکتے پر خیموں کے کین
میں سمجھتے تھے کہ قرقن نے شب خون مارا دیا ہے۔
چنانچہ وہ ہتھیار سنبالے باہر نکل آئے جہاں چنکر
سوار بھونکتے ہوئے تنوں کی موجودگی سے سبے پہلو پر
سکون کھڑے تھے۔

"اسے قرقن ہی کے کینوں گھر آؤ نہیں۔ ہم آپ
لوگوں کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں آئے۔
میں امیر قرقن کا بیٹا ہوں اور میرے چند دوست
میں ہمراہ ہیں۔ ہم انھیں سے راستہ چھوٹ کر آج
نکلے ہیں اور آپ سے مدد چاہتے ہیں۔"
یہ سنتے ہی قرقن نے کھواریں کھول دیں وہاں میان
میں ڈال لیں اور مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے۔
ایک خیمے میں لے گئے۔

تیور اس وقت ابچا ہوا جوان تھا۔ ماں کے
انتقال کے بعد وہ بچپن میں پرورش پا کر بڑا ہوا تھا۔
اس کا باپ قبیلے کا دربار ضرور تھا لیکن اپنا زیادہ وقت
درویشوں کی صحبت میں گزارتا تھا۔
تیور ایک جنگجو کی طرح بڑا ہوا تھا۔ اس کا بچپن

تیمور میں ایک فطری صلاحیت یہ تھی کہ وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر خوش ہوتا تھا۔ اس کے چہرے سے بھی کسی نے اندازہ نہیں لگا یا تھا کہ وہ شے کی حالت میں ہے یا خوش۔ وہ ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔ خطرناک سے خطرناک صورت حال میں پر سکون رہتا تھا۔ یہ صفت بھی قدرت ہی نے اسے دی تھی کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر آرام کے لیے سانسٹے لے کر لپکا رہتا تھا۔ وہ صبح معنوں میں جھگھوٹا۔

تیمور اس کا وقار دار رہے گا۔ امیر نے بھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ کسی شے سے واپس آنے کے بعد تیمور اپنی بہادری کی داستانیں سننے بیٹھ گیا۔ وہ اس میں تلاوت اور خود پسندی بالکل نہیں تھی۔

”یہ تیمور کون ہے دادا؟“
 ”وہ بھی تیموری طرح ایک دیوانہ۔ ان دنوں ایک مہم پر گیا ہوا ہے۔“
 کچھ دیر دادا سے باتیں کرنے کے بعد تیموری الپانی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو امیر قزاق کی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ سوچ رہا تھا تیمور کی پر اسرار خاموشی اور آنکھوں کی چمک بتاتی ہے کہ سرداری اس کا مقدر بنے گی۔ یہ بہادر فوجانہ بہت ترقی کرے گا۔ اگر تیموری الپانی کی شادی تیمور سے ہو جائے تو الپانی ایک بہادر مرد کی بیوی کہلائے گی اور زندگی بھر تیموری رہے گی۔

خیال ذہن میں آتے ہی وہ اپنی بیوی کے شے میں چلا گیا تاکہ اس سے الپانی اور تیمور کے مسئلے میں مشورہ کر سکے۔ الپانی کا باپ دو ایک روز میں آنے والا تھا۔ امیر قزاق نے وقت کرنے سے پہلے ہی ان دونوں کی شادی کر دینا چاہتا تھا۔

امیر قزاق کا حکم کون ٹال سکتا تھا۔ تیموری عورتوں وہی کرتی تھیں جو ان کے مرد کہتے تھے۔ قزاق کی بیوی نے اس سے عمل اتفاق کیا اور تیموری الپانی کے باپ سے بات کرنے کی ذمہ داری خود لے لی تھی۔

یہ باتیں تیموری الپانی کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں اور بار بار تیمور کا نام سامنے آ رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ کبھی نام اس کے دادا سے بھی لیا تھا۔ امیر قزاق الپانی کو فطری طور پر جس سے رہا تھا کہ وہ کسی طرح ایک نظر تیمور کو دیکھ لے۔

پھر ایک روز صبح ہی سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اسے دلہن بنانے کی تیاریاں کی جاتے تھے۔ اس کے بعد تیمور سے اس کا نکاح پر ہموار کیا گیا۔

کچھ میدان میں قزاقین بیٹھے ہوئے تھے اور ان پر دونوں طرف تاتاری بیٹھے ہوئے تھے جن کی قوتیں کی چارہ کی۔ روم کے سلطان تیموری الپانی کو اس مقام تک جانا تھا جہاں تاتاری بیٹھے ہوئے تھے۔ الپانی کا بدن گھبراہٹ سے کانپ رہا تھا۔ وہ نچنی نظریں اور خاموش چہرے کے ساتھ ان مردوں کے درمیان سے گزری۔ اس کے بعد ضیافت کا وقت آ گیا۔ چھ مہمان کھانے سے لطف اندوز ہو چکے تو تیموری الپانی ایک بار پھر مہمانوں کی منہوں کے درمیان آ گزری۔

روانج کے مطابق امیر تیمور ایک عربی گھوڑے پر سوار قزاقین کے فرش تک آیا اور پھر اس نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے قندھارے تک کر بکھڑے لیکن گھوڑا کراہنے ساتھ سوار کیا اور گھوڑے کو سر پر ہڈ ڈالنا ہوا صبح سے باہر نکلی گیا۔

شادی کے بعد تیمور نے خیر پڑ میں قہر پائیہ اپنے رہنے کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس کے قہر کے ایک حصے کو خصوصی طور پر تیموری الپانی کے شایان خان آراستہ کیا گیا تھا۔

امیر قزاق نے تیمور کو ہزار سواروں کا سردار مقرر کر دیا تھا اور ساتھ ہی یہ اعزاز بھی بخشا تھا کہ وہ اس کے لشکر میں ہر اول دستے کے طور پر آگے آ رہا کرے۔

تیمور کا باپ اپنے بیٹے کی ترقی پر بے حد خوش تھا۔ لیکن اس کے بچپا ہراس کے دل پر سناپ لوٹ رہے تھے۔ تیمور کا باپ خاندان میں ہو چکا تھا۔ وہ کبھی کبھار بہادر بیٹے سے ملنے چلا آتا تھا۔

بچپا ہراس تیمور سے نفرت کرتا تھا لیکن کل کر اس

تیمور کو ان دنوں سرحد میں قہر پائیہ اپنے رہنے کے لیے سناپ لوٹ رہے تھے۔ تیمور کا باپ خاندان میں ہو چکا تھا۔ وہ کبھی کبھار بہادر بیٹے سے ملنے چلا آتا تھا۔

بچپا ہراس تیمور سے نفرت کرتا تھا لیکن کل کر اس

تیمور کو ان دنوں سرحد میں قہر پائیہ اپنے رہنے کے لیے سناپ لوٹ رہے تھے۔ تیمور کا باپ خاندان میں ہو چکا تھا۔ وہ کبھی کبھار بہادر بیٹے سے ملنے چلا آتا تھا۔

بچپا ہراس تیمور سے نفرت کرتا تھا لیکن کل کر اس

محبت

محبت ایک ایسا گلاب ہے جو مر جاتا ہے
بعد میں اپنے اندر کی خوشبو کو برقرار رکھتا ہے کہ یہ
خوشبو تو محبت ہے۔ محبت وہ شاعری ہے جو دل
کے راستوں کو دیران کر دیتی ہے۔ آنکھوں کو آنسو
بہانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی لوگ محبت
کرتے ہیں۔ تمنا ہوا جاتے ہیں۔ دیران، اجازت، مکر
تجربہ۔ دیران اجازت ہوجانے کے بعد کسی ہے جہیز مرنے
نہیں مر جاتا نہیں۔ بلکہ ہر دن ہر بل ہر سسے کی
دیرانی اور اجازتیں اندر کی دنیا کو اور زیادہ سنوار دیتا
ہے۔ مگر مرنے والے دنیا کو اجازت نظر آنے والا اندر
سے کیسا دیران پر پہلکا جھلکا جھلکا۔ یہ وہی جان سکتا
ہے جس نے محبت کی جو محبت انکسوس کیا جو محبت
کی شدت کو سمجھ سکا ہو۔
(سمنوہ اعظمی)

فائدہ اٹھا کر عبادت کر دی۔

صورت حال کی نزاکت کو بھانتے ہوئے تیور نے
خان اعظم کو مکیں مہرور دی کر دیا۔ ملک مکتے واپس چلا
یا۔ اور وہاں رہ کر بائیسوں کی سرکوبی کرے۔
تیور کی جان کا صلیب دسی۔ خان اعظم نے واپسی
کا ارادہ کیا اور جانے سے قبل اس نے تیور کو مان پائی
کا منصب عطا کر دیا۔ یعنی اسے دن ہزار ہاروں کا
سربراہ مقرر کیا گیا۔ یہ وہی ارادہ تھا جو سو برس قبل اس
کے بزرگوں کو حاصل تھا۔
خان اعظم کا فطرتاً ہی تاجدار امراء بھی اپنے
اپنے فکروں سے نکلتا آئے۔ ہر اس اور امیر جہیز بھی
منظر عام پر آگئے تھے۔ اب سرحد پر قبضہ کرنے کی
کوششیں شروع پر تھیں۔ اس کے لیے سب سے بڑی
رکاوٹ تیور تھا۔ چنانچہ انہوں نے تیور کو دھوکے سے
اپنے پاس بلا کر قتل کرنے کی کوشش کی جس میں وہ

جب وہ خان اعظم تعلق تھوہر خان کے سامنے پیش
ہوا تو اس کے دائیں بائیں مظلوم کے سر اڑ بیٹھے تھے۔
تیور نے اس کے سامنے جیتی تھاکہ رکھے تو خان
اعظم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس نے تیور
اور اس کے ساتھیوں کی مہمان نوازی کا شکریہ دیا۔
خان اعظم تیور سے بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ اب
اسے اپنے قریب بٹھانے اور اس سے مشورے لینے لگا
تھا۔ چند ملاقاتوں میں تعلق تھوہر خان کو اندازہ ہو گیا کہ
تیور غیر معمولی طور پر داخل مندر ہے۔ تیور دیکھ رہا تھا
کہ خان اس پر اصرار کرنے لگا تھا۔ یہی موقع تھا جب
اس نے اپنی اپنی چال چلنے کی ٹھانی۔ وہ تعلق تھوہر خان
کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا:

”خان اعظم مجھے جو خدمت آپ کی کرنی چاہیے
تمی وہ نہیں کر سکا۔ میں کسی چیز میں تمہارا حائف آپ کے
لیے کھرے لے کر چلا تھا مگر راستے میں آپ کے دو
سربراہوں سے سامنا ہوا۔ وہ ہرگز مجھے آپ کے پاس نہ
آنے دیتے اگر میرے پاس جیتی تھاکہ تو ہوتے۔
انہوں نے مجھ سے جیتی تھاکہ طلب کیے جو مجھے دینے
چاہے۔ ایک سربراہ تو میرے دواڑے کے پر تیا گیا تھا،
مجھے اس کی خدمت بھی کرنا پڑی تھی۔“
”کیا تم ان کے نام بتا سکتے ہو؟“ تعلق تھوہر خان
نے غصے سے پوچھا۔

”ایک تو جان بیگ تھا، دوسرا بیگ۔“ تیور
نے سوچتے ہوئے بتایا۔ اس شکایت کا رد عمل وہی رہا جو
تیور کے ذہن میں تھا۔
خان اعظم نے ان سربراہوں کے پاس قاصد
دواڑے کے ذریعے مال تیور سے لیا کیا ہے واپس کر دیا۔
جب یہ صورت حال ان سربراہوں کو معلوم ہوئی تو
انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور تعلق تھوہر خان کے
پاس حاضر ہونے کے بجائے اپنے اپنے علاقوں کی
طرف لوٹ گئے اور خان اعظم کی عدم موجودگی سے

خان اعظم کی خدمت میں تجھے پیش کر کے کام چلا پاتا
تو وہ یہ بھی کر گزرا۔
چند روز مزید گزرنے سے کہ مغل سپاہی شیر بزمیں
داخل ہو گئے۔ ان کے چروں سے دشت برس رہی تھی
۔ وہ راستے میں تیار فصول کو روندتے ہوئے شیر میں
داخل ہوئے۔ قریب کے سربراہ نے اپنے فصولوں کو قاصر
پید کی طرف بلا دیا تھا۔ تیور یہ منظر اپنے قاصر کی
محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سربراہ کو اپنی طرف آنا
دیکھا تو قاصر سے باز آ گیا۔ وہ بالکل ہر سون دکھائی
دے رہا تھا۔ مغل سربراہ کی بھاری پر حیرت زدہ رہ
گیا تھا۔

میں سربراہ کو اپنے شیر میں خوش آید کہنا
ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس قیام فرمائیں
اور ضیافت سے لطف اندوز ہوں۔
”تو کیا تم ہمارا مقابلہ نہیں کر دے گے؟“ سربراہ نے
حیرت سے پوچھا۔
”میں امیر تو نہیں کہ ملازم تھا، جب وہ نہیں رہے تو
مجھے علم دیا۔ ملازم ہی ہے۔“ خان اعظم ہمارے بادشاہ
ہیں۔ جو ہمارے بزرگوں پر بھی حکومت کرتے ہیں۔
پھر میں ان کے سربراہ کی مہمان نوازی کیوں نہ کروں۔“
تیور نے سربراہ کی ضیافت بڑے اہتمام سے کی۔
مغل سربراہ کو معلوم ہو چکا کہ تیور کے پاس مال کی
فراوانی ہے مگر وہ مہمان بن چکا تھا اور میزبان کا گھر
نہیں لوٹ سکتا تھا۔ مگر پھر بھی اپنی حرص کو پورا کرنے
کے لیے اس نے جیتی تھاکہ طلب کیے۔ تیور نے اس
کا انتقام چلنے کی کر دکھا تھا۔ اس نے سربراہ کی خدمت
میں نہایت جیتی تھاکہ پیش کیے۔
۔۔۔۔۔

اب تیور نے خان اعظم کے دربار میں پیش ہو کر
اسے بھی تھاکہ پیش کرنے کے ارادہ کیا اور اپنے چند
ساتھیوں کے ہمراہ سرحد پہنچ گیا۔

کے چچا ہر اس اور قبیلہ جلاڑ کے امیر نے سرحد میں
داخل ہو کر تاتاریوں پر سرداری کا دعویٰ کر دیا تھا۔
صورت حال کی سنگینی کو دیکھ کر تو خوں کے امراء اپنے اپنے
شہروں کو چھپ گئے کہ وہاں رہ کر اپنے اپنے علاقوں کی
حفاظت کا بندوبست کریں۔
ہر اس اور امیر جلاڑ دونوں میں یہ اہلیت نہیں تھی
کہ ان سربراہوں کو اپنے قابو میں لا سکتے۔ لہذا سلطنت
کا شیرازہ بکھرا نظر آنے لگا۔ تیور اس صورت حال
سے کچھ کم پریشان نہیں تھا کہ اس کے باپ طرکانی کا
انتقال ہو گیا۔
تیور ہزارے سے بھی کم سپاہ کے ساتھ شیر بزمیں چلا

رہ گیا تھا۔ ان حالات میں اسے قصداً دینے والی صرف
الہائی طاقتوں اور اس کا بس جان بچا تھا۔
ابھی چند دن گزرے تھے کہ شمال کے پہاڑوں
میں حکومت کرنے والا خان اعظم پہاڑوں سے اتر آیا۔
تاتاریوں کو اس کی آمد کا صلیب اچھا طرح معلوم تھا۔
اب کوئی امیر تو خوں نہیں تھا جو سربراہوں کو یکساں کر کے
اپنے منہ سے سنبھل کر سکے۔ اس موقع پر امیر جلاڑ
نے فوراً خان اعظم کو تھاکہ بھیج کر اطمینان دلوا کر
البت ہر اس نے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اپنا ارادہ
بدل کر ہرات کی طرف روانہ ہو گیا۔
اب تیور کو یہ ضرورت شیر بزمی کی حفاظت کرنا تھی۔
اسے گوارہ نہیں تھا کہ وہ خود بھی شہر کو اکیلا چھوڑ کر چلا
جائے۔ (جیت پختی) مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج کے
مقابلے میں اس کے پاس ہزارے سے بھی کم سپاہ تھی۔
اس نے اپنی بیوی اور چھوٹے بیٹے کو اپنے ایک دوست
بھائی کے پاس کابل کی طرف بھیج دیا۔
شیر بزمی تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ لوگ اپنے اہل و

عیال اور مہینوں کو لے کر ہجرت کر گئے تھے۔ تیور نے
ایک طرف اپنے سپاہیوں کو تیار کرنے کا حکم دیا تو دوسری
جانب اپنا تمام جیتی اسباب ایک جگہ جمع کر لیا کہ اگر

نا کام رہے۔

اس سازش میں ناکامی کے بعد برلاس زخمی سانپ کی طرح تڑپ کر رہ گیا تھا۔ اب وہ پوری تیاری کے ساتھ شہر بہر پر قبضہ کرنے کے لیے اپنا لشکر میدان میں لے آیا تھا۔

تعلق تھور کا فرمان تھور کے پاس تھا جس کے مطابق شہر بہر کا حکمران وہی تھا۔ چنانچہ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ برلاس نے جنگ چھوڑ کر سر قری کی طرف کوچ کیا تو تھور کے چند لاپرواہ دوست بھی اس کا ساتھ چھوڑ کر برلاس بنے۔

تھور شہر بہر میں سنبھلی رہے رہا تب تک اس نے اہم تعلق تھور ایک شہر بہر کا دورانیہ تھا۔ اس نے آتے ہی اسیر جلا کر کھل کر دیا۔ برلاس خوفزدہ ہو کر ہمارا لکھنا ایک مقام پر لیٹ کر دیکھنے لگا کہ مارا گیا۔

”اب ہم تعلق تھور تیزی سے علاقے میں گھر چلا جا رہا تھا۔ وہ تھور سے بہت خوش تھا اور اسے سر قری کا حکم مقرر کر دیا تھا۔“

سر قری کی بھر پور کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن سہ سالہ ایک چمک سے تعلق تھور کے کان بھرنے شروع کر دیے کہ تھور نے حکم دیا تھا کہ تھور نے یہ سنتے ہی تعلق تھور نے ان کے تھور کے قتل کا فرمان بھاری کر دیا۔

تھور کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ مغلوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے رات کے اندھیرے میں الجائی خاتون اور چند جانداروں کو ساتھ لیا اور مغرب کی جانب جان لے لیا۔ اس میں اتر گیا۔ رات تو تھور اور گری کے باوجود گزرتی لیکن تھور نے سورج کی کرنوں نے ریت کو سرخ کر دیا۔ ہر تیز گرم ہوا پلٹے گی جیسے بدن کی کھال اتار دے گی۔

وہ سب بہت اور خستہ لے آگے بڑھ رہے تھے

کہ نظر ایک کنویں پر پڑی۔ سب کے چروں پر سکون کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مگر یہ خوش کنویں میں ڈول ڈالنے اور پانی نکالنے تک ہی قائم رہ سکی تھی۔

کنویں کا پانی اتنا زرد تھا کہ گھونٹ بھرتے ہی تھوکتا پڑا۔ کچھ پہلے پر دوسرا کنواں نظر آیا لیکن اس کا پانی پہلے سے بھی زرد تھا۔

اب یہ خیال کیا جانے لگا کہ یہاں مٹی یا کھنسی نہیں ملے گا لیکن یہ سب ضرور تھی کہ پانی کے مشین کے ساتھ تھے۔ رات ہوئی تو ایک جگہ نیچے نصب کر کے گھوڑوں کو سستانے کا موقع دیا گیا۔ الجائی خاتون اس وقت بہت پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آگھوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے غصہ مناسی تھی۔ اس نے تھور سے مخاطب ہو کر کہا۔

”آقا ہم تک اس صحرائ میں بھٹکتے رہیں گے۔“

”جب تک صحرائ نہیں ہو جاتا۔“

”اس کے بعد بھی ہماری کوئی منزل ہے یا نہیں؟“

”کھیر اور تھور کی طرف چلے رہے تو کسی

بڑے شہر کو تھور کے کنارے میں گے۔ وہیں مقدر میں پناہ ہے گا۔“

تھور کو تو سزا کا پھر آواز ہو گیا۔ یہ مہارک صبح تھی۔ ایک الجائی کے بھائی امیر حسین سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی تعلق تھور کے ہمارے ہوئے لوگوں میں تھا۔ اس کی بیوی وراثت کا بھی ساتھ تھی۔ سب ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے اور سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

کئی دنوں کے سفر کے بعد وہ دیہاتوں سے نکلے تو سب سے پہلے جس شہر میں داخل ہوئے وہ خیوہ کہلاتا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے وہاں تھور کو پہچان لیا گیا۔ حکام خیوہ کو خبر ہوئی تو اس نے تھور کی گرفتاری کا حکم دیا۔ تھور نے خطرے کی بو سنبھلتے ہی شہر چھوڑ

دیا اور کھلے میدانوں میں سفر کرنے لگا۔ لیکن حکام خیوہ کے سپاہی تعاقب میں رہے۔ ایک مقام پر پہنچ کر ان کے درمیان جھڑپ ہو گئی۔ تھور کی مختصر ساہنے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں حکام خیوہ مارا گیا اور اہل خیوہ جاں میں بھانے کے لیے ہمارا کھڑے ہوئے۔ لڑائی کے بعد نقصان کا جائزہ لیا گیا تو تھور کے میں ساتھیوں میں سے صرف سات باقی بچے تھے۔

دشمنوں کے دوبارہ حملے کا غصہ تھا لہذا رات کے وقت آرام کے لیے رونا کھنکھن میں تھا۔ وہ اندھیرے میں ہی آگے بڑھتے رہے۔ راستے میں انہیں ایک کنویں سے مٹی یا پانی بھی مل گیا۔ سب نے خوب رو کر پیا اور پھر غافل ہو کر سو گئے۔

دن لگا تو اس کے ہمراہیوں میں تھور نے غائب تھا تو چوتھی بھٹ مار کر کسی طرف نکل گئے تھے۔

”امیر حسین اب ہمارا ایک ساتھ سفر کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک الگ الگ سفر کرنا ہے۔ تاکہ لوگوں کو شناخت کا موقع نہ ملے۔“ تھور نے کہا۔

”تو کیا اب ہم کسی نہیں مل سکتے گے۔“

”کیوں نہیں؟“ تھور کی طرف سنبھالے وہلے یا

کچھ نہیں بھی ملاقات کر سکتے تھے۔ اس کے بعد تھور نے امیر حسین اور اس کی بیوی کو دو گھوڑوں پر رکھ کر دیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے جو تھور تھا وہی الجائی خاتون کو دیا۔ دوسرے پر سامان لادنا اور پھر دو کھنسی الجائی خاتون کے ساتھ ہی تھور نے چھوڑ دی۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں ایک چمک چمکا نظر آیا جو اپنے ریزوں کو چلا جا رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس شخص کو ہونے کو ہے۔ یہاں تھور کو کچھ بہتر بھی نظر آئی۔ وہ تھور سے اتر کر چلا وہاں کے پاس پہنچ گیا اور ریاستان سے باہر نکلے گا راستہ پر پھنسا پڑا وہ اس کاؤں کی طرف چلے رہے جو چرواہے

ہے بتایا تھا۔

کچھ بعد وہ تھور کے تھور کے گاؤں میں پہنچ گئے۔ گاؤں کا سردار شہر بہر میں تھور سے مل چکا تھا۔ ان لوگوں کو باہر کی دنیا کا کچھ جانتا تھا۔ سردار ابھی تک تھور کو باہر میں بھجوا رہا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ حالات کیسے اب اختیار کر چکے ہیں۔

رات ہوئی تو انہیں نے ایک میسر ذبح کر کے مہمانوں کی پیشکش کی۔ اگلی صبح رات کو آتے تو سردار نے انہیں تھور کے دے کر جنوب کا راستہ دکھا دیا۔

بارہویہ سفر کرنے کے بعد غرامان کی آبادی کے لیے اہل و کھال دینے لگے۔ مگر وہاں بھی اس قدر مشکلات تھیں کہ تھور نے وہاں دھن جانے کا فیصلہ کر لیا۔

لیا۔

سر قری کے قریب تک تھور نے الجائی خاتون کو ایک مکان میں ٹھہرایا اور خود خفیہ طور پر شہر میں داخل ہو گیا۔ سب وہ ایک خاص سٹیشن کے لیے یہاں آیا تھا اور تھور نے اس کے پاس اپنے ساتھ ایک لشکر تھور دیا جاتا تھا۔

تھور نے شہر کا نقش و پیشہ بھی سیکھا تھا۔ وہ اپنے سہ سالہ رول کے دیہات سے پہنچا ہوا تھا۔ تھور نے اس وقت کا وقت دیکھا تھا۔ تھور میں یہ اوصاف موجود تھے لیکن حالات سازگار نہیں تھے۔ امیر حسین کو بتا دیا تھا، برلاس مارا چکا تھا اور جلا کر اسے طاقت قبول کر گئی تھی۔

مغل مہذبوں نے ملک کی باگ و ڈور سنبھالے ہوئے تھے۔ ان حالات میں کوں تھا جو تھور کا ساتھ دیتا۔ لیکن پھر بھی اس نے ایک مختصر سا لشکر تیار کر لیا۔

تھور کی معمولی دشمن نہیں تھا کہ نکل فرماں رواں آسانی سے ان کے اعزاز کر دیتے۔ اس کی تلاش ابھی تک جاری تھی۔ ایک روز تھور نے تھور کو بتایا کہ مغلوں کو

اس کی شہر میں موجودگی کا علم ہو ۔ اے ۔ وہ فوراً اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے نکل کر شہر ہنزہ کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ ایلانی خاتون یہاں بھی اس کے ساتھ تھی۔

چند دن بعد قبیلہ بدلا اس کے چند امرا اس کا پتا پا کر ملے آئے اور بالآخر یہ ملے پا گیا کہ جب ملک تاجہ اتنا دھت ہے تو شہر کی چار دیواری میں کیوں بند رہا جائے۔

اب تیمور کو جنوب کی طرف پہاڑوں کا راستہ لینا تھا تا کہ امیر حسین سے ملاقات کر کے اسے بھی اپنے ساتھ شامل کر لے۔ یہ سفر تیزی سے طے کیا گیا۔

اب وہ وادی کاہل میں آئے تھے۔ یہاں پر ایک کھلی میدان لہذا سفر تیزی سے ہوا۔ اتفاقاً جنوب کی پست وادیوں میں امیر حسین اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔

اب وہ یہاں جا ملے کہ کاموشم ہونے کا انتظار کر رہے تھے کہ شہنشاہ کے حاکم نے اپنا سفر خائف کے ساتھ ان کے پاس بھیجا۔ سیستان کے لوگوں نے حاکم کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ حاکم نے کہلا بھیجا تھا کہ اگر تیمور ان باغیوں کو شہر سے باہر نکال دے اور قلعہ و آزار کرنا نہ ہو تو وہ اسے انعام و اکرام سے نوازے گا۔

تیمور نے اس کی بدکردار دھمکے پر کے باغیوں پر حملہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام قلعے لٹا دیے۔

حاکم سیستان کی آنکھوں میں سر ہر دہونے کا وقت آگیا تھا لیکن امیر حسین نے تیمور سے مشورہ کیے بغیر سیستان کے گاؤں کو لٹا شروع کر دیے اور قلعوں میں اپنی فوجیں بٹھا دیں۔

امیر حسین کی اس حرکت سے عام لوگ ہرم ہو گئے۔ اب باغیوں نے بھی چال چلی۔ انہوں نے حاکم سیستان کو دیکھا کہ تم بغاوت تم کرتے ہیں لیکن ہو رہے کہ اگر تم نے تاجہ خاتون کو ان قلعوں پر تسلط نہ دیا تو یہ لوگ ہر سے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ لہذا تم

ہمارے ساتھ مل جاؤ اور ان تاجہ خاتون کو یہاں سے باہر نکالو۔ حاکم سیستان نے سن کر بدگمان ہو گیا اور تاجہ خاتون کے لشکر سے نکل کر باغیوں کے پاس چلا گیا۔

انعام تو کیا ملتا حاکم سیستان نے پوری قوت سے تیمور پر حملہ کیا۔ لڑائی شروع ہوئی وہ سیستانوں پر غالب رہا تھا کہ انہوں نے تیروں کی بارش کر دی۔

اچانک ایک تیر تیمور کے ہاتھ اور دوسرا پاؤں میں پھنس گیا۔ اس نے دونوں تیر بھیج کر نکال دیے اور مقابلہ جاری رکھا۔ اس کے زخمی ہونے کے باوجود سیستانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ مال و اسباب چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ ان کے بہت سے ساتھی تیمور کے لشکر میں قتل ہو گئے تھے۔ جس سے ایک نیا لشکر تیار ہو گیا تھا۔

تیمور نے ایک نیا لشکر تیار کیا تھا۔

اس لڑائی میں تیمور کو بہت گھرے دشمن آئے تھے۔ وہ مزید سپہ سالاروں کو مل گیا تھا۔ لہذا امیر حسین کو شہر کی طرف کوچ کرنا تھا۔ وہ تیمور کو ایک پرفضا مقام پر چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

تیمور نے پاکستان کے ایک پرفضا مقام پر خیمے نصب کیے۔ یہاں فوجیوں کو چھوٹی سی دکانیں تھیں۔

کھانسی تھی کہ اس کے گھوڑے چند روز میں مرتد ہو گئے۔ چلای ہی اس کی بیوی ایلانی اور بیٹا جہانگیر بھی اس کے پاس پہنچ گئے۔

تیمور کو آگے بڑھ کر امیر حسین سے ملنا تھا اور دشمنوں کو شکست دینے میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک روز تیمور اپنی حالت سے تنگ آ کر تنہا کرکڑا ہو گیا۔ دردی ایک لہر سی آئی تو ایلانی خاتون نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ اس نے قوت ارادے سے کام لیا اور تکلیف کے باوجود چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی تو بیٹہ جاتا جاتا پھر سنبھل کر دوبارہ چلنے لگتا۔

چند دنوں میں وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ خیمے سے

نکل کر پہلے قدمی کر سکے۔ البتہ اس کا زخمی پاؤں سیدھا نہیں رہا تھا۔ ایلانی خاتون دیکھ رہی تھی کہ وہ چلنے سے تھک رہا ہے۔ یہ لشکر اب اندرونی دردی سے جڑے ہوئے دھیرے دھیرے دریا بائیں جاتا رہا اور صرف لشکر اب رہ گیا۔ وہ چلنے سے تھک رہا تھا۔

جاتا تھا چیمے پاؤں چھوٹا ہوا تھا۔

اس وقت سے لوگ اسے تیمور ٹنگ کہنے لگے کیونکہ وہ ٹنگڑا ہوا گیا تھا۔ وہ اب مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ ایک صبح اس نے اپنی سواری طلب کی۔ بیوی اور بیٹے کی محبت نے پھر چاہا کہ رک جائے لیکن اب وہ دنگے والا نہیں تھا۔

تیمور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روہڑے آسوی ہلائی گزر رہا کہ قریب ایک پہاڑی پر خیمہ نصب کیے بیٹھا تھا۔ وہ امیر حسین کا کئی دن سے انتظار کر رہا تھا۔ ایک شب خیمہ انکھوں سے دور تھی تو اس نے خیمے سے باہر بھاگ کر دیکھا اور وہاں کے لشکر سے ملتا ہوا دیکھ گیا۔ وہاں پر چاندنی پڑ چکی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک پہاڑی پر چند سپہ سالار بیٹھے ہیں۔ وہ آگے بڑھا تو سب لوگ سامنے آئے اور تیمور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

”تم کون ہو اور کہاں جانے کا قصد ہے؟“

”ہم امیر تیمور کے ملازم ہیں اور آقا کی تلاش میں یہاں تک آئے ہیں۔ تم نے سنا ہے وہ اس وادی میں آچکے ہیں۔“ اس میں سے ایک آدمی بولا۔

”میں بھی امیر تیمور کا خادم ہوں۔“ تیمور نے کہا۔

”کہو تم جہیں امیر کے پاس سے چلو۔“

”یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ورنہ ہم بہت پریشان ہوتے۔ ہم یہ خبر اپنے سردار کو دیتے ہیں۔“

”میں بھی چلتا ہوں تمہارے سردار کے پاس۔“

تیمور ان کے ساتھ ان کے سردار تک پہنچ گیا۔ تیمور انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ وہ ہر اس کے تین برسے سردار تھے اور ان کے ساتھ سواروں کے تین دستے تھے۔ سرداروں نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔ تیمور گھوڑے سے اترے تو تینوں نے اسے تعظیم دی۔

کھانے کے بعد مغلوں کی باتیں ہونے لگیں۔ تیمور نے بہت دن ہنزہ علاقہ پر گزارے تھے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ مغلوں کی عمارت گری کہاں تک پہنچی ہے۔ ان سرداروں کے ذریعے لشکر فرمایا ہوا تھا کہ ان کے شہنشاہ جگت سے کرکٹ لی۔ اس نے ایک سوار کو حکم دیا کہ مغلوں کا حال معلوم کرے۔ وہ اس وقت کہاں ہیں اور کہاں کر رہے ہیں؟

اس آدمی نے اطلاع دی کہ تیس ہزار مغلوں کا لشکر شہر ہنزہ کی طرف سے دھڑا رہا ہے اور اسے تمام شہروں کو غارت کر رہا ہے۔ شہر ہنزہ کا ذکر سنتے ہی تیمور آگے بڑھا۔ وہاں گیا۔ اس نے کچھ باتیں نہیں ہوں اور مغل میرے گھر کو دھتے پھر رہے ہیں۔ اس کا لشکر مغلوں کے مقابلے میں بہت مختصر تھا۔

مغلوں کے سردار ایک جگہ تک کبھی معلوم ہو گیا تھا کہ تیمور کا لشکر اس کے قریب ہے۔ اس وقت وہ روہڑے پہنچے۔ قریب تھا کہ اس نے اپنی تین ہزار سپاہ روہڑے کے ساتھ ساتھ دوڑا دی تا کہ دریا میں اترنے کے جس قدر مقامات ہیں ان پر قبضہ کر لیا جائے۔

تیمور دیا کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا لیکن ہر جگہ پر مغل موجود تھے۔ پھر بھی وہ دیا پار کر کے پہاڑوں میں پہنچ گیا۔

تیمور اب مغلوں کے عقب میں تھا اور مناسب موقع دیکھتے ہی ان پر ٹوٹ پڑا۔ مغلوں کا لشکر دیا کے کنارے پھیلا ہوا تھا۔ کچھ ہونے سے پہلے ہی انہیں شکست ہوئی اور وہ ہاتھ بٹھکے پر مجبور ہو گئے۔

اسی دوران خان اعظم شمس تیمور خان کے انتقال کی

مقبولیت

دکار نے اپنے دوست شہریار سے کہا: ”جہیں اس محلے میں شفت ہوئے صرف وہ مینے ہوئے ہیں لیکن لگتا ہے کہ لوگ ہمیں میاں کافی پسند کرنے لگے ہیں۔ میں جب بھی تمہارے ہاں آتا ہوں تمہارے پاس پہلے سے کوئی نہ کوئی بیٹھا ہوتا ہے۔“

”خوبی معلوم نہیں اس محلے میں میری مقبولیت کی وجہ کیا ہے۔ ویسے میں یہاں شفت ہوتی ہے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ دل میں تمہارا ہونا ہوں تو بارہوسم کے کرایہ میں کرنے بیٹھا ہوں۔“

(عاشق جاوید گل لاهور)

الہیاتی سے اس کی شان کی کوصرف پانچ سال ہوئے تھے کہ وہ اس سے رخصت ہو گئی۔ پانچ برسوں کی یادیں اسے پریشان کرتی رہتی تھیں۔

وقت گزرنے کے لیے اس نے شرح کوصحافی بنا لیا۔ وہ محضوں طرح کے سامنے جیہ کہ مہرے چل رہا تھا کوئی پہلنے آجاتا تو اس کے ساتھ پہلنے لگتا پھر الہیاتی خاتون کی لٹری پانچ سالہ جائیداد سے چھٹا رہتا۔ لیکن فوجی کا ہونا لیا۔ اور وہ اس کی دودھ نہیں بچھ سکتا تھا۔ وہ کیا امیر حسین بھی اس وقت سرفرد میں نہیں تھا۔ شہر کے لوگ الہیاتی حالت خود کر رہے تھے۔

ایک دن چند فوجی اہل اس سے ملے آئے اور ایسی خبر سنائی جو ناممکنات میں سے تھی۔ سرفرد میں لوگوں نے ہتھیار اٹھا کر شہر پناہ اور کوچوں کی ایسی حفاظت کی تھی کہ محضوں کو بٹنا پڑا تھا۔ اسی دوران محضوں کے گھوڑوں میں اسی دبا بھیج کر گھوڑے تیزی سے سرنے لگے۔ یہ بلا تھیں ایسی تیزی سے ہوئیں کہ محضوں کو وہاں

میں میدان محضوں سے خالی ہو گیا۔ لیکن وہ پھر پلٹ آئے۔ اس وقت ان میں کوئی ترتیب نہیں تھی۔ تیمور دیکھ رہا تھا کہ اگر چاروں طرف سے پھر حملہ کیا جائے تو فتح یابی ہے۔ اس نے ایک قاصد کے ذریعے امیر حسین کو پیغام بھیجا کہ اپنی فوجیں درست کر کے آگے بڑھے۔ امیر حسین کو یہ پیغام اپنی چھٹی محضوں ہوا۔ اس نے پیغام لانے والے کے ساتھ پھر نچوڑا دیا۔ تیمور کو جواب مل گیا تھا کہ یہ وقت روکھل دکھانے کا نہیں تھا۔ اس نے اپنی فوج کے دو افسروں کو امیر حسین کے پاس بھیجا اور یہی پیغام دیا۔ امیر حسین نے اس وقت بھی بے شکا جواب دیا۔

”میں لڑائی سے ہمارے نہیں رہا ہوں۔ پھر کیوں مجھے بار بار آگے بڑھنے کو کہا جا رہا ہے؟“

تاریکی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ امیر حسین کے جواب میں تیمور کو افسردہ کر دیا اور اس نے اپنے جنگ سے ہٹا پڑا۔ اس نے دور سے کہ ایک میدان میں خیمہ نصب کر لیا۔ وہ اس وقت کے لیے حکمت کی غلطی کرتا تھا جب دن لگے گا اور لڑائی پھر شروع ہوگی۔ تیمور نے کوئی حکمت عملی بنانے سے پہلے ہی کہ ایک تھا کہ پھر بھی لشکر کی سالاری میں امیر حسین کا حشرک نہیں ہے۔ یہ سورج طلوع ہو تو بارش پھر شروع ہوگی۔ یہ لڑائی کا وقت نہیں تھا۔ لیکن تیمور نے لڑائی چھوڑ دی۔ محضوں کے متفرق دستے اس طرف سے سامنے آئے کہ تاجاریوں کو پسپا ہو پڑا۔ تیمور اپنی فوجوں کو لے کر پیچھے ہٹا گیا پھر ایک اور میدان چھوڑ دیا۔

امیر حسین سے اس کی دوستی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تھی۔ جب تیمور بزم شہر پہنچا تو اس کی دنیا اتر چکی تھی۔ جس وقت وہ محضوں سے نہر آزا تھا یہاں اس کی بیوی الہیاتی خاتون بیاری سے لڑنے لڑنے قبر میں اتر چکی تھی۔ اسے گھر کے باغ میں ایک جگہ دفن کر دیا گیا تھا۔ تیمور کو وہ غمشیں ایک ماٹھی تھیں۔

—۵۶—

تیمور کے اندازے کے میں مطابق اپنے باپ کی طرف سے بعد الیاس خواجہ لشکر کے کرتا ہے کے لیے واپس لوٹ آیا۔

تیمور بھی اپنا لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور میر دریا کے محل میں ایک میدان کے سینے پر اپنے قدم گاڑ دیے۔ تیمور کو اپنی فتح کا مکمل یقین تھا لیکن ایک بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان کی کئی کچڑیں میں جھریں ہو گئی۔ یہ بارش بھی سیلاب آ گیا تھا اور لشکر کی اپنے ہتھیار بچانے کے لیے جہیں تھیل کرستے پھر رہے تھے۔

دوسری جانب محضوں نے بارش سے بچاؤ پر عمل کر کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ انہوں نے سونے نمودوں سے اپنی حفاظت کی۔ بارش سے پہلے ہی انہوں نے پانی کی نکاسی کے لیے نالیاں کھود لی تھیں جیسے انہیں ”معلوم ہو کہ بارش ضرور ہوگی۔“

دن کی کے بعد بارش بھی تو محضوں نے زمین سونے کا لٹکا نہیں کیا۔ ان کے تروتازہ دستے میدان میں نظر آئے۔ تیمور کے گھوڑوں کا برا حال تھا۔ وہ بڑی سے محضوں سے اور کچھ شہر میں پت سے لیکن سے مقابلے پر آنا پڑا۔

کچھ کا ایک سمندر تھا جس میں اس کے گھوڑے پس کر رہ گئے تھے۔ محضوں بے ترتیب ہو گئیں۔ لی کی وجہ سے ان کے آڑمردہ ہتھیار تیرکان بے کار ہو گئے تھے۔ اب صرف کوار سے کام لیا جاسکتا تھا۔

تیمور کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا کہ جنگ کا نقشہ بدل جائے۔ پھر پھر سوچ کر وہ اس فوجی افسر کی طرف بڑھا جس کے ہاتھ میں چتہ (پٹناتی) محضوں کا علم تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچ گیا اور تیر سے اس پر ضرب لگائی۔ افسر کے کرتے میں چتہ کا علم گر گیا۔ تیمور نے محضوں میں بھگدڑ مچائی۔ تیموری دہ

خبر پہنچ گئی۔ الیاس خواجہ اپنے باپ کی وفات پر بہت رنجیدہ تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر پیدل اپنے خیمے تک آیا اور پھر شہر الماتیک کو چلا گیا۔

اس خبر کے ساتھ ہی محضوں میں ابتری پھیل گئی۔ تیمور جو محضوں کی ہر کردی کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اسے کیسے ہاتھ سے جانے دیتا۔ اس نے بیگ بک اور محضوں کے تین سرداروں کو گرفتار کر لیا۔ ان سرداروں کی گرفتاری کے بعد تیمور کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہی تھی۔ اب وہ ناوارا تھ کر امیر تھا۔ یہ امیر کی اس نے محضوں کے فرمان سے نہیں اپنی کوار سے عاملی کر لی تھی۔

یہ تین سردار جن میں سے ایک لشکر کا سپہ سالار تھا۔ تیمور کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے کہا: ”کیا جانتے ہو۔۔۔ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“

”فیصلہ کرنا ہمارے نہیں تمہارا کام ہے۔“

جگ نے پانی دو سرداروں کی ترہائی کی۔

”میں نہیں ہر مسلک ہوں اور چھوڑ دینا سکتا ہوں۔“

”میں نے کوئی فیصلہ قبول ہوں گے، یہ امیر کی فراخ دلی پر محضوں کو دیکھنا چاہیے کہ انہیں ”میری فراخ دلی کا نتیجہ ہے۔“

دول اڑا لے کر خیمے اپنی کوار پر چلے گئے۔ اگرچہ دوبارہ میر۔۔۔ مقابلے پر آئے تو میر سے آدھی ہر تھیں اسی طرح میر۔۔۔ سامنے پیش کر گئے۔ اب یہاں کا امیر قوٹ نہیں تیمور ہے۔

تیمور نے انہیں گھوڑے دے کر وطن رخصت کر دیا۔ شہر بزم میں ابھی تک فوج موجود تھی۔ تیمور نے ایک ہی شلہ میں شہر کو خالی کر لیا۔

قصر سپہ ایک مرتبہ چار پھر ہو گیا تھا۔ بولناک صحرائیں کے سفر اور خان آقام جنگوں سے گزر کر الہیاتی خاتون ایک مرتبہ چار پہنچے۔ قصر میں ابھی تھی۔

سے بھاگ پڑا۔

عامرہ اٹھتی ہی امیر حسین شہر میں داخل ہوا تو شہریوں نے امیر قزوین کے پوتے امیر حسین کا شاندار استقبال کیا۔ امیر حسین اور تیمور اب ہندوستان کی حدود سے لے کر بحر خوار تک تمام علاقے کے فرمان رواہین بن چکے تھے۔

سلطنت پر تیمور اور امیر حسین کا مساوی حق تھا لیکن ایک صورت میں امیر حسین کو برتری حاصل تھی۔ وہ قزوین کا پوتا اور ایک والی ملک کا فرزند تھا جس کا اس نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے وہی کیا جو اس کے دادا نے کیا تھا۔ پیکیز خان کی اولاد سے ایک شہزادے کا انتخاب کر کے اس کے پردے میں خود حکومت کرنے لگا۔

تیمور کو فرماں رواہی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ شہر بہرہ پر اس کا قبضہ ہو۔ اس میں وہ کسی کی شرکت برداشت نہیں کرتا تھا۔

امیر حسین کا رد یہ تھا کہ تیمور نے کسی احسان کو خاطر میں نہیں لایا رہتا۔ اس نے قوم برلاس پر بھاری ٹیکسوں لگا کر تھوڑے کچھ سکھ دیا کہ وہ محصول وصول کر کے اس کے پاس بھیجے۔

تیمور نے ہنر بخش کیا کہ آخری لڑائی میں قوم برلاس کا بہت نقصان ہو چکا ہے لہذا معافی دی جائے۔ لیکن امیر حسین کا اصرار جاری رہا۔ بالآخر تیمور نے وہ

محصولات اپنی جیب سے ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنی بیوی امیری خاتون کا زیور اکٹھا کیا اور امیر حسین کو دے دیا۔ امیر حسین نے حیرت و حیران تو کیا مگر اسے کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ یہ میری بہن کی نشانی ہے۔

اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں نے امیر حسین اور تیمور کے رشتے جدا کر دیے تھے۔ موقع پرست امراء کو معلوم ہوا تو انہوں نے دونوں میں اختلافات کو بھوا دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملک خاندہ جنگی

کا شکار ہو گیا۔

ان خاندہ جنگیوں میں تیمور ایک ماورائی ہستی کا روپ اختیار کر گیا۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ وہ انسان کے تئیں میں کوئی اور مخلوق ہے۔ یہی وہ ایک علاقے میں دکھائی دیتا تو بھی دوسرے علاقے میں پائا جاتا۔ اس کی ذات سے نت نئی کہانیاں منسوب کی جا رہی تھیں۔ جب مسافر قافلوں میں آگ روشن کر کے بیٹھتے تو اسی کی باتیں چتر کیا جاتیں۔

۵۶۔

خراسان کے شہر قزوین میں تیمور نے ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا جس پر بڑا ناز تھا لیکن اب اس پر امیر حسین کی فحش باتیں تھیں۔ تیمور اس قلعے کو واپس لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہم ان دونوں گرم ہے اور قلعے میں ساز و سامان وافر مقدار میں ہے۔ تیمور کے پاس اس وقت دو سو پانچ سو سوار تھے۔ وہ اس قلعہ فوج کے ساتھ قزوین کی طرف بڑھتا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے امیروں کو ارادہ ظاہر کیا تو وہ سناٹے میں آ گئے۔

”ہمیں سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”نہیں سوچنے والوں کو ساتھ نہیں رکھتا۔ میرے ساتھ وہی جانے کا جو چاہتا نہیں۔“ اس نے امیر اکیم نے ہرموت پر آپ کا ساتھ نہیں دیا۔“

”گڈ شاک کا تاہم خود پرست یاد رکھتے ہیں۔ میرے ساتھ صرف وہی چلے گا جو مستقبل کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر کوئی نہیں جائے گا تو میں اکیلا قزوین چلا جاؤں گا۔“

تمام سردار جانتے تھے کہ تیمور جو کہتا ہے کہ گزرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی بات مان لی اور عہد کیا کہ ہر صورت اس کا ساتھ دیں گے۔ امراء تیار ہو گئے تو اس بات پر غور کیا جانے لگا کہ

قلعہ دار امیر موسیٰ کو شہر سے باہر طرح نکالا جائے مختلف مشہورے سامنے آئے لیکن کسی پر اتفاق نہ ہوا۔ لشکر منزل کی طرف کوچ کر کے خراسان جانے والی ہڑک پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ بائیں خاموش ہو گیا ہے۔ یہ ایسی گہری خاموشی تھی کہ سب پریشان ہو گئے۔

ایک روز تیمور نے اپنے قاصد کو جنوب کی طرف ملک معز الدین والی ہرات کی طرف روانہ کیا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے قزوین فتح کرنے کا ارادہ بدل دیا ہے۔

ایک دیکھان کے کنارے جاہ افغان بھیڑ کر اس نے ایک نصب کرنے کا حکم دیا۔ ایک ماہ بعد ہرات سے قاصد واپس آ گیا۔ والی ہرات نے تیمور کی خدمت میں تحائف بھیجے تھے اور اسے ہرات بلایا تھا۔ پیغام ملتے ہی تیمور نے ہرات کی جانب کوچ کی تیاری کا حکم دے دیا۔

جب امیر قزوین امیر موسیٰ کو تیمور کے ہرات کی طرف کوچ کر جانے کی خبر دی تو اس نے کچھ کا سامنا لیا کہ اب حملے کا خطرہ ختم کیا گیا۔ مگر اپنے مرنے لگی۔ اسے موسیٰ کے بے سوچ رہا تھا کہ شہر سے نکل کر دیا کہ اس نے سر پہ بھینٹ دے میدانوں میں بیٹھے نصب کرانے لیکن تیمور کے خوف سے دروازے بند کیے بیٹھا تھا۔ اب جو معلوم ہوا کہ خطرہ ختم کیا ہے تو وہ دوبارے لاؤ لشکر کے ساتھ شہر سے نکل گیا اور چند سو سپاہی اپنے لڑکے لڑکیوں کی نگرانی میں شہر کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا۔

تیمور کی سکت گھٹی کا پہلا حصہ کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ جاہ افغان سے نکل کر ایک دو دن منزل میں ہو گیا کہ واپس دریائے آمو کی طرف مڑ گیا۔ وہ صرف دکھاوے کے لیے جنوب کی طرف گیا تھا۔ اس نے دریائے آمو میں گھوڑے ڈال دیے اور اپنا ترکر نفیہ مقام پر چڑا دیا۔

ڈال دیا۔

جب رات ہوئی تو وہ کچلے میدانوں میں سڑ کر تے ہوئے شہر قزوین کے قریب ایک کوئٹ پر جا رکے۔ یہاں دن بھر وہ درختوں کے پیچھے چھپے بیٹھے رہے۔ رات ہوئی تو تیمور دو جاٹاروں کو ساتھ لے کر قزوین کی طرف چلا گیا۔ شہر بنا کہ برن نظر آئے تو اس نے ایک ساتھی گھوڑوں کی حفاظت پر چھوڑا اور دوسرے کو ساتھ لے کر پیدل چل دیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد فیصل کے گرد خندق کا پانی جھلکا ہوا نظر آیا۔ وہ دونوں اس خندق کے ساتھ ساتھ چلے گئے اور ایک مناب جگہ سے خندق پار کر کے فیصل کے قریب پہنچے جگہ سے تیمور کی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں سے دیوار کے اوپر چڑھا جاسکے۔ اسے تعجب ہو رہا تھا کہ چوٹی پر پہنچنے کا کوئی اعتقاد نہیں تھا تھا۔ یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ تیمور نہ ہوتے یہاں کون آ سکتا ہے۔ یہ بھی ہو گیا تھا کہ امیر موسیٰ کے شہر میں نہ ہونے کی وجہ سے باقی انواع آنا ہو تو طلب ہوئی ہوں۔

عبداللہ نے دیوار دیکھ دی تھی۔ اس نے سر کوئی میں اپنے ساتھی سے کہا تھا دیوار اوپر سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ یہاں سے اوپر چڑھ کر دوسری طرف آسانی سے چلا جاسکتا ہے۔ اس جگہ وہاں طرح چھپان لوٹا کہ جب یہاں واپس آنا ہو تو بھول نہ ہو۔ اب واپس جا کر اپنے بیانی ساتھیوں کو لے آؤ۔“

کچھ پر بعد میں باقی ساتھیوں کو لے آیا۔ اس دوران تیمور ٹوٹی دیوار پر چڑھ چکا تھا۔ صبح ہونے لگی اور دربان سو رہے تھے۔ وہ جتنا دفاع کر سکتے تھے انہوں نے کیا عمل کیا اتنا اچانک اور شدید تھا کہ کوئی بھی صبح صورت حال کا اندازہ نہ لگا سکا کہ تیمور کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ جلد ہی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ امیر موسیٰ کا لڑاکا بھی نکلے میں تیار ڈال کر احاطہ کے لیے حاضر ہو گیا۔

پرانے مغلوں میں دستور تھا کہ شاہی مستورات جن کے شوہر لڑائی میں مارے جاتے تھے نئے بادشاہ کے حرم میں داخل کر لی جاتی تھیں۔

-☆-

کچھ عرصہ بعد تیمور مغلوں کے خلاف ایک مہم میں کامیابی حاصل کر کے واپس لوٹا تو سرقد کے لوگ شہر سے باہر نکل کر اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

جب امیر تیمور کی نظر ان پر پڑی تو سب نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس خوشی کے موقع پر یہ بدعنوانی کیوں؟ تیمور ایک ایک کی طرف سوالیہ نظروں سے گزرتا رہا تھا۔ پھر امراء نے امیر سیف الدین کی طرف دیکھا جو بڑبڑکھاتے ہوئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ابوبہ سے کہا:

”موت برتن ہے امیر! حضور کے تخت جگر نے سزا تجرت اختیار کر لیا ہے۔“

”میں نے سن لیا اب تم جاؤ۔“

یہ کربناک خبر سن کر تیمور نے جیسے لمحے میں جواب دیا۔ اپنے بچے جہانگیر سے زیادہ وہ کسی سے محبت نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو آؤ بھاگے ہیں۔ وہ جہانگیر کے ثم میں کسی فی ثام پر

روانہ نہ ہو سکا۔ لیکن بھر حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ اسے زندگی کی خطرناک ترین مہم پر روانہ ہونا پڑا۔

سلطنت ”سیر اوردہ“ کی ابتدا چغتیز خان کے سب سے بڑے بیٹے جو جی خان سے ہوئی تھی۔ خانان سیر اوردہ اپنی تخت خان میں بیٹھے ملک روئیں پر حکومت کر رہے تھے۔ ”خان توپش کو میرے حوالے کر دو۔“

ورنہ تم سے جنگ کر دوں گا۔“

تیمور نے دعوت قبول کر لی اور توپش کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ تیمور سیر اوردہ کے علاقوں میں سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ اس لیے تصادم باخبرہ تھا۔

دروازے پر پہنچ گیا۔ بروجوں میں حسین صوفی کے سپاہی کھڑے تھے۔ وہ حسین صوفی کے ہر سپاہی کے نشانے پر تھا اور تھا تھا۔ تیمور نے گریج دارآواز میں حسین صوفی کو مقابلے کے لیے لکارا مگر دوسری طرف عمل خاموشی رہی۔

اس پر تیمور نے لکار کر کہا کہ جس شخص نے اپنے قول کا پاس نہیں کیا اسے اپنی جان بھی دینی ہوگی۔ اتنا کہہ کر تیمور نے کھوڑے کی باگ موڑی اور لشکر گاہ کو لوٹ گیا۔ تاہم سیرداروں نے اسے آتے دیکھا تو خوشی کے نعرے کو بچے گئے۔

حسین صوفی کچھ دنوں بعد اپنے دارسلطنت میں پیار ہو کر مر گیا۔ اس کا بھائی یوسف صوفی متاعے پر آیا لیکن اسے شکست ہوئی۔ چنانچہ اس نے تیمور سے ملاحت کو ختمیت مانا اور اس بات پر بھی رضامندی ظاہر کر دی کہ شہزادی خانزادہ کو شہزادہ جہانگیر کی عروس بنا کر سرقد بھیج دیا جائے گا۔

خوارزم کے علاوہ ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد تیمور کی سلطنت میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ اس کی سلطنت بہت مستحکم ہو گئی تھی۔ اس نے عاتق کر دیا تھا کہ وہ تاہم قوم کا ایک نیم سرحدی پروردار ہے۔

ان معرکوں میں مشغول رہنے کے باوجود سرقد اور شہزہ کی طرف سے غافل نہیں رہا تھا۔ اس نے شہزادہ عہد عمارت سے مزین کیا تھا۔ اپنے باپ امیر طرائقی کی قبر پر ایک چھوٹا سا مقبرہ بنوایا۔ اب شہزہ کی شان ہی کچھ اور بھی۔ تیمور ہزارا کو اپنا دارلخلافت بنا سکا تھا لیکن اس کے بدل میں سرقد ہیسا ہوا تھا۔ وہ اس کی آراش کی طرف متوجہ ہو گیا اور سرقد کو دارسلطنت قرار دے دیا۔

سرقد آنے کے چند ماہ بعد شہزادہ جہانگیر کی نو بیاتیاں شہزادی خانزادہ بھی سرقد بھیج گئی۔

تیمور اس وقت تک خود بھی دوسری شادی کر چکا تھا۔ دوسرے بیوی امیر حسین کی بیوی دلاشاہ آغا تھی۔

تیمور نے دعوت قبول کر لی اور توپش کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ تیمور سیر اوردہ کے علاقوں میں سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ اس لیے تصادم باخبرہ تھا۔

تیمور نے دعوت قبول کر لی اور توپش کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ تیمور سیر اوردہ کے علاقوں میں سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ اس لیے تصادم باخبرہ تھا۔

تیمور نے دعوت قبول کر لی اور توپش کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ تیمور سیر اوردہ کے علاقوں میں سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔ اس لیے تصادم باخبرہ تھا۔

Shama

بولے دل کی بولیاں

اگر خان فوت ہو گیا اور تو قس خان نے تخت سیر اور وہ کا دعویٰ کر دیا۔ قبائیل شمال نے اس کی مدد کی اور تیمور کی فوج بھی اس کے ساتھ تھی۔ یوں اسے اسیار اور وہ کی حکومت مل گئی۔ تو قس شہر سرائے تخت خانی پر بیٹھ گیا۔ اب دلیان ریاست روس نے خزان طلب کیا۔ جب انہوں نے انکار کر دیا تو وہ تاجی بچا ہوا ہاماسک تک پہنچ گیا۔

خج کے نشے نے اسے تیمور کی طرف بھی متوجہ کیا اور دولت کے لالچ میں اس نے تیمور پر فوج کشی کر دی۔ یہ اس وقت سرحد میں نہیں تھا۔ اطلاع ملنے پر وہ سرحد پہنچا تو قس خان نے اس کی نصیحت کی۔ قس خان لوٹ چکا تھا۔ ایک مہینہ بعد وہ حملہ تیار کی کے ساتھ دوبارہ دریا کی طرف آیا۔

تیمور اس سے لڑنے کے لیے سیر اور وہ تک گیا۔ جنگ شروع ہوئی تو شکست کا یقین ہو جانے پر تو قس مغرب کی طرف فرار ہو گیا۔ تیمور کا پرچم اب دریائے دون کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔

جنگیر خان نے جو علاقہ فتح کر کے اپنی اولاد میں تقسیم کیے تھے۔ انہی کے بوائے بدلوں میں سے ایک شخص تیمور سے سب و کچھ چھین لیا تھا۔ ایران کے بادشاہ جولانی لیکن شاہ شجاع نے انتقال کیا تو سلطنت اس کے دس بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ یہ شہزادے آل مظفر کے نام سے مشہور تھے۔

1386ء میں تیمور ستر ہزار سپاہ لے کر امراں میں داخل ہوا تو لشکر کے لوگ استغنا کی شان و عظمت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

تیمور کے پیچھے ایسا کاربن استغنا اسلام کے لیے ماضی ہو گئے اور استغنا کی جاں بخشی کی استعما کی۔ تیمور کا قاعدہ تھا کہ وہ حملہ کرنے سے پہلے متعلقین کو ایک موقع ضرور دیتا تھا۔ یہ موقع تیمور نے ان کو بھی دیا۔

ایک ایرانی کا سرکات کر پیش کرے۔

تیمور حکم ملتے ہی تاتاری نیچے شہروں پر فوج پڑے اور کم از کم ستر ہزار آدمی مار دیے گئے۔ ایران کے شہروں میں جہاں جہاں شہزادے حکومت کر رہے تھے سب نے خوف زدہ ہو کر تیمور کی اطاعت قبول کر لی اور میدانے دن شیراز میں تیمور کے نام کا خط پہنچا گیا۔

ہو۔

تیمور اب میانہ سر کو پہنچ چکا تھا کہ جسم کی طاقت اور دلیری اب بھی جوانوں والی تھی۔ اس کی مہر پر فارسی کے دو لفظ کندہ تھے:

”سجائی طاقت ہے۔“

فیصلہ کرتے وقت وہ اپنے ہارے کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ میراں کے انصاف کا اس کا دل چاہتا تھا۔ اس وقت وہ ہندوستان کی لشکر کشی میں ایک سال تک مصروف رہا۔ تیمور اس بہم سے واپس آیا ایک کڑت سپاہیوں اپنے منہ پر تھاپ ڈالے اس کے دروازے پر آئی۔

”شہزادی خانزادہ حضور کے سلام کو بارگزی ہیں۔“

”دربان نے اطلاع دلی۔“

”ہمارے جہانگیر کی فضائی۔“

”بچا جائے۔“

شہزادی خانزادہ کرے میں داخل ہوئی اور تھاپ اتار کر تیمور کے قدموں میں گر گئی۔ تیمور کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ پہلے پہل دیکھ کر ہن کر کر قہقہے مچ گئی۔

”خانزادہ تم اس حال میں؟“

”میرا دل کا امیر میری چٹانے کا حوصلہ رکھتا بھی ہے۔“

”کیا کہا جا چکی ہو کھل کر کہو؟“

تیمور اس کی حالت دیکھ کر بیٹھان ہو گیا تھا۔

”میں حضور کے فرزند میران شاہ کے پایہ تخت سے پناہ اور انصاف طلب کرنے کی آئی ہوں۔“

عدم

ہندت ہری چند اختر نے عبدالحمید کو معلوم مدت کے بعد کی شاعرے میں دیکھا لیکن بچپان نہیں کیونکہ عدم صاحب بہت سونے ہو چکے تھے۔ عدم نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اختر صاحب نے انہیں بچپان میں ان سے کہا:

”ہندت کی میں عدم ہوں۔“

اختر صاحب نے سبے سنا دیا تھا۔

”اگر کہیں عدم ہو تو جو دوریا ہوگا؟“

(میر حسن، بیٹے کا پائی)

”کیا میرے بیٹے کی ملکیت میں نہیں پناہ حاصل نہیں۔“

”میں ایک ایسے شہر میں تھی جو میران شاہ کی حدود میں تھا۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ مجھے اپنے عقد میں لے آیا۔ اس کی طبیعت میں وشریت کی طرف ایسی مائل ہوئی کہ ہر وقت شراب کے نشے میں رہنے لگا اور حضور کے احکام کی پابندی ترک کر دی تھی۔ اب اس نے مجھ پر تہمت لگائی ہے۔ اس کی جانی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اب میرا انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے۔ تمہارے دل کے لیے اس کو آپ جانتے ہیں۔“

تیمور نے ایک کل شہزادی خانزادہ کو رہنے کے لیے دے دیا اور اپنے امرا کو حکم دیا کہ سلطانہ کی طرف پہنچ کر تاتاری کریں۔

تیمور نے وہاں جا کر خود معاملات کی تحقیق کی تو وہ بات بھی معلوم ہو گئی جواب تک کہ نے نہ بتائی تھی۔ میران شاہ مجھوں میں بیٹھ کر شراب نوشی کے ملے منتظر تھا اور تاتاری جب اسے روکا جاتا تو جواب دتا:

”میں تیمور کا بیٹا ہوں جو دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ کوئی کام میں بھی تو ایسا کرہں کہ دنیا مجھے یاد رکھے۔“

انوکھے کام کرنے کے شوق میں اس نے تبریز اور
سلطانیہ کے محلات گرا دیے۔ ایک مشہور فلسفی کی لاش قبر
سے نکلا کر بیوروں کے قبرستان میں دفن کرادی۔

یہ سب حربیں اس جانب اشارہ کر رہی تھیں کہ
شہزادے کی ذاتی حالت درست نہیں جس کے لیے اس
کے امراء نے یہ بھانڑ تراش کہ وہ گھوڑے سے گر گیا تھا
اور سر پر چوٹ لگنے سے اس حال کو پہنچا لیکن یہ بھی
حقیقت تھی کہ شربت نوشی نے اسے ذاتی طور پر
برباد کر دیا تھا۔

تحقیقات مکمل ہو گئیں تو میران شاہ کو اس حال میں
طلب کیا گیا کہ اس کے بگنے میں ہائی فائی ٹی تھی۔
تجور نے شہزادے کو گم کر دیا پھر ایسا اور اس کے
لیے سزائے موت کا حکم صادر کر دیا۔

اس موقع پر امراء نے سفارش کی کہ میران شاہ
کی جان بخشی دے۔ تجور اس سفارش میں قبول نہیں کرتا
تھا لیکن وہ اس کا بیٹا تھا اور ایک لحاظ سے فخر آٹھل بھی
تھا۔ پھر بھی اتنا ضرور ہوا کہ شہزادے کو اس کے
عہدے سے محروم کر دیا گیا۔ اب بادشاہ ہمیشہ قیصر تھا اور
اسی سلطنت میں موجود تھا جس پر حکام ہوا کرتے تھے۔
تجور نے اپنے لیے بھی ایک بادشاہ کا لقب اختیار نہیں
کیا تھا۔ وہ اب بھی اپنے تجور کو راجا کہلاتا تھا۔

ایران فتح ہو جانے کے بعد تمام ملک میں خوش
و ہر اس پھیل گیا تھا۔ سب سے زیادہ شہرہ بغداد کو تھا۔
کیوں کہ بغداد تاتاریوں کی فوج کشی کے راستے میں
پڑتا تھا۔ بغداد میں اس وقت سلطان احمد جلایری
حکومت تھی۔

تجور بغداد کو تیسرے بار گزرنے کا ارادہ کر چکا تو ایک روز
مزل کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ جب سلطان احمد کو یہ
خبری ملی تو وہ بغداد چھوڑ کر اپنے اتحادیوں کے پاس دمشق
پہنچ گیا۔

اہل بغداد نے سر بہا کی رقم ادائیگی اور تجور کو اپنا

بادشاہ تسلیم کر لیا۔ تجور نے بغداد میں اہل حاکم مقرر کیا
اور سرقد تھ گیا۔ اب اس کا ارادہ ہندوستان کی بہم پر
جانے کا تھا۔

☆

سرقد میں لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا روز کا معمول
تھا۔ تجور ان دنوں ہندوستان کی بہم پر گیا ہوا تھا لہذا
ہندوستان کی باتیں ہر وقت زیر بحث رہتی تھیں۔

جس روز ایک قاصد نے سرقد پہنچ کر امیر تجور کی
ہندوستانی بہم میں کامیابی کی خبر سنائی تو شہری خوشی سے
بہم اٹھے۔ ایک سال مزید گزار گیا تو موسم بہار میں
لنگر کی دہائی کی برائی اور استقبال کی تیاریاں ہونے
لگیں۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا جب قاصد لنگر دہائی سرقد
پہنچ گیا۔ اس روز سرقد کے پاسوں نے پہلی مرتبہ
تجیب و غریب کا دوروں کا غول بھی دیکھا۔ یہ جانور اپنی
سوزنیں ہلاتے بھورے پٹے آ رہے تھے۔ یہ بھی تھے
جنٹیں سرقد کے لوگوں نے اس سے پہلے بھی نہیں
دیکھا تھا۔ ان تاتاریوں پر غور کرنے لگے۔ وہ بڑے
تجور ہندوستان سے لوٹ کر لایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ
جو تیسری ہندوستان سے لایا ان میں جامع مسجد کا نقشہ
اور اور دو سو مہاراجا کا لکیر بھی تھے جو اس غرض سے
لائے گئے تھے کہ نقشے کے مطابق سرقد میں مسجد تعمیر
کریں۔

☆

تجور ایشیا کا بڑا احصاء کر چکا تھا۔ یہ سب
ملائے اس نے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیے تھے۔ مسجد
کی تعمیر عمل ہوئی تو تجور ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر لے کر
پھر سے نکل نکڑا ہوا۔ اس مرتبہ اس کے لشکر میں باجی
بھی شامل تھے۔

تجور نے چودہ سینے میں وہ بڑی اور متعدد چھوٹی
لڑائیاں لڑیں اور کئی شہر فتح کیے۔ لیکن اب موسم ایسا تھا

کہ وہ ترکوں سے لڑنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا
چاہتا تھا۔ اس جنگ کے لیے اسے ایک سال تک
انتظار کرنا پڑا۔

ایک سال بعد جب موسم بہار میں باجیزید کو معلوم
ہوا کہ تجور کا لشکر اس سے ٹکرانے کے لیے چلا پڑا ہے
تو وہ اپنے دار حکومت روم سے نکلا اور فوج کو شرق کی
ست آگوری تک لے آیا۔ اور یہاں سے دریائے نیل
کو پور کر کے دہری طرف پہنچ گیا۔ کیوں کہ یہ علاقہ
اس کی فوج کے لیے بہت موزوں تھا۔

تجور کو معلوم ہو گیا تھا کہ باجیزید جہاں صف آرا
ہے وہ زمین اس کے لئے ہے۔ وہ موزوں نہیں۔ وہ
ترکوں کی آنکھوں میں چول بھر دیتے ہوئے ایک ایک
پکر کاٹ کر آگوری کی طرف آ گیا۔ یہ خبر باجیزید کو
وقت ملی جب تجور اس کی زد سے بچ نکلا تھا۔ اس نے
جگت میں دریائے نیل سے عبور کیا اور اس راستے پر چل
دیا جو آگوری سے جاتا تھا۔ لیکن تجور پہلے ہی آگوری پہنچ گیا
اور اسی میدان میں مسک باتیں جو باجیزید نے اپنے لیے
منتخب کیا تھا۔

تاتاریوں نے پہلے ہی سینے میں ترکوں کی پیش
قدی روک دی تھی۔ اسی شام باجیزید کو غدار کر لیا گیا جو
کے میدان سے بھاگ نکلتے ہی ٹوکھ میں تھا۔
بروصح ہوتے ہی قاصد بروصح اسیر فتح والوں
نے سلطان باجیزید کے خزانہ اور تیسری تیوری خدمت
میں روانہ کر دی۔

فتح کے بعد تجور نے جشن کا اہتمام کیا تو اس میں
سلطان باجیزید کو بھی بلایا گیا۔ جب وہ سر جھکاے
شرمندگی سے اپنے ہی ملک میں قیدی کی صورت پیش
ہوا تو تجور اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اپنی تسک دیکھ کر باجیزید
نے بہت کر کے اسے ٹوکا:

”جو خدا کا بارا ہو اس پر ہنسا انھیں صاف۔“
تجور نے جواب دیا ”میں اس بات پر ہنسا ہوں

کہ خدا کی قدرت دیکھو۔ اس نے دنیا کی حکومت کو
دی۔ ایک بھلے لنگر سے کو اور دوسرے تم مجھے اندسے
کو۔ (باجیزید کی نظر گھڑ ہو چکی تھی) پھر تجور نے آہستہ
سے کہا ”اب جانتے ہیں کہ اگر تم غالب ہوتے تو
میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ مگر میں
ایسا نہیں کروں گا۔“

تجور نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور حکم دیا کہ
سلطان کا لباس قیدی جو لباس نیست میں آیا ہے حاضر
کیا جائے۔ لباس خوش ہوا تو باجیزید نے کانپتے ہاتھوں
سے تاج مرصع سر پر رکھا۔

باجیزید نے اپنے عالم میں دیکھ کر ہاتھ کر اس کے
حرم کی تیکڑی سے تھک ہو کر فاصلہ لنگر کو سرور کر رہی
تھیں۔ یہ اس کے حرم کی وہ خاص تیکڑی تھیں جنہیں
نے آج تک حرم سے باہر قدم نہ نکالا تھا۔

باجیزید کے لیے آجی تیکڑی قابل برداشت تھی۔
لیکن وہ پانچواں تھا اور اٹھویں نہیں لگا تھا۔
تجور نے باجیزید کو گل کرنے کے بجائے نظر بند کر
دیا۔ باجیزید اسی نظر بندی کے دوران بیمار ہو گیا اور چھ
مہرہ بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

باجیزید کے انتقال کے بعد تجور ترکوں کے تعاقب
میں عیوب جانا پڑتا تھا لیکن ایک مہرہ نے اسے
محال کر دیا۔ اس کے پوتے امیر زادہ محمد سلطان کو
آگوری میں جوڑ کر پہنچا تھا وہ جان لیوا ثابت ہوا اور
شہزادے کا انتقال ہو گیا۔

اس مہرہ کے بعد تجور نے دہائی کا حکم دیا۔
شہزادے کا جنازہ تیار کیا گیا اور تاتاری لشکر اس کا
تاہوت لے کر سرقد روانہ ہو گیا۔

☆

تجور کی عمر ستر سال ہو چکی تھی۔ بیٹے نے آنکھوں پر
گرے ہوئے تھے اور صہرات میں بھی فرق آ گیا تھا۔
البتہ جسم میں طاقت اور بھری تھی وہی۔

تربائی

سز نگہت غفار

چاہتا اور چاہا جانا کے پند نہیں
کیونکہ محبت ہی زندگی ہے اس کے بغیر
سب اوصورا ہے لیکن اگر زندگی سے لفظ محبت
غائب ہو جائے تو انسان زندہ لاش بن کر رہ جاتا ہے۔

ایک لڑکی کا صبر جوہر ظلم کو ہنس کر سہہ رہی تھی۔



سب لوگ اور خود سب ہی خوش تھی اور اسے خوش ہونا بھی
چاہیے تھا کیونکہ یہ رشتہ بر لحاظ سے تیبہ کے لیے خوشی کا
باعت تھا۔ خبرہ ابٹام پر کشش جاب اعلیٰ خاندان اعلیٰ
سوسائٹی..... اب اور کیا چاہیے۔ یہی چند چیزیں
ہیں جس کا تصور خوش کن اور باعث سعادت ہوتا ہے۔

وہ بری طرح چونک گئی جب بکرے نے اسے اپنی
موجودگی کا احساس دلایا تھا جس میں بکرا ہانی کا برتن
چمک گیا اس نے ہانی بکرے کے آگے دکھایا اس کی
نوجوان کا سلسلہ کچھ یوں تھا۔
پچھلے سال یہی دن تھے جب اس کا رشتہ آجا تھا۔

سے پہلے پڑا نہیں ڈالا جائے گا۔ اتراشی سرقد میں
مشہور شہر اور قلعہ تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اتراشی میں آرام
کرنے کے بعد موسم بہار شروع ہوتے ہی آگے بڑھا
جائے گا۔
سری کا زہر بھرا تھا۔ فوج کا ایک حصہ صرف صاف
کرتا جا رہا تھا۔ جس پر سارے مسلمانوں سے لڑی کا نیا لڑ
رہی تھی۔ گھمبیل اور عابدیوں سے گڑ کر کھٹکے میاں
میں آیا تو اتراشی کی لڑکی بھی نظر آئے گی۔

اس مقام پر تیوری کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔
اتراش میں پہنچنے کے حالات مزید بگڑ گئی تھی۔ شاہی طبیب
پوری کوشش کر رہے تھے لیکن تیوری کی حالت لمحہ بہ لمحہ خراب
ہوتی چلی جا رہی تھی۔
مہریت حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے سرقد کی
طرف توجہ دینے لگا کہ کبھی خبر پہنچا دی گئی تھی۔ مگر
نے اپنی تیوری کو ہی سے لڑکیا اور اتراشی میں۔
تیوری اس وقت نزع میں ہونے کے باوجود

ہوش میں تھا۔ اس نے اپنے امراء سے مخاطب ہو کر کہا
”شیامت و مردانگی کے ساتھ کھوار کے قبضے کا
ہاتھ دیکھنا آپہنیں میں اتفاق رکھنا اور فوج کو ملتی ہو
کر رہا۔“
مگر وہ چند لمحوں کے وقفے کے بعد بلند آواز میں بولا
”جہانگیر کے فرزند کو میں اپنا جانشین مقرر کر
ہوں۔ اسے سرقد میں رہنا ہوگا۔ میرا سگم ہے کہ وہ
سب اپنی تمام امراء کے وفادار رہو گے۔“

اس کے چند لمحے بعد تیوری نے اپنی جان بچا
آخری سانس پھونک دی۔
تیوری کا جنازہ ایک بڑی فوجی جمیت کے ہمراہ
سرقد روانہ کیا گیا۔ عظیم قاف کا جنازہ محل اعزاز سے
ساتھ سرقد پہنچا اور اسے امیر زادہ محمد سلطان کے قریب
پردہ خاک کر دیا گیا۔

امیر زادے نے بہت جلد تیوری کے ارادے سے باز
رہے لیکن کچھ نہ کہہ سکے۔ تیوری ان کا سخت دشمن تھا جو
لاڑائی سے سب سے زیادہ شہرت تھے۔ اس لیے سب نے اس کا
ساتھ دینے کا لازم کر لیا۔ تیوری کے ہونے تک موسم سرما
کا آغاز ہو چکا تھا۔ تیوری نے ہمارا کا انتظام کیے بغیر وہاں
کا موسم دیا اور شہر نے اپنی منزل کی جانب توجہ دینی
شروع کر دی۔ جیسے ہی وہ ایک پہاڑی درہ پار کر کے
کھلے میدان میں آئے تو رستہ ہوا میں جل پڑا۔ کچھ
دیر میں برف گرنے لگی اور ہر چیز سفید ہو گئی تھی۔

جب کھوڑے مرنے لگے تو شہزادہ خلیل سلطان
نے امیر تیوری کے کھوڑے کی رکاب پکڑ لی۔
”امیر! سپاہیوں پر رحم کیجئے۔ سب سری سے خضر
جائیں گے۔ تاقتہ قریب ہے۔ آپ کہیں تو لشکر کو
دہاں اتار دیں گا۔“

تیوری نے اس کا شورہ رد کر دیا اور سگم دیا کہ اتراش
میں رہنا چاہتا ہوں۔
”ہم نے سوائے کھٹک کے تمام ایشیا کو فتح کر لیا
ہے۔ ہمارے کام وہاں بھی ہمیشہ یادگار رہیں گے۔“
اب ہم نے جہنم کو فتح کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس کو
تغیر کرنے کے لیے کسی بڑی قوت کی ضرورت نہیں۔
اب تم سب ملک کھٹک چلنے کی تیاری کرو۔ یہ ہمارا
آخری خواب ہے جسے تم سب ہی پورا کر سکتے ہو۔“

امیر زادے نے بہت جلد تیوری کے ارادے سے باز
رہے لیکن کچھ نہ کہہ سکے۔ تیوری ان کا سخت دشمن تھا جو
لاڑائی سے سب سے زیادہ شہرت تھے۔ اس لیے سب نے اس کا
ساتھ دینے کا لازم کر لیا۔ تیوری کے ہونے تک موسم سرما
کا آغاز ہو چکا تھا۔ تیوری نے ہمارا کا انتظام کیے بغیر وہاں
کا موسم دیا اور شہر نے اپنی منزل کی جانب توجہ دینی
شروع کر دی۔ جیسے ہی وہ ایک پہاڑی درہ پار کر کے
کھلے میدان میں آئے تو رستہ ہوا میں جل پڑا۔ کچھ
دیر میں برف گرنے لگی اور ہر چیز سفید ہو گئی تھی۔

ان دنوں ایٹام کے پایا بہت پکارے اس وجہ سے جلادی شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ اور شادی ہو گئی۔ تیسرے سزا ایٹام بن کر "ایٹام دلا" میں آگئی ساس نند ریو سر سب بہت خوش تھے مگر تھے خوش ہونا تھا وہ ناراض تھا۔

پہلی رات۔ سہاگ رات دہلایا۔ دہن کی یادگار خوبصورت رات پیاری پیاری میٹھی میٹھی باتوں سے خوبصورت سے میٹھی ایک دوسرے سے شہسائی کی اور حسین ترین طرز کی رات۔ اس ایٹمی سے جواب اپنا بن گیا تھا۔ نرم و چال، روح ایک ایک کا مالک و مخلص۔ جب ایٹمی بائیں اس حسین رات ان خوبصورت احساسات و جذبات کے نیکے خوں میں غرق ہو گیا آواز کچھ اس طرح کرتے تھے۔ اس نئی ٹی ٹی نازک احساسات دیکھنے والی لڑکی پر کیا زبردستی ہے۔ یہ وہی جانتی ہے۔ بنی لکے کی سزا ہے صورت ہو کر یہ جیون؟

اب وہ کس سے شکایت کرتی؟ کس کو کھوسو وار غمراہی؟ کس کے سامنے اپنی اس رات کا ماتم کرتی؟ اپنی اسے والی زندگی کا سوگ منائی۔

السلام علیکم۔ بیڈ کے قریب بیٹھ کر ایٹام کی بھاری آواز اس کے کانوں میں بجتی اس نے دوسرے سے جواب دیا۔ اور دوسرے دل سے بیٹھی سانسوں اور اسٹے سے جذبات سے ایٹام کے اگلے گل کا تھکا کر سنے لگی۔

ایٹام بیڈ کے دوسرے کونے پر بیٹھے ہوئے بولے۔ تیسری میری نہیں بلکہ میرے گھر والوں کی پہنچن ہیں لہذا۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ بیٹھ کر کے آرام کریں مگر ہوئی ہوئی۔ میں بھی سوتا چاہتا ہوں۔

آئی ایک دہری سوری۔ میں کسی اور کو پہنہ کرتا تھا۔ اور اسے اس جگہ دیکھنا چاہتا تھا جہاں آپ بیٹھی ہیں۔ لہذا۔ آپ کو ویسا ہی رپناؤں دیتا ہے جیسے

نویں دہن دیتی ہے۔ میرا خیال ہے آپ میرا اشارہ کچھ لگی ہوں گی۔ اب آرام کیجئے۔

ایٹام اٹھتے ہوئے بولے تو تیسرے نے ایک گہری سانس خارج کی آنکھوں میں جھجھکے ہوئے والا حسین پانی چکوں کی بازو توڑ کر گالوں پر پینے لگا۔ اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے گھونکھٹ اوپر کیا۔ دوسرے دوسرے جھپری اتارنے لگی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائی وارا روپ کے پاس پہنچی۔ ایک سادہ سا جوتا نکالا۔ واش روم سے نکلی ہی تھی کہ کالین پر لیٹے ہوئے ایٹام نے ایک گولڈن خوبصورت سی چمکتی ہوئی ڈیس اے کی طرف دیکھا۔

یہ منہ دکھائی ہے آپ کی۔ صبح سب سے پہلے پر خاص و عام کی نظر آپ پر ہو گی اور منہ دکھائی کے بارے میں سوالات ہوں گے۔

تیسرے نے بولتے ہوئے ہاتھ بڑھادیا۔ اچھا تو جتنا ہی ایٹام کی خان۔ آپ لوگوں کے ڈورے مجھ پر ہے احسان کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ اس نے ڈیہ ڈریک ٹیکل پر مرکوز کیا۔

صبح ہی ایٹام کی آواز ابھری میں نے وہاں رکھنے کے لیے نہیں دہی آپ کو پینے کے لیے دی آپ مجھے کوئی اس حرکت سے انکار کرنا چاہتی ہیں مجھے بالکل پتہ نہیں ہے۔ آپ ایک اگلی فرامیوار بیوی کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہ آپ کے حق میں اچھا نہیں ہوگا یہ کہہ کر ایٹام نے یہ کروت بدل کی۔

تیسرے نے ڈیہ کھولی خوبصورت سی ڈائمنڈ رنگ دیکھ کر اس کی آنکھوں کے کنارے میٹھے لگے۔

ایٹام مجھے یہ نہیں چاہیے صرف اور صرف آپ کی محبت آپ کا خوبصورت ساتھ چاہیے۔ اس کی اگلی میں رنگ اور بھی پیاری لگ رہی تھی۔ ایٹام آپ اگر اپنے ہاتھوں سے پہنا تے تو اس کی قدرو قیمت اور شان اور بڑھ جاتی۔

ساری رات اسے نیند نہیں آئی کر موش پلٹی رہی یہ ہی حال ایٹام کا تھا۔ دنوں جاگ رہے تھے لیکن صبحیں دنوں کی ایک ایک تھیں۔ فجر کی اذان سن کر تیسرا اٹھ گئی۔ نماز فجر کے بعد دیوی دیوی تک رب کے حضور سر پہ درہی دل بھر کر دہی آنے والی زندگی کے لیے خوب خوب دعا میں لگے اس کے مالک دو جہاں نیچے اٹھا حوصلہ اور بہت عطا کر کے اس آئے والے لمحات میں کامیاب و کامران رہوں۔

مہر، برواٹ اور رزگر کی دولت سے مالا مال فرما۔ میری مدد کرنا میرے مولا۔ مجھے سرخو کرنا میں اپنے والدین کے لیے باعثِ خیروں میں ڈالنے کے بہ قدم پر، زندگی کے ہر لمحہ میں ان کیون کی ہر کوری میں پوری اتروں۔

ایٹام میں جاگ کھڑے تیسرے دعا میں اتنی خوشی کر اسے خیر تک نہ ہوئی کہ ایٹام تک جاسے ہاتھ لے کر کرے سے جا چکے تھے۔

آج دو گنا تیسرے بہت جی رہے تھے بریک فاسٹ میں انہوں نے دیکھ کر ہاتھ اٹھا۔ اللہ بڑی خوبصورت جڑی ہے ایک ضیفے نے کہا اور دنوں کے صبح شفق سے ہاتھ رکھ کر دعا میں دیں۔ ایٹام سراسر تھک چکی تھی انہوں نے خاتون کا کھنرے ادا کیا اور کچھ کر بولے۔

میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی کچھ رپناؤں دینا چاہیے تھانہ لوگوں کے سامنے اپنی بربادی کا ماتم کریں۔

یہ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا موزڈ خوشگوار رکھے سوگ کی محفل میں سے شاید ہمارا دیر ہے۔

ایٹام کی طرز یہ بائیں سن کر تیسرے کا بہت فخر آیا داد۔ سزا ایٹام علی خان۔ بہت خوب ہے آپ کی لوہک میری سمجھ سے باہر ہے کہ کسی کے ارمانوں کا احساس کا بندوں کا انا کا خون کر کے اسے سکرانے

باج انعامات الہی

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا۔ باج چیزیں اللہ تعالیٰ جس کو دے اس کو باج اور بھی صافیت فرماتا ہے۔ ہر جس کو شکر کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اس کو برکت بھی ملتی ہے۔

ہر جو استغفار کرتا ہے، خدا اس کو بخشا بھی ہے۔ ہر جو دعا کرنے کا عادی بنتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت بخشا ہے۔

ہر جو توبہ کرتا ہے، اللہ اسے قبول کرتا ہے۔ ہر جو جود کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔

(طبرانی) (مشابہ) (عنان، کراچی)

ہر جو شکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ ہر جو توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ ہر جو جود کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ ہر جو توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔

مگر نہیں۔ آپ اگر ایسا کچھ سوچتے ہوتے تو یہ توفیق ہی نہ آتی۔

کیا سوچ لکھیں کیا آپ کا بھی۔ کچھ اس طرح کا معاملہ تو نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو بھی کوئی یاد رہا ہے؟

ایٹام۔ آئندہ پھر کبھی آپ یہ سوال نہیں کریں گے۔ تیسری کی آواز میں فخر تھا۔ ایٹام وقت کی

غزل

تم نے دیکھا تھا میں کس قدر چپ رہی
 مجھ کو کرنے لگے ابد میں چپ رہی
 میری سہمی ہوئی آنکھ میں خوف تھا
 راہ بچتی بھی تھی پہ نعر میں چپ رہی
 کہتے موسم میرے دکھ پہ بٹتے رہے
 رنم سستی رہی عمر بھر میں چپ رہی
 میری قسمت میں ہر سوا اصرار ہے
 میری حیات کی تبدیل ہونے لگی
 بات بڑھ جانے کی اگر میں چپ رہی
 جس کو مانگ تھا مجھ کو ملا ہی نہیں
 سب دعائیں ہوئیں بے اثر چپ رہی
 مجھ کو راہوں میں پھنسا دیا ہے فری
 پاس کوئی نہ تھا جس پر چپ رہی

(فریدہ جاوید غفری، لاہور)

دھوکا دیا۔ کہا کہ ہوا۔ ایک گھر میں پڑی رہے
والدین اور دو بھائیوں کے سامنے سرخرو ہونے
کے بدلے لاکھ کی لڑائیاں عموماً قربانیاں دینے کی
لگادی ہوتی ہیں۔ اور پھر ایمانیت سے شادی کر
کے اسے اپنے ساتھ رکھ لے، ہر قدم پر منزل
پر گھر کی کمیٹیاں لے انہیں کسادھوکا دیا۔ ان کے
چند بات سے ان کی ذات سے کہہ دیا اسی کی
آرام سے صاف فریٹھ میں کہو کہ میں فریٹھ
نمبروں میں چیزیں استعمال کرتی ہوں۔ میں
میں نے فریٹھ میں کہی ہوں۔ میں نے اپنے
مضموم بے صورتی کو اذیت دی، کتنی بڑی
دی ہے۔ رب مجھ سے اس بارے میں ضرور سوال

[illegible]

دن، مینیے، سال گزرنے والا تھا۔ اسی صبرمان اسی
فیض ساسا اب اکثر کوئی نہ کوئی خوش چھوڑتی
کرتی رہا کر رہ جاتی۔
آج کی ماں بیٹے کے درمیان ہونے والے بحث
نے اسے سوکھا رکھا۔
ایٹام۔ ایک سال ہونے والا ہے ہمارے
آگن میں کوئی پھل نہیں کھلا۔ کیا بات ہے تیرے کہ
ہیچاں لے جاؤ۔ کیا مسئلہ ہے؟ ماں آپ کو تو پتہ
ہے میرے پاس ہائم نہیں ہے۔ آپ کسی روز چلی
جائیں اس کے ساتھ۔
ایٹام نے کیے وہاں چھرا لیا کیسے ہاتھ اٹھا لیا اس
نفس سے۔ تیری آسانی سے مسئلہ حل کر دیا۔
رات ستر پر لیٹے لیٹے تیرے نہ ایٹام کو دھیرے
سے پکارا۔
"ہوں" ایٹام نے کڑوت بدلے بغیر جواب دیا۔
آپ نے ماں سے کہا ہے کہ وہ مجھے باہنٹل لے
جائیں۔
ہاں تو کیا وہاں پہنچیں ساسوں کے ساتھ اور ساسیں
ہو کے ساتھ باہنٹل میں جائیں؟ کیا میں نے کوئی نئی
بات کہی؟
جی نہیں آپ نے نئی بات نہیں کی بالکل۔ بھی
نقد بات نہیں کی۔ عمر۔ شاید آپ کو خبر نہیں
ہے کہ اس میں۔ آپ کے لیے خاصے مسائل پیدا ہو
سکتے ہیں۔ ذرا آرام سے خنڈے دل سے صرف اور
صرف میرے اور اپنے ہارے میں پیچیدگی سے
سوچیں۔ تو میرا خیال ہے کہ آپ کو اس سوال کا
جواب مل جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرا مطلب
اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔
اس نے بھی دوسری طرف کڑوت بدل لی۔ عمر
خینڈا دھوئی سے کافی دور تھی۔ صرف مختلف سوچیں
تھیں۔ دوسری تھیں اداک سراسر صاحب کی طبیعت

زناک دیکھتے ہوئے چپ ہو گئے۔ شاید انہیں کسی یہ احساس ہو گیا تھا۔ دائرو اپنی بیٹیوں کے ساتھ اچانچ چڑھ رہی تھی۔

بھالی ہے میری بہت پیاری سی فریڈیز ہیں اور لڑکیوں نے میری بہت ہی گیٹ، بڑی ہی سوئٹ اور میرے پیارے بھائی جان کی لائف پارٹنر ہیں۔۔۔۔۔۔ لڑکیوں نے خوشی کا اظہار کیا سب نے تعریف کی سب نے کل رمودی بنائی اپنے اپنے انفس دینے۔ بار بار تیرے کو مبارکباد دے رہی تھیں اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔

لڑکیاں میچیز میاز کر کے اچھے سے قبول و سلوک و آزار، دہ، اشتام، مہران صاحب اچانچ پر آئے سلوک جہاں لے آتے ہی میری کیا میں میں ہاتھ چاڑھ دو اپنی پڑھا ہو رہی تھیں۔ ایک دن ان کی دہن ان کی محبت، شفقت اور پیار میں پھر ڈوب گئی تھی۔

مرزا صاحب نے بھی سکرانے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا جینی دوسرے راتوں دیکھو گی ہمیں نہیں اپنے گھر لانے کی سختی جلدی تھی کہ تم نے پیاری کا ڈھونڈ رچا۔۔۔۔۔۔ اور کچھ بھی تھا۔

اسے۔۔۔۔۔۔ مہال صاحب آپ بھی ہاں۔۔۔۔۔۔ میں کسی بات میں نہ کر رہی تھی کہ بعد ازاں سلامت رہے اسے تو آپ کو ابھام کے بے بھی دیکھنے ہیں۔۔۔۔۔۔ تیرا بھائی جان سے کانپ گئی۔ یا اللہ مجھ پر کرم کر۔۔۔۔۔۔ میں تو۔۔۔۔۔۔ کہیں ان کی یہ چاہت محبت، اور شفقت کو کھو تو نہیں دوں گی؟

یا اللہ میری مدد فرما۔۔۔۔۔۔ یہ ساسوں کو دیکھنے والے دن سے دادی بیٹی کی خواہش کیوں شرع ہو جاتی ہے؟ تقریباً انتقام کو بھیجیے کہ سیکے والے کسی خوش خوش گھر لوٹنے سب کو تیرے بچے حد خوش اور مطمئن نظر آ رہی کہ۔۔۔۔۔۔

کرے گا۔

میں کیا جواب دوں گا؟..... یا اللہ..... مجھے معاف کر دو۔۔۔ تیرے جان..... تم..... تم نے بھی میرے اس رویے اور سلوک کی شکایت نہیں کی..... میں..... نے بہرے لٹا لیا..... بہت غلط وہ دیر تک جانتے رہے پھر مجھے کب تیرا کی دلیوی ان پر مہربان ہوگی۔

ابٹام آفس سے آئے گا ڈی لان میں آگئی..... وہ گاڑی سے اتر کر ورائے تک آگئے۔ مگر تیرہ ویسی ہی کھڑی تھی۔ چند لمبے ابٹام اس کی خوبت اور انہماک کو دیکھتے رہے وہ ایک ہی طرف دیکھ رہی تھی۔

تیرہ..... انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھڑکے سے پکارا وہ چونک گئی۔

اسنے کندھے پر ہاتھ مارا دھڑکھٹکیا ابٹام کا ہاتھ تھا وہ چند لمبے حیرت اور تیرہ کی انداز میں اس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

اسے اپنی طرف اس طرح دیکھتے محسوس کر کے ابٹام نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ چلو اندر چھپ میں کھڑی ہو۔ انہوں نے اس کے ہاتھ کو دیکھا تو وہ ہنسا پھٹا کہے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

ابٹام کو بہت زیادہ غرض تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ اس ایک سال کے عرصے میں آج پہلی بار میں نے اپنی بیوی کو چھوا ہے۔ وہ بار بار اپنے ہاتھ کو دیکھ رہے تھے۔

انہیں خود بھی حیرت اور تعجب ہو رہا تھا۔ یہ چھونے کا احساس بھی کتنا حسین اور خوبصورت سا محسوس ہوتا ہے۔ اپنائیت کا احساس دلاتا ہے۔ اپنی دیوانگی اور وارثی کا ثبوت دیتا ہے۔ ابٹام کپڑے پیچنے کے بغیر جوتوں سمیت اُسے تھمتھے بند پر لیٹے تھے۔

حسب معمول تیرہ چائے اور کچھ ہاتھ لے کر کمرے میں آئی تو دیکھ کر پریشان ہو گئی کہ ابٹام جوتوں سمیت لیٹے ہیں انہیں بند میں۔

وہ ان کے قریب آگئی۔ ان کا ہاتھ چھوا اس

☆☆☆☆

افسانہ

کلیں گے

منٹاز احمد

کچھ خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جن کی تکمیل نہ ہونے پر انسان خود کو ہمیشہ اوصو محسوس کرتا ہے اور اسے دنیا میں اپنا وجود بے معنی محسوس ہونے لگتا ہے۔

ایک لڑکی کسی کتھا جو ایک چھوٹی سی خواہش پوری نہ ہونے پر اداس تھی



کوئی شہر ہے اس کا کتنی شدت سے فراز

وہ جانتا ہے مگر انجان بنا رہتا ہے

میرا باپ مونڈ سا نیل مکیٹ تھا۔ وہ صبح ناشتہ کر کے چلا جاتا اور رات کے آٹھ بجے گھر لوٹتا چھوٹے چھوٹے دو کمروں پر مشتمل ہمارا گھر تھا۔ غربت کے ساتھ گھر میں محنت اور بے سکوئی تھی۔ میرا باپ دیکھنے والے تھے کہ ان کے ہاتھ کتنے بڑے تھے۔ وہ صبح ناشتہ کر کے چلا جاتا اور رات کے آٹھ بجے گھر لوٹتا چھوٹے چھوٹے دو کمروں پر مشتمل ہمارا گھر تھا۔ غربت کے ساتھ گھر میں محنت اور بے سکوئی تھی۔ میرا باپ دیکھنے والے تھے کہ ان کے ہاتھ کتنے بڑے تھے۔

کریم راول بہت کمزور اور میں دوا میں باقی کئی مہری سالگرہ بھی اسی طریقے سے منائی جائے مگر یہاں سالگرہ منانا تو بڑے دور کی بات ہمارے ماں باپ کو تو ہماری پیدائش کی تاریخیں تک یاد نہیں تھیں۔ بس ان کو اتنا پتا تھا کہ ہر سال ایک ہی ضرور پیدا کرتا ہے۔

بچے کیا کرتے ہیں کدھر جاتے ہیں اس کی انہیں خبر نہ تھی۔ ابھی تک ہم چار بھائی اور چھ بہنیں تھیں۔

ان سب باتوں کے باوجود ایک خاص بات یہ تھی کہ ہمارے گھر میں ہر سال ایک بچہ کا اضافہ ہو جاتا اور یہ اضافہ ہوتے ہوتے وہ بچہ ہر دو تین یا چار سال پر ایک نیا اور پختہ ہوتا تھا۔ ہر دو تین یا چار سال کے بعد ایک نیا بچہ ہوتا تھا۔

میں اپنے بچپن میں ان باتوں میں میرے نمبر پر تھی مجھ سے بڑی ایک بہن اور ایک بھائی قابل قاتل سات بہن بھائی مجھ سے چھوٹے تھے۔ ہمارے گھر میں واحد تفریح ایک لکڑی کا تاجدار یا ایک اینڈ وائٹ کی وی جی تاجدار یا ایک کبابیے سے لے کر اسی طرح خریدے جاتے تھے۔ ہر دو تین یا چار سال کے بعد ایک نیا تاجدار یا ایک کبابیے سے لے کر اسی طرح خریدے جاتے تھے۔ ہر دو تین یا چار سال کے بعد ایک نیا تاجدار یا ایک کبابیے سے لے کر اسی طرح خریدے جاتے تھے۔

پنی وی ٹیلفر یا تاجدار کے گروہ میں ہم دیکھا کرتے تھے۔

فی دی پی بچوں کے گروگراموں کے علاوہ پولس کے گروگرام، ڈرائے، کانٹن، اور جڑا لے جانے کے سبب شوق سے دیکھتے۔ اسٹڈنٹس میں چھوٹی چھوٹی بچیاں بیٹھنا شروع ہو چکی ہیں۔ ہمیں بہت کچھ بتاتی ہیں۔ خاص طور پر جب کسی ڈرائے میں کوئی لڑکی آئے۔ ہاں باب کو جان بوجھ کر دکھائی اور وہ کسی لڑکے سے بات کرنے کی بجائے کہیں بہت ادا ہو جاتی۔ اسے ہاں باپ کا ان سے موازنہ کرتی تو بہت کھینچ ہو جاتی۔ فی ڈرائوں میں بچوں کی سامگري کی تقریب دکھائی جاتی کہ بچے کچھ کچھ کتا ہے تو سب تالیاں بجا کر ادا کرتے ہیں اور وہ بچے بڑے بڑے فخر سے دیکھ کر اپنے ماموں سے حاکم مہرے کرتے تو سب دیکھ

بچے کیا کرتے ہیں کدھر جاتے ہیں اس کی انہیں
خبر نہ تھی۔ ابھی تک ہم چار بھائی اور چھ بہنیں تھیں۔
چاروں بھائی سارا دن آوارہ گردی کرتے جبکہ ہم بہنیں
گھر میں چھوٹی موٹی شرارتیں کرتی رہتیں۔ گلوے لڑائی
کے ساتھ کھیلنے اور ساتھ ساتھ اپنی ماں سے رکھانے
دروازے ڈانٹ ڈپٹ سے نہیں دن گزار جاتا۔

ہم سب زمین بھائیوں کی عقل اور صورتیں داجی کی
 تھیں۔ مگر حیرت انگیز طور پر میں سب سے زیادہ
 خوبصورت اور گہری چلی تھی۔ میرے نین نقش بہت
 گہکھ تھے۔ ہماری آنکھیں میں ہمارے گھر کے قریب ایک
 لڑکی کنول دیتی تھی وہ اکثر ہمارے گھر آ جاتی تھی تو
 ہماری دوست ہو گئی۔

و ایک سرکاری اسکول میں برحق قحیٰ کو دیکھتے ہوئے
روزانہ اس کے ساتھ لے جاتی۔ پہلے پہل تو کسی بچے
پر اسے گھاس میں بیٹھنے پر اعتراض نہ کیا کہ ایک نئی بچی
آئی تو اس نے نیچے گھاس میں بٹھانے سے انکار کر دیا۔
پھر قحیٰ کو میرا داخلہ اس اسکول میں بھی تھا۔ میں اسکول
کی طالبہ تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اسے مجھ پر ترس
آ گیا۔ میرا روزانہ اسکول آنا بڑھاتی میں دیکھی کہ کچھ
اس نے ایک دن میرا ٹیٹ لے لیا اور کسی نہ کسی طریقے
سے میرا ضابطہ داخلہ اس طرح کر لیا کہ ایک لڑکی
صاعدہ اسکول چھوڑتی تھی۔ میرا نام بھی صاعدہ ہے تو اس
نیچر نے ہماری والدہ تہجد کو ردی اور اس لڑکی کا نام
صاعدہ کر کے بیٹھانے اس کی جگہ بھیج دیا تو اس
طرف سے اس نے جواب دیا۔

سرکاری فنڈ سے مجھے نہ صرف کتابیں بلکہ یونیفارم

بھی دلا دیا اور یوں میرا تعلیمی سفر شروع ہو گیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ بڑھائی میں میرا دل لگ گیا اور ہر امتحان میں اچھے مارکس لیجے۔ میرے ماں باپ کو نہ تو کوئی پردہ تھی اور نہ ہی کوئی دلچسپی یا خبر تھی۔ جوانی کی حدود میں داخل ہونے کے ساتھ ساتھ میرا تعلیمی سفر جاری رہا اور میں سیکرک میں پہنچ گئی۔

ہمارے گھر میں اس دوران تبدیلی یہ آئی کہ چھوٹی
تعداد میں سے تیرہ ہو گئی مگر سال کی بجائے دو یا تین
سال کا وقت ہو گیا۔ بچوں کی پیدائش کے سلسلہ میں
ہماری ماں اپنا بار سنبھالنے کی سعی۔ دوسری تبدیلی یہ آئی
کہ اب انے اب اپنی الگ دگر کتاب چلیے۔ وہی کے
پاس بطور کار مگر ملازم کے کام کرتے تھے۔ میرے سب
بڑے بھائی آفتاب کو اپنے اپنے ساتھ کام پر لے

یہاں تک کہ جانی پہنچ بھائی اسی رات گھر میں رہے۔
حیرت ہوئی اور گھر کو پہنچ کر کہہ دے کہ کیسے ماں باپ
ان کو صرف اولاد پیدا کرنے کا شوق ہے مگر ان کی
پیشکش تعلیم و تربیت کی کوئی گنجائش؟ وہ استے ذخیر
ماتے بیٹے پیدا کر کے اپنے اہل خانہ کو بے گنجی میں جیسے
ان سے کوئی تعلق و رابطہ ہے ہی نہیں۔ تعلیم کے ساتھ
میں نے خود بخود آگیا میں سوچ سوچ کر ماں کو بھائی
کے کمرے میں بہن بھائیوں کا کہنے کا کیا مستقبل، دو
یا تین کامرے چھ کچھ کچھ آتا۔ ہمارے گھر کے چھوٹے
چھوٹے دو کمرے مریضوں کے ذریعہ کھلے ہوئے ایسے کھلے
تھے کہ کوئی مریض نہ ہو تو ہر وقت غلو و غلو لڑائی،
کڑکائی، کھینچا تانی اف تو کچر حیرت کی بات یہ تھی
کہ ماں باپ کو ذرا براہ کرمی رواندھی۔

کنول میری بہت اچھی دوست ثابت ہوئی۔ اس سے قدم قدم پر میرے معاملے میں میرا ساتھ دیا۔ میرا زیادہ وقت اس کے پاس ہی گزارتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بزرگ میں پہنچ گئی تھی۔ ہماری ماں کا زیادہ وقت پانی پانی پر گزارتا مجھ سے بڑی بہن نے اب گھر واری

وقت

ایک معیاری پرچے کے مدیر کو ایک لڑکی کی لکھی ہوئی
کہانی موصول ہوئی۔ مدیر نے لکھا۔

”محترمہ! آپ کی کہانی ہمارے معیار پر پوری اترتی ہے، یہ دلچسپ بھی ہے۔ ہم اس کو شائع کر رہے ہیں اور معاوضہ بھی سنج رہے ہیں لیکن آپ کی تحریر پڑھنے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ براہ کرم آپ ناپ شدہ مسودہ بھجوائے۔“

لڑکی کی طرف سے جواب ملا۔ ”مجھے ہاں کہنا آتا تو میں اپنا وقت کہانیاں لکھنے میں ضائع کرتی؟“
(محشر انصار، ملتان)

سنہیل لی تھی جبکہ ماں کی زبان بدستور فیتنی کی طرح

میں نے فی دینی و دنیا والے اہل جہیز و یا حاکم
برے ذہن میں ڈراموں میں ملنے والے ساگرہ کے
مان الہمی جتنے بھی رہے۔ گو کہ کنول کے ماں باپ بھی
غریب لوگ تھے مگر وہ اہل اولاد و بان چتر کرتے تھے۔
کنول اپنے دو بھائیوں کی انکلی بنی تھی اور دونوں
بھائیوں سے بڑی تھی جو برساں کنول کی ساگرہ منائی
جاتی اور وہ مجھے جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے میں سوچتی رہتی
ساگرہ کی قرب بہت سادہ ہوتی ہے۔ جلیبیاں و سٹک وغیرہ
ہوتے۔ کنول کے ساتھ بچکڑے، جلیبیاں و سٹک وغیرہ
کے ڈرنک یا چائے کے اہتمام ہوتا تو ساگرہ والے دن
کنول بہت خوش ہوتی تھی مگر میں بہت ادا ہو جاتی تھی
مجھے روزہ کرنا تھا اور میرے دل میں شوق الفتا کا
کاش میری بھی ساگرہ ایسی طرح منائی جائے میں بہت
کوئی تحریر اداں رہتا اور کڑوا سب کے کار تھا۔

ہمارے گھر میں کون تھا جو میری اس خواہش کی تکمیل کرتا۔ کچھ دن اداس رہنے کے بعد آہستہ آہستہ خود ہی نازل ہو جاتی۔ بہن بھائیوں کی چیخ و پکار میں صحت بھی رہتی گھر کے کاموں میں بڑی بہن کا ہاتھ بھی

بہانی پھر تھک ہار کر ایک کونے میں سو جاتی۔

کا سر پھٹ گیا اور خون نکلنے لگا اور وہ بچہ بے ہوش ہو گیا۔ اسے فوری ہسپتال کی ایمرجنسی میں لے گئے۔ بچہ بری طرح ڈھی ہوا تھا تو اس کے باپ نے میرے ابا کے خلاف قحانے میں پرچہ کٹوا دیا۔ حریذ چائلڈ لیبر منسٹر والے بھی آگئے اور چھوٹے بچوں سے مشقت کروانے کا کیس بھی بنادیا۔ اس طرح ابا کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔

چالان کر کے ابا کو بیٹل بھیج دیا اور حقہ مد عدالت میں پیش کر دیا۔ بد شکاب بند ہوئی اور جو تھوڑے بہت پیسے ابا کا کر لاتے تھے وہ ابا ختم ہو گئے۔ گھر میں قانون کی فوج تہ آگئی۔ بھوک سے اپنے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی کو روزانہ دیکھ کر کچھ مینو کا تو ان حالات میں میں نے کچھ کرنے کا سوچا اور نون کی دھوس کی کوکری کی تلاش میں سرگرداں ہوئی۔

مکرم ایک چندہ دہائیوں کی انڈیا میں گھوم رہی تھی۔ ایک دن کول ہمارے گھر آئی اس کے ہاتھ میں اخبار خاصا ہے اخبار میں جیسے جیسے اشتہار کی طرف میری توجہ مبذول کروائی جس کے مطابق ہمارے ایک شری میں ایک بھوٹی، پیار عورت کی دیکھ بھال کے لیے ایک بھٹی جو ان محنت مند ملازمہ کی ضرورت تھی۔ معقول معاوضے کے ساتھ رہائش، کھانا پینا اور کپڑے ملت تھے۔ چنانچہ اسی روز دوپہر کے بعد میں اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر مطلوبہ بھٹی پہنچی۔

صاحب خانہ ایک پینتالیس سال کا مرد تھا اور
بوڑھی بیمار عورت اس کی ماں تھی۔ جس کے لیے ان کو
لامرکز کی ضرورت تھی۔ مرد جن کا نام ظفر تھا بہت ہی
بھلے ماں اور شریف انسان تھے۔ تقویٰ کی بات چیت
کے بعد انھوں نے میرا انتخاب کر لیا اور کہا کہ اپنا سامان
لے کر صبح آ جاؤ تو میں نے کہا میرے پاس کوئی
سامان نہیں ہے۔ میں آج ہی سے ماں کی دیکھ بھال
شروع کر رہی ہوں۔

چنانچہ انہوں نے میرے گھر کا ایڈریس اور حالات

ہمارے گھر میں صرف تین چار بنائیاں تھیں۔ اچھا چار بنائیاں پر سوتے جب کہ ہم سب بہن بھائی بچے فرض پر سوتے جن کو جہاں جتنی دیکھیں سو جاتا۔ ہمارے گھر کبھی کوئی مہمان نہیں آتا تھا میں نے اپنے کسی رشتہ دار کی عقل تک نہ دیکھی تھی۔ بچا، تانا، خانہ، ماموں، دادا، دادی یہ رشتے کیسے ہوتے ہیں؟ ان رشتوں میں کیا تیار، چاہت اور مضامں کوئی ہے ہم بیکر اٹھتے تھے کب سوتے کب جاگے کب کھاتے کب روکھن اٹھتے تھے کب ایک طرح کی غور و فکر نہ ہوتی تھی۔

ہمارے ماں باپ نے زندگی میں کبھی نماز نہیں پڑھی اور کبھی ان کو تلاوتِ عظام پاک کرتے نہ دیکھا تھا اور دیکھتے بھی کیسے ہمارے گھر میں قرآن پاک تک نہیں تھا۔ کسی بھی کوئلہ بھی آتا ہے انہیں ہمارے ماں باپ اس بات سے بھی بے خبر تھے۔ تو یہ تھا ہمارا گھر۔

میں صبر کے امتحان کا آخری حصہ ہے۔ اگر کسی نے ایک خبر پر صبر کر اور وہ کہ چہ جابا کو پوس پکڑ کر لے لی تھی۔ حالانکہ یہ اس قاتل کے گھر میں تو اس کی کڑی سزا کی جائے گی لیکن جسے گھر سے باہر بننے خاں بن جائے۔ ابائے الہی اور شاپ میں چھوٹے چھوٹے بچے رکھے ہوئے تھے جن کے ماں باپ ان کو بہرہ سکانے کے لیے لے آئے یا یہ تھے۔ ابان کو بہرہ سکا تھے یا نہیں مگر ان کو ان بچوں کی عقل میں مفت کے کو کر لے ہوئے تھے۔ ابان نے سارا دان کام کرایہ اور اگر کسی بچے سے چھوٹی سونے کی قطعی ہو جاتی تو ابائے خرب مارتے روٹی کی طرح دھب کر دیکھتے دیکھتے ابائے خرب ہو جاتا اور سارا غصہ ان معصوم بچوں پر ٹال کر دم لے گئے۔

اس روز ہوا یہ کہ ابانے غصے میں آ کر ایک بچے کو
 زور سے پاں مارا جو کہ اس کے سر میں لگا جس سے اس

چہچہ تو میں نے سب کچھ جج جج بتا دیا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد انہوں نے مجھے کچھ پیسے دیئے اور ڈرامہ رے سے کہا کہ ساعت لی بی بی کو اس کے گھر لے جاؤ اور واپس لو۔ آؤ چنانچہ میں نے ان جیسوں سے گھر کا راشن لیا اور اماں کے حوالے کر کے انہیں بتا کر واپس کوئی بھیجی تھی۔

گوشتی چٹپٹی ہی میں دل و جان سے غفر صاحب کی
 خدمت میں جت گئی۔ مگر کہ عمن اور غفر زورہ
 ماحول سے نجات پا کر میں نے سکے کا سانس لیا تھا۔
 بہت بڑی خوشی تھی کہ بہترین صاف سترا ماحول اور کھانا چہا
 کھا تھا۔ میری ہی جان سے خدمت کا نتیجہ نکلا کہ
 ایک بچے کے اندر اندر اہل ایمان کی جگہ سے نہ صرف افسوس
 ہو گیا بلکہ میری گورنرہ ہو گئیں۔ انہیں وقت پر کھانا
 کھانا، میزین و سونا پہنا کر پڑے ہوئے وغیرہ سے سب
 میرے فرائض میں شامل تھا۔ مگر کہ میں بہ اسن و خوبی
 انجام دے رہی تھی۔

پندرہ دن گزرے تو ایک مہری کی اسی چوڑے
 مائی کو ساتھ لے کر آئیں کہ وہ دیشی رہی مگر
 جب واپس جانے لگیں تو غرض صاحب کی والدہ نے ان
 کو کچھ پیسے دیئے ساتھ ہی ایک کچھ برائے بڑے بھی
 دیئے۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا اور تین مہریں مل گئیں
 گزریا۔ مجھے جو بخواہی وہ ساری کی ساری مل گئی
 ماں کو بے آتی بخواہی کے علاوہ جو میرے پاس مل
 دیتی میں وہ بھی اپنے گھر دے دیتی کہ میرے بہن
 بھائیوں کی وال روٹی ملتی رہے۔

میری پیداؤں کے ستر کے سینے میں ہوئی تھی جب بھی
ستر آتا میں بہت اداں ہو جاتی۔ اس روز اماں میں
گہری اور سکون کی نیند سو رہی تھیں۔ میں اداں اور
پریشان ایک کرسی پر بیٹھی تھی کہ اچانک ظفر صاحب
جلدی گھر آ گئے۔ مجھے گم سم بیٹھا دیکھ کر وہ گھر سے
پوچھنے لگے کہ صاعدہ خیریت تو ہے ہاں کیوں اتنی اداں

اور پریشان بھی ہو.....؟
میں نے کہا نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں بس ویسے
یہ بھی سچی تھی۔ پھر انہوں نے اس بات کو بچھا تو میں نے
بتایا کہ وہ سوری ہیں جو ظفر صاحب کہنے لگے کہ چائے
ہمارا کلاؤ میں بیچ کر آتا ہوں۔ جب میں چائے بنا
کر لائی تو وہی دلی لاؤنچ میں بیٹھتے تھے۔ میں نے ان
کو چائے کا کپ دیا تو انہوں نے کہا کہ بیٹھ جاؤ وہ
مجھے لگے کہ جس سال کوئی تلفظ نہ ہوگا؟

میں نے کہا کوئی تکلیف نہیں بہت آرام اور سکون سے رہ رہی ہوں۔ وہ کہنے لگے ماعتہ اہل ان جی تم سے بہت خوش ہیں تم ان کی خدمت کا حق ادا کر رہی ہو۔ اس دن ظفر صاحبہ بہت خوشگوار موڈ میں تھیں تو باتوں باتوں میں انہوں نے اپنے حالات کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

ان کی شادی دس سال پہلے ہوئی تھی ان کی بیٹی کی
 کی والدہ سے نہیں بنی تھی۔ وہ ہر وقت لڑائی مارتی تھی۔
 اسے اہل بنی کا جو بڑا عداوت نہیں ہوتا تھا وہ اس کو
 مارتی تھی کہ اہل بنی کو کی اولاد ہوم میں داخل کرادیں مگر
 ظفر صاحب ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کچھ
 میں دودھ تک بک ہوئی تھی، آج خیر ایک سال پہلے دودھ
 چوں کو لے کر اپنے بیٹے پہلی بنی تھی اس کا مطالبہ ہے کہ
 وہ کچھ میں جب آئے کہ جب اہل بنی کو اولاد ہوم میں
 داخل کرادیں گے۔

مگر ظفر صاحب ایسا کر کے ہرگز تیار نہ تھے اس طرح باقوں باقوں میں انہوں نے مجھ سے میری زندگی کا پوچھا تو میں نے ایک ایک کر کے انہیں سب بتا دیا حتیٰ کہ اپنی سالگرہ والی خواہش بھی بتادی۔ اپنے باپ کا جیل جانا اور گھر کی غربت سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ جس نے نہ کر دیا کچھ سوچنے کے بغیر مجھ سے میرے باپ پر بے وقوفی کا قصیدہ پڑھا۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا وہ میں نے سب بتا دیا۔

احساس پہ رنگ

محمد سلیم اختر

والدین بھی اولاہ پر بو جھنٹیں ہوتے
بڑھاپے میں اس کی قدر نہ کرنا انسان کو
ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے
جس کا احساس انہیں یہ نعمت گنوا دینے کے بعد ہوتا ہے۔

معاشرے کی تلخیوں سے کشید ایک سلگتی حقیقت



آج جب میں عمر کے اس آخری حصے میں ہوں
مجھ کو تیرے چھوڑنے کے فیصلے ایتھے لگے

اس دن بہت گرمی تھی۔ لوٹے بھی دیکھاڑ توڑ دیا
تھا۔ شہر گری سے لوگوں کے چہرے لال بھوسے ہو
رہے تھے۔ گرمی تو ہر سال ہی پڑتی ہے لیکن اس سال تو
غضب ہو گیا تھا۔ جون کی بجٹی دوپہر میں دو دلی کے
ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم کے ایک نچر پر گم بٹیمش
تھے۔ دونوں کے چہروں سے ٹکانا - امیداری ہے

میری تار پیدائش پندرہ ستمبر تھی چنانچہ چودہ ستمبر کو
ظفر صاحب کہنے لگے کہ کل جیسٹے نام نہ پیر کو اپنی ماں
اور سب بہن بھائیوں کو کوٹھی بلاؤ تو میں نے پوچھا کہ سر
کس لیے تو وہ کہنے لگے بلاؤ تو تمہاری یہ کل تاروں کا۔
میں اسی دن اپنے گھر گئی اور سب کو آنے کا بتا کر
آگئی۔ اگلے روز جب میری امی سب بہن بھائیوں کے
ساتھ شام کو آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک لافانہ جاجو
کہ میرے نام تھا۔ جب کھولا تو دیکھ کر میں خوشی سے
نہال ہو گئی۔ وہ درہا میٹر کا رزلٹ تھا میں فرسٹ
ڈیویشن میں پاس ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر گزری تو ظفر صاحب بھی آئے۔ وہ
اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ بہن بھائی بھی تھے۔ میں
دوڑ کر بے اختیار رات سے بہت سی اور رونے لگی۔ اس روز
بجلی پلاہا ہے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیار کیا پھر کیا
نے باری باری اس کے بچوں کو پیار کیا۔

ظفر صاحب نے ہم پر بہت بڑی نیکی ادا کی۔ ان
کا تھا۔ انہوں نے مجھ کے دوڑ کر جولا کر سر پر پالیں
لگنے سے روکی ہو تھا اس کے ماں باپ کو کچھ دے دلا کر
صبح اور صبح کی پیر کھانا دیکھ کر وہیل کے ذریعے عداوت
سے لبا کی بے ہوشی کے دوڑ کر رات اور آج ہی انکس
نیل سے راکر اور اپنے ساتھ لے آئے۔

جب میں نے اپنے سب بہن بھائیوں کو بلائے
سب پوچھا تو ظفر صاحب کہنے لگے صاحبہم میری بیٹی
جیسی ہوتی آج پندرہ ستمبر ہے اور تمہاری رچھڑے ہے تو
آج تمہاری سالگرہ منانی جائے گی۔ یہ سن کر میری خوشی
کی انتہا نہ رہی اور میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

ملازم بازار سے سالگرہ کا کیک اور دوسرے
لوازم تار لینے گیا تھا اس کے آنے تک میں ظفر صاحب
کی اجازت سے اپنی چھٹی کونل کو بھی بلا کر لے آئی۔
پھر تالیوں کی کوٹھ میں میں نے کیک کاٹا تو اس طرح
میری سالگرہ کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ آج کے دن

سو کھ رہا ہے۔ کینسل سے لگا ہوا ہے۔“

”نہیں نظر آ رہا ہے کینسل؟ دیکھ تو رہی ہو ان لوگوں کی بھیڑ۔ دھکا تو قس نہیں کروں گا اور صراحتی

نہیں۔“ اسی وقت مجبور کو چیرتا ہوا بیلوں کا ایک خطبلا آیا۔ وہ دوپ چاپ بیٹھ کر ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ شوہر کو دل بچ گیا۔ فوراً درجن بھر گھسٹے سے خرید کر بیوی کو دے دیے۔

”لو اس وقت گھسٹے سے چھو بیاس کم ہو جائے گی۔“

”تم بھی کھاؤ نا۔“ وہ تھوڑا تھک کر اس کے قریب ہو گئی۔ خوشی سے اس کا چہرہ مفلک تھا۔ وہ دونوں

مل کر گھسٹے کھانے لگے۔

”کیوں نہ ہم کینسل کے یہاں بیٹھیں ساڑھی اگر بیٹھیں ہیں تو کینسل کا بندہ دست ہو گیا تو شکیں دو لیں گے۔“

”یہ تو ساتھ میں کی عمر میں جیسی کون تو کوری دے گا۔ ساتھ ساتھ رکھتے تو نہیں۔ کیا یہ تمہاری تو کوری کرنے کی عمر ہے۔ میں میں کی عمر سے تو کوری کی تو

چالیس سال تک تو کرتے ہی رہے۔ اب کیا زندگی بھر تو کوری کر سکتے؟“

”بیٹوں کے گھروں کا دیکھئے۔ تو اچھا ہے۔“

جب تک بیویں کچھ کرتی رہیں۔ شام سے یہاں والی میں کارخانے بہت ہیں۔“

”ہوں گے لیکن کیا تم تو کوری کر سکتے؟“

”کیوں نہیں کر پاؤں گا۔ اس سے زیادہ شقت تو تمہارے ہو بیٹے لے لیتے ہیں۔ مجھ سے

بازار سے سبزی لاؤں۔ گھجوں پھوانا، لے کھائے۔ اس کے علاوہ اور بھی نہ چاہئے کیا کام۔“ مجھے کسی بے کار

پڑے ہوئے دیکھا ہے۔“

”اس کام میں اور اس کام میں بہت فرق ہے۔ تو کوری تو کوری ہے۔ بندہ کر کرنی پڑے گی۔ پھر نظر

بھی تو کر رہ ہو گئی ہے تمہاری ساتھ سے زیادہ مہر ہونے کو آئی۔ تم سے کام کیسے ہو گا؟ مجھ سے بھی تو کام نہیں ہوتا۔“

”تم سے کام نہیں ہوتا تو کیا ہوا۔۔۔ وہ تو سن بھی دو آدمیوں کا کھانا بنا دے گی۔ جہاں اتنے آدمیوں کا

بنائی ہے۔ وہاں دو اور سہی۔ اور جب بہت کر ہی لی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”تو کیا اب بڑھاپے میں بیٹی کے کھڑے تو نہ کرنا ارادہ ہے۔ سن کا بھرا خاندان ہے۔ پانچ بچوں کے

علاوہ ماس۔ سہری ساتھ رہتے ہیں کیسے گزارہ ہو گا۔؟“

”تو کیا ہوا۔ قریب ہی دوسرا گھر لے کر رہ سکتے ہیں۔ اپنا سامان واپس کر لیں گے۔ بنا دیا کرے گی

چار روٹیاں۔ پھر تو نہیں کہلائیں گے بیٹی کے کھڑے۔“

”کیوں یہ کیا ضروری ہے کہ تو کوری ہی گئی جائے گی۔ میرا تو پائل ہی تھی نہیں چاہ رہا ہے کہ بیٹی

کے گھر آجائے۔ سبھی داماد یا اس کے ساسی سر کو بوجھ محسوس ہوا یا کوئی جھگڑے تو کیا اچھا ہے گا۔“

”بہن! پائل اچھا ہے گا۔ بیٹی داماد یا اس کے ساسی

کے سنے کچھ نہیں گے تو سو بار اچھا ہے گا۔ تمہارے بیٹے بھوکے پیٹے سنتے۔ بات بات پر جھڑکیاں

کھانے سے تو بھڑکے گا۔ تم بیٹے ہیں۔ گریب بیویوں کے کلام۔ بھول گئی پرسوں ہی تو چھوٹی بہن تم

سے کہہ رہی تھی۔“

”اماں بی۔ آپ نے اپنے بڑھاپے کے لیے کیا رکھا ہے؟ نہ مکان نہ کوئی ٹھکانا۔“ کیا تمہارے بیٹے

کو دوسرے کمرے میں سٹائی نہیں دیا ہو گا؟ بھت بھول گیا کہ اس کو ڈالز کی پڑھانے کے لیے ہم نے

اپنی پیش کی نہیں اپنے آپ کو بھی دیا۔“

”ام اور شیمام کیا ایسے ہی انجیئر ہو گئے۔ پروفیسر ہو

گئے۔ سن نے کیا کثافت میں ادا کرے کیا ہے پھر سب کی شادیوں نہیں۔ آج جب سب ہم کچھ ان پر لگا بیٹھے تو کم

بنت کہتے ہیں کہ بڑھاپے کے لیے کیا کیا؟“

”ساتھ بیٹھے تھن مکاؤ بیٹے کے لیے تیار کیے تھے؟ اس لیے کہ جب بڑھتی نہیں گئے تو چار چار ماہ

تیروں کے یہاں رہ کر آرام سے زندگی کث جائے گی۔ پتوں میں ہی رہ کر زندگی کث جائے گی۔ لیکن کیا اپنے خواب پورے ہوئے۔؟“

”تیروں ایک دوسرے سے بڑھ کر کھنے۔“

☆☆☆

”شروع میں رام نے کھانا کھانے میں بھائی چار چار ماہ دونوں کو بھیس گئے۔ کینسل جہاں ایک بار گھر

سے کھنے کا دوبارہ اسے کام میں نہیں لیتے۔ چھ ماہ جہاں ایک ہی کے گھر رہتا پڑتا ہے۔ کینسل تو وہ خطرے تیروں

ایک ہی کے گھر رہتا پڑتا ہے۔ کینسل تو وہ خطرے تیروں سے یہ نہ چھٹی کرتے ہیں۔ سسے ماں باپ سے اسکا

جائے ہیں۔ اپنے دن بھول گئے کہ کینسل نے کچھ سے لگا کر رکھا۔ کیسے سونے کے نوٹ لکھائے۔ کیسے

دکھ اٹھا کر بالا پوسا۔ اب کینسل میں بیماری میں بھی دودھ پھل نصیب نہیں ہوئے۔ جب میں تھن میں گلو

دودھ نکلتا تھا۔ نہ کینسل دودھ کرتے نہ کینسل چل کر۔“

”وہ یہاں اس کی صورت دیکھئے تو کینسل ترش گئے۔“

”میں میں کینسل کے بیٹے گئے۔ ساڑھی کی آئیں چھٹ گئیں۔ شوہر کی ایک ایک بات جھٹوئے کی چوٹ کی

ماندہ میں تنگ کر دی تھی۔ آج نگاہ اس کے سامنے تھا۔“

”وہ تو اپنا فرض تھا۔ جو سارے والدین پورا کرتے ہیں۔ جب پیدا کیا۔ تو ان کی پرورش اور تربیت بھی

کرنا پڑتی ہے۔۔۔ وہ دودھ سے بولی۔“

”وہ تو اپنا فرض تھا ہی لیکن ان تک حراموں کا کوئی فرض نہیں ہے۔“

”سفر چنک گئے۔ جب انہیں رحمان آیا کہ وہ بیٹھ قائم رہ بیٹھے ہیں جب وہ آواز پتئی کے لیے۔“

”بھرا میں باری تھی لیکن اس بار دودھ ماہ ہو گئے۔ نام نہیں لینا بلکہ کا۔ خط لکھا کہ اس بار بچوں کی بیماری پر

بہت پیار کر گیا۔ ابھی نہیں بلا سکے گا۔“

”کینسل پر رام نے بھی نہیں لکھا تھا۔ چار سے پانچ ماہ گزرے نہیں کہ میاں بیوی بٹھلا گئے۔ روز ہی پائیں

سننے کو کئی تھن کے شیمام چلاک ہے۔ اپنی باری پر بلانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ پھر نہ وقت پر کھانا نہ جائے۔ پھر تو

اس نے پرانے کے خفا کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ کھوٹوں کھوٹوں کو زبردستی کینسل میں کھایا تھا اور وہاں چھپتے پر

دونوں کے منہ سے نکلتے تھے۔“

”یہ چھوٹی بہن کھانا چھاتی ہے۔ کتنی ہاتھ بھری زبان ہے۔ اس کی سوچ ہی ہے۔ کمر کی لڑکی ہے لحاظ

کرے گی لیکن اس نے تو کھلی او بڑی کو بھی زبان روازی میں پچھا روڈ لک۔ یہاں سے بھی زبردستی نکالے

گئے ہیں۔ اگر رام کے گھر بٹھلا جائے گا تو وہاں بھی کینسل حال ہو گا۔ یہ تو اب کینسل لڑکے کے

یہاں جانے کو دل نہیں چاہتا۔ اس سے تو اچھا ہے کینسل دوسری میں کچھ کر بیک مائیں۔ کیسے کہتے وہ پاپٹے

گئے۔“

”ساڑھی کی آنکھوں سے بھر جھڑا آنسو بہ رہے تھے۔ گناہ تھا وہ قلع سے نکل آئے والی سبکیوں کو

زبردستی روکے ہوئے ہے۔“

”چھٹیلے سال کمار کے جنم دن کی بات بھول گئیں تم۔ سارے شہر کے انجیئر۔“ افسر سے لے کر بابو

تک اپنی بیویوں کے ساتھ آئے تھے۔ کتنے خوش ہو رہے تھے۔ کمر کی سجاوٹ دیکھ کر گناہ چاہتے کا

مجنون نہیں پیاہ ہو رہا ہے۔ بیوہ پر ہی کئی سہائی یہاں وہاں ٹھیکیں لگا پھر رہی تھی۔

پھر اس کی نظر ہم دونوں پر پڑی۔ اس نے تھوڑی

دیہ خور سے ہماری طرف دیکھا اور نظر بچا کر پتی سے کچھ کہہ کر۔ میری نظریں تو برابر اس کا چنگا کر رہی تھیں۔ تم دو دھیا روشتی کی چکا چوند میں اس طرف دھیان نہیں دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ سامنے آ گیا کہ وہ کیا آگ لگا رہی ہے ابھر ادھر سامان لگواتا آ کر سر ہچکھاتا بڑی ٹھیکیداری سے بولا تھا۔

”بابو جی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ آج شہر کے بڑے بڑے افسر آ رہے ہیں۔۔۔ ٹھیکٹر۔۔۔“
 ”ہاں۔۔۔ ہاں وہ تو دیکھ رہا ہوں کہ تو بڑے پتلے پر ہیشن ستارہ ہے۔“
 ”ہی ہاں۔۔۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اس وقت آپ لوگ اندر کمرے میں رہیں۔“

”یہ شہر پرانا ہے اس کا آقا کہ جتنا اتار کر منہ پر دے ماروں کہ ہم لوگ ٹھکرے۔۔۔ کانے بہرے یا کوڑھی تھے کہ کمرے میں پیچھے بھاگے؟ کیا بڑا بھاپا آجائے نہ لوگوں کو مت بھجانا پڑتا ہے؟ کیا رام۔۔۔ بھرام۔۔۔ شام بہیں اور ان کی اولاد میں کسی بڑھی نہیں ہوں گی۔ جب ان کے بیٹے بیٹیاں جوان ہوں گے تو کمرہ میں انہماں چھپاتے بھڑکے؟ میں کہتا ہوں۔۔۔ ساتری۔۔۔ انکی اولاد کو کوڑھ چھوٹا ہے کوڑھ۔“

پھر وہ غصہ میں آ کر چلا پڑے تو بیوی نے اپنا کانٹا جبری راد ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیا اور پھر روٹی ہوئی بڑی مشکوں سے بولی۔ ”یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ابھی؟“
 ”یہ اولاد کو کوس رہے ہو۔۔۔ بددعا دے رہے ہو۔۔۔ کیا وہ سب بھول گئے ہو کہ بچوں کے ذرا سا بار پڑ جانے پر ہم سے زیادہ تم گھبرا جاتے تھے۔ رات رات بھر جاگ کر سر ہانے نہیں دیتے تھے۔ زبردستی کہ ذرا بھی کچھ کہہ کر سوتے دیتے تھے۔ دودھ پلکا کہ ذرا لگائے رہتے تھے۔ جلدی ٹھیک نہ ہوتے پر بھی اس ڈاکٹر تو بھی اس ڈاکٹر کو دکھاتے تھے۔ اور آج اسی اولاد کے لیے

اسی بات کہتے تمہارا کچھ نہیں کاہنیا۔“
 ”نہیں ساتری۔۔۔ اب کچھ کہنے سے ندل کاہنیا ہے نہ زبان رکھی ہے۔ اس دن بند کر سے میں رہنے پر اتنا افسوس ہوا تھا کہ کتنی چاہتا تھا اس وقت کھر پھوڑ کر کہیں چلا جاؤں۔۔۔ جیسے جیسے باہر اس سے تالیوں اور ہنسی کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ دل اتنا ہی دوتا تھا۔ تم بھی تو چپ چاپ موتی کی طرح بیٹھی تھیں۔ تمہاری تو چپ رہنے کی عادت ہے لیکن میں نہیں رہ پاتا۔ تم برداشت کر لیتی ہو۔ مگر میں نہیں کر پاتا۔ اس دن ایسا لگ رہا تھا کہ بجھت کو بھی بھر کر گالیاں دوں۔ جب رات لگے تو پھٹانی کی چیخیں لے کر آئی تھی۔ جب بتی چاہا تھا تو یہ دیکھتا ہوں کہ منہ پر دے ماروں۔ کیا ہم فٹانی کے بھوکے ہیں؟ یہ تم نے چھوٹی تھی اور نہ میں نے؟“

”تمہیں یاد ہو گی گاؤں کی وہ بات جب پہلے پہل گاؤں میں سکول بنا تھا اور منگل کے کلنگر کا افتتاح کے شام بلایا گیا تھا۔ وہ افتتاح کرنے جا رہا ہے کہ ان کی نظریں سکول کے بارش میں پانی دیکھتے ہوئے بڑے ہلچل مچ رہی تھی۔ جب اسے وہ دیکھ چکر وہاں تک پہنچے ہوئے لگے تھے۔ بھراہی برس کے کانے ٹھیک مانی سے اس کا افتتاح کر لیا تھا۔ یہ تھا براہین۔ اس دن اگر کمار کے جنم دن کا ٹیکہ وہ اپنے بڑے باپ سے لگاتا تو کیا اس سے اس کی عزت گھٹ جاتی؟“

اسے ہمارا بھی کچھ ہاتھ بھرا ہو جاتا۔ لیکن اس نے تو ہمیں کمرے میں بند کر دیا تھا۔ ہماری صورتوں سے ان کی غفلت کی ٹیکہ ماند پڑ جاتی۔ اس دن ساری بھراہی نکال دی تھی۔ جس سے دودھ سمجھے گئے رہتے تھے۔ بھراہی کا نہ مشکل ہو گیا تھا اور ہم بھرام کے یہاں بیٹے گئے تھے۔“
 ”بھرام کی بیوی تو سیدھی ہے اس نے تو کبھی اپنے

منہ سے کچھ نہیں کہا۔ اسنے بچوں کو جو وہ کھاتی ہے۔ وہی ہم دونوں کو بھی کھاتی ہے۔“ بیوی غصہ کی سانس لے کر بولی۔
 شوہر بھی چپ نہ رہ سکے بولے۔ ”سیدھی ہے؟“
 سیدھی بن کر ہی تو اس نے تمہارے کان میں گنگے کرا لیے۔۔۔ پوتیوں کے کن پھیدوں میں دادی جی پالیاں بنوا رہی تھی۔ اور دادی نے وہی کسی بھی بچی گھوا دی۔ بولنے میں غشی ہے لیکن بڑا چٹا کالیاں ہے۔ جہاں ذرا زیادہ خرچ ہونے لگا ہے اس کی بھی نیکی خواہش رہتی ہے کہ کسی طرح ہم وہاں سے نکلے۔ چار ماہ کے بعد مصروف چاروں دن زیادہ رکھے میں اس کی چھاتی پھینکتی ہے۔ صبح منٹوں میں کوئی چاہے تو وہ بے ہناری بیٹھیں جس جو بھی ہماری سن گئی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ یہ ہوا۔ وہ ہوا تو بڑے بچاں کو بھی نہیں پھینکتی۔ اسی وجہ سے تو سب اپنی اپنی باتوں سے لگے ہوئے ہیں۔

اب کتنے ہی دن گزر جاتے ہیں۔ اسے دیکھتے ہوئے تین برس سے نہیں دیکھا۔ ملکہ کی بڑا بھلی پر آئی تھی۔ داماد بھی بہت شریف ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کچھ دن یہاں ہی ہوا کھاؤں۔ آج دو دن میں ”سہلم“ ہو جائے گا۔ اگر اس دوران میں کوئی شے تو سہلم ہو مکان لے میں گئے۔ بولو۔ بھراہی ارادہ ہے کہ پھر باتوں کو پھوڑو۔“

ساتری کی کچھ دیر چپ چاپ بیٹھی رہی پھر مدھی آواز میں بولی۔ ”آپ جیسا مناسب سمجھو کرو۔ میری کچھ باتیں تو کچھ نہیں آتا۔ ٹھیک سمجھتے ہو تو چلو۔“
 ”جی ہاں کر سامان اٹھاؤ۔ پھر بھراہی کر کہیں گے۔ وہی کمرے پر سامان رکھو کہ باہر آئے اور کسی میں سوار ہو گئے۔ جب کسی بچی کے دروازے پر پہنچی تو رات کی تار کی جھیل بھی گئی۔ کن کھانا پکانے سے مصروف تھی۔ داماد بھی بازار سے لوٹا تھا۔ اس کا سکوتر

پھاٹک کے اندر کھڑا تھا۔ بڑے ماں باپ پوتے پوتیوں سے کھیل رہے تھے۔ باہر برآمدے میں بلب جل رہا تھا۔ جب دونوں نے سامان تحیت کر گیت کے پاس رکھا تو راجیش کا دھیان ادھر گیا۔

”کون آ رہا ہے؟“ باپ نے پوچھا۔
 راجیش نے پاس جاتے ہوئے بچپان کر جواب دیا۔ ”شاہد اگر وہ اس کی ماں کی ماں بڑی آئے ہیں۔“
 اس وقت تک کسی کا کارہا اور کر کے وہ گیت کھول ہی رہے تھے کہ راجیش نے کہا۔

”بپ شہر ہے۔ میں اٹھا ہوں سامان۔“
 اس کے ہاتھ سے سرائی لیتے ہوئے اس نے بڑے بڑے روٹی کو دار دی۔ دوسرے بچے بھی نزدیک آ گئے تھے۔ سب نے کچھ کچھتے ہی سامان اٹھا کر اندر رکھ دیا۔ تب تک کن کو بھی چھل چکی تھی۔ وہ بھی آچل بے ہاتھ پھینکتی ہوئی باہر دوڑ آئی۔

”اسے ٹائی نا کے پیر پھوٹا نا۔“ راجیش کے حکم پر تینوں بچوں نے جب کر چن لیا پھوٹے۔ دونوں نے مدھی کمرے سے سلام دیا کہ تو آئیں گے اٹھانے سے کہا۔
 ”تھینے تھینے آپ لوگوں کو راتے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“

اس وقت تک کن بھی ماں کے گلے لگا چکی تھی۔ محبت کے چھٹکنے آخسوں کو پھینکتی ہوئی۔ بچی کے کہنے پر ساتری کی بھی گاڑوں چھپر پر چڑھی گئی۔ جب تک کن کی بڑی بیٹی فرح کا غصہ ابائی نہ آئی تھی۔ وہ کچھ پتھر پتھر کے کھر کھر کو کچھ کر ہی غصہا ہو گیا تھا۔ کچھ اطلاق اور محبت سے ملے تھے سب لوگ۔ پھر جیسے بولنے کی ہمت ہوئی۔

”جے پور چاہتا تھا۔ لیکن کن اور بچوں کو دیکھتے بہت دن ہو گئے تھے۔ جے میں اتار گئے۔“
 ”اچھا کیا آپ لوگوں نے کچھ دن نہیں رہے۔“

آخری مورچہ

محمد حنیف

عظیم ہیں میرے وطن کی سرحدوں کے محافظ
جواہر آج اس سرزمین پر قربان کر کے ہمارا
مستقبل روشن رکھنے کے لیے سینہ سپر رہے ہیں۔

جنبہ حب الوطنی کی تصویر ایک پٹر اڑتے ہوئے



تجھ سے جدا ہوئے تو بہت دیر تک ہمیں
تیرے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیا

6 ستمبر کا سورج طلوع ہوا تو پاکستان پر حملہ ہو چکا

قہار۔ بھارتی فوجوں نے اپنی رواجی بزدلی سے کام لیتے ہوئے سچ کا ذب کے دھندلے میں چھوڑ دی کی طرح لاہور پر حملہ کر دیا تھا۔ ہر طرف غم و غصے کی آہر دوڑ گئی۔ لوگ ابھی اس بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ کیا ہوا ہے کہ ریڈیو پر صدر مملکت فیملہ مارشل محمد ایوب خان

ہوں۔ اب ٹھیک سہ سلا کی بھی طرح زندگی کاٹ لوں گا۔

ساڑی کے آنسو بہتے گئے۔ وہ آج کل کے کٹارے سے آنسو پھینچتے ہوئے بڑے گئے سے بولی۔ ”تمہارے لیے میں سب سستی ہوں۔ بے عزتی کے کڑوے کھونٹ پیتی ہوں۔ جب تم نہیں رہو گے تو مجھے وہاں سونے کا نوالہ بھی زہر سے کڑوا لگے گا۔ جہاں تم جاؤ گے۔ میں بھی وہیں جاؤں گی۔ جیسے تم رہو گے۔ ویسے ہی میں بھی رہوں گی کیا اب ایسی فورت آگئی ہے کہ بیک بائیں گے۔“

”ہاں ہاں۔ اگر تم کہنا ہے تو جی کرنا ہے۔“
”شوہر نے رات بھر میں کہا تو کبھی نہیں اٹھا کر ساڑی نے شوہر کی طرف دیکھا۔ بیوی کے آنسو دیکھ کر شوہر کا دل بھی گھٹ گیا۔ وہ دھکی آواز میں بولے۔

”ساڑی کیا تمہیں کچھ پر غور نہیں ہے؟ ابھی مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ تمہیں مٹا کر کھلا سکتا ہوں۔ دیکھو وہ گاڑی آ رہی ہے۔ ہری دوار جانے والی۔ ہم دونوں ہری دوار چلتے ہیں۔ وہاں ڈیڑھ دوں بڑے بڑے متعدد ہیں۔ کسی بھی کھائی پر جانے کا کام ہو گا لوں گا یا پھر کہیں بھی لڑکے لڑکھنڈے کے بڑھانے شروع کر دوں گا۔ تم سب گلے چھڑو اور ہری دوار چلو۔“
اسی وقت دھڑ دھڑائی ہوئی ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہی ہری دوار والی ہی ٹرین تھی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ کئی گواہ دواز دے کر انہوں نے اس کے سر پر سامان رکھا۔ ایک ہاتھ میں سرائی لی اور دوسرے سے ساڑی کو گھسیٹتے ہوئے کئی کے پیچے چلے پڑے۔ بڑی مشکل سے کئی انہیں اور سامان کو ڈبے میں ٹھونس پایا۔ اس طرح انہیں سیٹ پر بٹھا کر اور سامان رکھ کر وہ باہر آیا۔

ابھی تک گھبراہٹ میں ساڑی سب کچھ بھول گئی تھی۔ لیکن ٹرین چلنے کے بعد اٹھانی جگہ بغیر کسی آسے کے خوف نے اسے آدھو چلا۔ اسے آفس ہوا کہ اس نے بے کار کی شوہر کو ٹرین میں چڑھنے دیا۔ پھر دے دے۔ کئی میں کھنکھرتے ہوئے وہ بولی۔ یہی سوجا ہے کہ اگر تم یا میں تیار پڑ گئے تو کیا ہو گا؟“

”ہو گا کیا۔“ جب میں تیار پڑوں گا تو تم خدمت کرنا اور تم پر دو کی تو میں کروں گا۔“
”اگر کروں تیار پڑ گئے تو۔“
”تو دیکھا جائے گا۔“
”اور اگر کسی کو کچھ ہو گیا تو۔“
”تو خیرات نان والے یہاں ہی ہوں گے۔“
شوہر کی بات سن کر ساڑی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر چھوٹ چھوٹ رو پڑی۔ اس کا رونا دیکھ کر اس پاس بیٹھے مسافر بھی روتے پڑے۔

☆ ☆ ☆

منہ تو ذرا جواب دیں گی۔ پھر صدر مملکت نے لٹکار کر کہا میرے بچہ مراد انہ آگے بڑھو اور دشمن پر قہر خدا وندی بن کے ٹوٹ پڑو۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

ان دلولہ انگیز الفاظ نے ملت پاکستانیہ کے سینوں میں گویا بجلیاں بھردیں۔ اس آواز میں جادو تھا کہ جذبہ سرفروشی کہ ہر جوان بھی یاد پڑھا آتش فشاں بن گیا۔

قوم نے اپنے حکیم رہنما کے اعلان پر لبیک کہتے ہوئے دشمن کی چانچاری اور سرفروشی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دشمن حیران رہ گیا۔ قوم نے اپنی آزادی کی بھار کے لئے خون کے ایسے چراغ روشن کیے کہ دنیا کے اوراق ان سے ہمیشہ روشن رہیں گے۔ اس سحرورہ

جنگ میں ہماری فوج نے دشمن عزیز کے دفاع میں جس بے مثال جرات، عزم و شجاعت اور چانچاری کا نمونہ پیش کیا قوم اس پر ہمیشہ فخر کرے گی۔ فوج کے پاسی سے لے کر جیش تک دشمن کے لئے ناقابل تخریب بن گئے تھے۔ ہمارے سپاہیوں نے وطن کی راہ میں اپنی

جان کی قربانی دے کر کٹر کے اس سیلاب کو روک دیا اور دشمن کو ایک اعلیٰ جہتی لڑائی پیش کر آگے نہ بڑھنے دیا۔ انہوں نے شجاعت کے پیکار سے لڑا کہ دشمن کے کچھ شکست لے لے اس سے پہلے یاد کیجئے ہمارے۔ انہیں سرفروشن

میں گوجرانوالہ کے دو جوان (سید علی احمد اور فیاض علی) نے جنہوں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جمہور کے ناقابل تخریب حصار کے پیچھے آزاد اپنے جس

پراثریابی کو یقیناً آج تک جمہور کی سینوں وادی جس کے ایک طرف دریائے قوی اور پشت پر سرسبز پہاڑوں کا طویل سلسلہ دو تک چلا گیا ہے۔

دشمن نے ان خوبصورت پہاڑوں کی گود میں اپنی مورچے بنا رکھے تھے۔ اگلے کے ذخیرے جمع کر رکھے تھے۔ بارودی سرنگوں کے چال بچھا رکھے تھے۔ پھر سے ہوئے دریائے قوی کے کنارے اور اس پاس کی

پہاڑیوں پر اتحاد دشمنی منہ پھاڑے کھڑی میں

اور۔۔۔ جب حق و انصاف کے طہر دار آگے بڑھے تو بڑوں بھارتی لاشوں کے انبار چھوڑ کر پیچھے ہٹنے چلے گئے۔ دشمن پیچھے ہٹا ہوا مصعب شہر کی دیواروں تک چلا گیا اور مورچے بند ہو کر لگے۔ یہی وہ مورچہ تھا جو

چار روز سے ہمارے لئے دوسرا ہوا تھا۔

مورچے پر آتش قاذوین دوزخ ایک کلمہ قحس میں دشمن نے اتحاد اور اگلہ اور گولہ بارود جمع کر رکھا تھا۔ دشمن

اپنا ایک حصہ اسے لٹا اور چابی پھیلا کر پھر سے اس میں مورچے بند ہو جاتا۔ وہ دو عمل کرتا تھا اور

یہی مورچہ خالی کرتا۔ اس روز بھی دشمن نے دہیر کوہم پر حملہ کیا۔ وہ ایک توپ اور ہموں کے دھماکوں سے داخل

کرتے۔ لگاتار ہمارے جاہلین جان کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ شام کے سامنے پہنچ گئے۔ پھر دفعتاً دشمن کی طرف گولیوں کی

آواز بند ہو گئی۔ کچھ دور کا گولیوں کی آواز ہی آتی رہی پھر وادی پر سب مٹا چھا گیا۔ لڑائی آج بھی جانوں

کسی فیصلے کے بند ہو گئی تھی۔ اس رات جانوں نے تک وہاں رہتے رہے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ جہاں

جہاں دشمن مورچے بنائے۔

سینک انہر رات کے پہرے کے لئے ڈھونڈ لگائے۔ کچھ بعد نوید سے خطاب ہوئے۔ نوید آج کی

رات ہم دشمن کے بہت قریب ہیں۔ وہ کسی وقت بھی ہر جہی میں ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ لہذا کھانے کے بعد

کھانا کھانے سے فارغ ہو کر نوید مجھے لے کر ایک طرف کوٹھ دیا۔ دن بھر کی لڑائی نے تھکا کر رکھا تھا۔

ہم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ہمیں دے رکھی ہوئی آواز ڈرا آگے لگے۔

یہی کہہ کر نوید بارہ بجے ہماری ڈھونڈ سے آؤں وقت تک ڈرا آگے لگے۔

بھی تھکے تھکے آری آؤ کہیں جینہ کر ہاتس کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر نوید سامنے کی پہاڑی (جس پر

دشمن مورچہ تھا) پر چڑھنے لگا۔ میں شپ چاپ اس کے ساتھ ہو گیا۔ سو کڑے اور جا کر جہاں سے وادی کا

منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ نوید ایک بڑے چٹری کاڑ میں ٹانگیں لپار کر بیٹھ گیا۔ نوید انہم اپنے ساتھیوں

سے دور اور دشمن کے بہت قریب آئے تھے۔ میں نے اس کے قریب بیٹھنے ہوئے کہا کہ میں۔۔۔ اس نے جیسے

میری بات سنی نہ ہو۔ وہ ساتھیوں میں نہائی ہوئی وادی کو گھورتا رہا۔ دھوکا لگاتار کی خوفزدہ بننے کی

طرح ڈھونڈی آنگھوں سے بیٹھے دیکھ رہا تھا۔ درختوں کے لیے سامنے بڑھتے ہوئے ایک معلوم ہو رہے تھے

رات میں خاموش تھی اور ٹھک ہو رہے تھے۔ دوسرے محل رہی تھی۔ نوید نے ایک اور جگہ پر کہا کہ ہمیں

معلوم ہے کہ لٹاکر شہید ہو گیا ہے۔ ہاں میں نے اس کی لاش بھی دیکھی ہے۔ خون میں نہائی ہوئی لاش۔ آہ اس کی موت کی خبر سن کر اس کی بیوی پر کیا کڑے لگے میں نے پھیل آواز میں کہا۔

نوید کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور۔۔۔ پھر

تقریبی دیر بعد میرے کمرے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا

”میں انہیں معلوم ہے کہ مجاز پر آنے سے چند من قبل

گھر سے خطا کیا تھا کہ اللہ نے میرے گھر کا دیا ہے

آکر دیکھ جائے۔ میں جانے کے لئے کتابتے تاب قحمر

لڑائی کی وجہ سے چھٹی نہ تھی۔

ہاں مجھے معلوم ہے نوید، میں نے کہا۔ سلیم تو

دو تین ماہ کا ہو گیا ہو گا۔ خط میں لکھا تھا کہ وہ بالکل اپنے

باپ پر گیا ہے۔ نوید پھر کہنے لگا تو میں نے اسے

ٹوٹے ہوئے کہا نوید! بھلا یہ ان باتوں کا کونسا وقت

ہے۔ کوئی اور بات کر میرے دوست۔ میں نے اس کے جذبات کو سمجھتے ہوئے بات غانے کی خاطر کہا

”مگر۔۔۔ وہ تو ان یادوں کے حصار سے باہر نکلتا ہی نہیں

چاہتا تھا کہ تھکے لگا نہ جانے آج جب کہ بولنا کی تھکے

کیوں ماضی کے حسین ایام یاد دہی ہے۔

سلیم اب بھی بھلا کیا دیتے ہیں جب زندگی نرم و

تازہ، مضمون اور ایک خرام غری کی طرح بہہ رہی تھی۔

میرے گرد و آگرو پہاڑوں نے کیا اپنے تفرانوں کے منہ

محول دیکھتے تھے۔ سربز آبی آب و تاب سے طلوع ہوتا تھا اور رات کو پانا آواز آتا کہ وسط میں چکا کرتا

تھا اور۔۔۔ ان چانچاری راتوں میں تھکے تھکے گاؤں سے

ملحقہ نواب صاحب کے ہاتھ میں لئے آ کر آتی تھی۔

پتیلی پتیلی زندگی، میرا پیار، وہ پتیلی میرے زانو پر

رکے تھکی رفتی اور میں اس کی قرب کی سمجھ کر خوبو

میں ٹھوکر دینا چاہتا ہے۔ بے نیاز ہو گیا۔ میں فوج میں

بھرتی ہو گیا تو حقیقہ کو بہت جلد جانتی تھی

اور۔۔۔ جب میں اس سے جدا ہو کر گاؤں سے چلا تو وہ

بہت روئی۔ مجھے جانا تو میرا جانا کہ تمہارے بغیر

میں ذوق نہ رہ سکتی گی۔ اسے لگتا میں کوئی لاپتہ تھا

یہ باتوں میں تھم کر دس برس دوسرے میرے سینے آکر

تھیں لں پایا کروں گا۔ میں نے اس کی بہت

بندھا تے ہوئے آپنا عقلمی میں ایک مقدس سفر کی ابتداء

کر رہا ہوں۔ مجھے خوشی وادار گرد اور۔۔۔ پھر اس

نے ایک دم اپنے آس پاس فوج والے اور اس کے چہرے

پر افسردہ کی سگراہت چھل گئی۔ اس نے لڑائی ہوئی

آواز میں مجھے صفا حافظہ کیا میں دشمن پر چلا آیا۔

وقت گزرتا رہا اور پھر جتنی جہتوں میں عقلمی سے

میری شادی ہو گئی۔ اس روز میں کتنا خوش تھا جیسے دنیا

جہاں کی خوشیاں میرے گھر اٹھل دی گئی ہوں۔ اب خدا نے مجھے کچھ بھی عطا فرمایا ہے۔ سلیم! میں کتنا بد نصیب ہوں کہ مجھے کو دیکھنے کے لیے ترس رہا ہوں۔ عقیلا کی سوچنی ہوئی۔ وہ ایک آہ بھر کر غامض ہو گیا۔ نوید، یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کبھی اکڑی اکڑی باتیں کر رہے ہو آج تم؟؟ جتنی بھری ردی کی بات ہے جنگ بند ہو جائے گی۔ پھر دیکھنا تم میرے اپنے بیٹے کو۔ میں نے اس کو حوصلہ دیا۔ خدا معلوم کہ بند ہوگی یہ لڑائی اور کون جانے لڑائی کے اختتام تک میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں۔ اتفاقاً کو دیکھ لو کہ جہاں سے ساتھ تھا خدا آج منزل ملنے کے لیے دبا رہا ہے۔ خدا معلوم کتنی محنتیں کتنے ارمان ہوں کے لیے میں اس نے بھی بہت کچھ سوچ رکھا ہو گا کہ لڑائی بند ہو تو یہ کیوں گا، وہ کروڑ کا کمر۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آواز بھرا مٹی اور آئینوں کی آئینوں سے ٹوٹنے لگے۔

جست نہ ہو نوید، بہادر دن کے ہیں سے سوچ۔ مجھے امید ہے کہ اس سورج کے ٹوٹنے سے دشمن جنگ بندی پر مجبور ہو جائے گا۔ اور پھر زندگی موت تو ہر وقت۔ ہر جگہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک کو اس راہ سے گزانا ہے۔ تمہاری سوچوں سے بڑی کوشش ہوئی ہے مجھے۔ یہ اسلام کے چٹائی کی شان تھی۔ تم ٹھیک کہتے ہو سلیم اور..... میں بھی میں ذرا دل دلا ہوا تھا۔ کوشش کر رہا ہوں۔ پھر وہ کہنے کا نہ پانے کیوں دھڑکے کر بیٹھے یہ خیال آ رہا ہے کہ میں قاتل ہوں۔ میں توئی ہوں، خدا معلوم اس لڑائی میں میری گولی سے کتنے سہاگ اجڑے ہوں گے اور..... خدا اس یادش میں میرے بچے کو بھی جیتم کر سکتا ہے۔ ارے بے خوف یہ جنگ ہے اور جنگوں میں لگ کر مری کرتے ہیں۔ یہاں کسی کا خون کسی کے سر میں ہوتا۔ میں نے اسے ذات چلاتے ہوئے کہ نوید! اولاد کی محبت نے تمہیں پاگل بنا دیا ہے۔ اپنے فتنے فرس سے غافل ہو چلے ہو۔ موت کے

خوف نے تمہیں بزدل بنا دیا ہے۔ تم زندگی سے بے یار کرنے لگے ہو۔ ذرا سوچو کہ کچھ صرف تمہاری ہی کمر میں تو نہیں بیکار پڑنے والے ہر سپاہی کے کمر میں ہیں۔ ماں باپ ہیں۔ بہن بھائی اور عزیز رشتہ دار ہیں۔ مجھے یہ دیکھوں میں بڑی والدہ اور میں جوان بہنوں کا واحد سہارا ہوں۔ اگر ہر آدمی اس بچ پر سونے لگے تو..... پھر کو نوید کہ وطن کی محبت سے بڑھ کر کوئی محبت نہیں۔ کوئی اعزاز نہیں۔ تمہیں ملک و قوم کی حفاظت ا مقدس فرض سونپا گیا ہے۔ اس فرض کو پورا کرو نوید! اس کے سوا ذہن سے ہر رکاوٹ اور ہر شے کو کھرچ ڈالو۔ وطن کے دفاع کے لیے لا جاؤ۔ مر جاؤ کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فرمازی نہیں۔ کوئی رعب نہیں۔ میں نے واقعی اس کی اپنی خاصی سے عزتی کر دی۔

گالی نہ دو۔ وہ مجھے حائف کر رہا میرے دوست کہ میں ذرا دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ نوید شاید کچھ بھیگتا کہ پانچ سا کلکنا وہ تم نے بڑھ کر اوپر دیکھا کہ ایک آدمی چہرہ کی آؤش آہستہ آہستہ بچے دیکھا رہا ہے۔ نوید! میں دشمن کی چال پر نظر رکھتا ہوں اور تم جلدی سے کیتھیں صاحب کو کھینچ کر وہ دشمن تلے کی تیاری کر رہا ہے۔ جاؤ جلدی کرنا اس آجانیہ۔ میں نے تمہیں لیتے ہوئے کہا۔ کوئی بھی کسی اور بعد کو کھانے پر برہنہ نہیں کرے کوئیں کہ بہت سے نیچے اٹھائے واپس آ گیا۔ میں نے کیتھیں کو اطلاع کر دی ہے اور اوپر سے بے آواز ملا جو کہ ہم دونوں آگے بڑھیں گے اور ہمارے پیچھے فوج ایڈوانس کرے گی۔ نوید نے کہا اور ہم آہستہ آہستہ آگے سرکے لگے۔

دشمن بڑی احتیاط سے چھپتا چھپتا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ہمیں غافل پا کر اپنا کچھ ہم پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ گو دشمن ایک بھی کھپ سے بہت دور تھا لیکن پھر بھی ہم اسے زیادہ سے زیادہ فاصلے پر روکنا چاہتے

تھے۔ ایسا کرنے میں اگرچہ جان جانے کا خطرہ تھا مگر ہم کسی خطرے کی پردہ کی بغیر اوپر ہی اوپر چڑھنے چلے گئے۔ سنگار چٹانوں سے ہماری کہناں دشمن کو پہنچا کر ایک جذبہ تھا جو میں ہر تکلیف سے بے نیاز آگے ہی آگے لے جا رہا تھا۔ ہم دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور دشمن ہماری طرف اتر رہا تھا۔ فاصلہ بتدریج گھٹتا جا رہا تھا۔ نوید کی آنکھیں شعلہ بھری تھیں جیسے آج وہ ہر شے کو جلا کر بھسم کر دینا چاہتا تھا۔ سلیم! آج یہ مورچہ ٹوٹ جانا چاہیے۔ لڑائی کا فیصلہ ہو جانا چاہیے تاکہ میں جلد از جلد اپنے بیٹے کو دیکھ سکوں کہ اس میں مزید انتظار کس کس کا ہے۔ نوید نے ایک جگہ پر آ کر اپنے مورچے سے کہہ۔

اف میرے خدا دشمن کے بڑے آدمیوں کی پانی رات کے اندر میرے میں چھروں کی آؤش میں بیٹے کی طرف بڑھ رہے تھے، جذبہ شرق شہادت کا نہ تھا کہ دشمن کو کوئی بڑی تعداد میں دیکھ کر بھی ہم خوفزدہ نہ ہوئے اور برابر آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ کافی اوپر جا کر ہم رک گئے۔ نوید کو نہ جانے کیا سوچی کہ وہ یہ کہتے ہوئے مجھ سے کہتا تھا، سلیم، میرے دوست شاید تم کو اندھہ دل نہیں لہذا میرا کہا سنا معاف کر دیجئے چھائی! ہو نوید۔ انتشار اندھ بن گیا اب ہو کر اگلے کر نہیں گئے۔ میں نے اسے اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا اور خوف تو میرے فاصلے پر پڑھن میں لے کر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے بیٹے اندر میرے میں آنکھیں میچا کر دیکھا کہ اس نے ساتھیوں کا کچھ چل چل سکے مگر اندر میرے میں کچھ کہنے کی نہ دیا۔ ہم ساتھیوں روکے بیٹھے تھے۔ چاند دور ایک پہاڑی کی ادھ میں اس ڈھلوان کو گھور رہا تھا جہاں ٹھوڑی دور بعد موت کا فرض شروع ہونے والا تھا۔ دشمن بڑھ رہا تھا۔ پھر قاتل ہوا ہم چاندنی میں اس کی شکل و حرکت کو اپنا اچھی طرح سے دیکھ سکتے تھے۔

جب دشمن ہم سے صرف چند پڑے فاصلے پر رہ گیا

اے قوم کے شہید! تمہیں سلام

اے قوم کے شہید! تمہیں سلام
سکون زندگی میں پشت ڈال کر
رب کا ناکتہ کا حاضر ہوا مگر جان کر
مٹی پہ جا کر، رات حق کے محافظ
جنگ شہادت، مرد و زن، مکان و زمین کے محافظ
اے قوم کے شہید! تمہیں سلام
حق تعالیٰ سے شاداب پاک وطن کے فوجیوں
مقامی کے شاہنشاہ و مرزا کے حکمران
فخرت سے بلند کرنے والے شہید تھانوی
اتحادیت سے میدان میں جیت کے بازی
اے قوم کے شہید! تمہیں سلام

(حاجہ شہید، لاہور کا کاروبار)

تو میں نے نوید سے سرگوشی کے انداز میں کہا نوید! اللہ کا نام لو اور..... دوسرے میں نے ماحول برہنہ کوئی کی گولیوں کے خوفناک شہرے ٹوٹنے لگا اور دشمن بارش کے قطرہوں کی طرح گرنے لگا۔ دشمن اس غیر متوقع استقبال کے لیے تیار نہ تھا۔ ہوا بڑا تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی ساری ساری نوید کی کچھ چڑھائی ہوئی کہ ایک جگہ سے پیچھے ہو گیا۔ پھر ہم قدم بہ قدم اوپر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ چڑھائی ختم ہو گئی۔ نوید تو جی سی ہموار جگہ کے آخر پر چڑھائی ہوئی کہ جی سی اور اس عمووی چڑھائی کے دائیں ایک تنگ گھاٹی سے گزر کر آگے دشمن کا وہ مورچہ تھا جو چار روز سے ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس ٹھوڑی سی ہموار جگہ پر جانا گویا موت کے منہ میں جھانکے سے مزہ اوتھتا تھا۔ نوید تو جیسے آج اس مورچے کو توڑنے کی قسم کھائے بیٹھا تھا۔ وہ جاتا تھا کہ سامنے تنگ گھاٹی میں دشمن کے درختوں



حسین انجم انصاری

عورت خوشبو ہے، روشنی ہے، محبت ہے، وہ ہر ایک کے لیے
نرم و ملائم جذبہ ہے مگر اس کی اپنی زندگی ریشم کے
اس کپڑے کی مانند ہے جو دوسروں کے لیے
ریشم بنے بنے خود اپنے آپ کو نکال کر ڈالتا ہے۔

معاشرتی ناہمواریوں کی ترجمان ایک پُر اثر تعریف



سے گندھا ہے۔ تم اور کچھ کرو یا نہ کرو۔ انسانیت کی خدمت ضرور کرو گی۔ تم ہمیشہ دوسروں کو خود سے آگے دیکھو گے۔ ان کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دو گی۔
ریشم جبران حیران نہ ہوئی۔ وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو یہ سب کیسے پتہ چلا؟“

”یہ تو میری زندگی ہے۔ ایک لمبی عمر گزاری ہے اس میں ہزاروں لوگوں سے ملا ہوں۔ بے شمار انسانی رویے میری نظر سے گزرے ہیں لیکن میں تم جیسی شخصیات، اتنی پیاری عادتیں جس میں نہیں دیکھیں۔ میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں۔ سارہ کے متعلق بھی کبھی ایسا نہیں کہہ سکا۔ حالانکہ میں نے اس سے زندگی سے بڑھ کر پیار کیا تھا۔“

”دادا جان۔ ریشم ایک دم اداس ہو گئی۔ آپ سے ایک اچھا ہے۔ آپ ابھی کچھ دیر کے لیے سارہ چھوڑو۔
کا نام میرے سامنے نہ لیا کروں۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ریشم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔“

”کیوں بیٹا؟“

”ابا دل دیشاں ہو گئے۔ جب میں نے پہلی بار سارہ چھوڑ دیکھا تو مجھے یوں انہیں دیکھتے ہی ان سے محبت ہو گئی۔ ان کی حالت دیکھ کر مجھے روتا دینا آ گیا۔ اور دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ اتنے سارے سال جو میں نے اس دنیا میں گزارے کاش اس سال میں وہ بھی میرے ساتھ ہو جی تو میں اس سے بہت محبت کرتی۔ لیکن وہ کبھی دیکھتے ابھی دم کے لیے نہیں سے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ دروازے پر کھڑے ہو گئیں۔ اس لیے ان کے ذکر کے میرے دل کو بے پناہ تکلیف ہوتی ہے۔ میں برداشت ہی نہیں کر پاتی۔ وہ دیکھائیں گے کہ وہ لے گی۔ تو ابدال اور احمد بخود سے دیکھنے کو گئے۔ سکتا درد مند دل تھا اس کی بیٹی کا۔ وہ اتنی کا دادا ہونے پر انہیں فخر محسوس ہوا۔ وہ دیکھنے سے انہی ہفتیوں میں رگڑ کر آنسو صاف کیے اور ان دونوں کی طرف دیکھا۔

”سوری دادا جان۔ میں نے آپ کا دل دکھایا۔ مجھے معاف کر دیجئے گا۔“ کہہ کر وہ پچھلے سے کمرے سے نکل گئی۔ ابدال اور احمد میں سے کوئی اسے روکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ اپنے کمرے میں آنے کی بجائے لان میں آ گئی۔ اس کا دم ٹھٹھکا ہوا تھا۔ اسے کچھ یاد آئی کہ وہ جیڑتی تھی۔ ابھی اس نے سب سے ملنا ہی نہیں رکھا تھا کہ اسے باؤں کی آواز آئی۔ اس نے فوراً سے حیرت سے دیکھا کہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ خود اس آواز سے بھی تو حیران اور حیرت مندی نظر آ گئی۔ وہ اس وقت چھائی جاتی تھی اس لیے ان کے پاس جانے کی بجائے بڑے سے درخت کے تنے کے پاس کھاس پی بیٹھ گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی کھاس سکون بخش تھی۔

”بھاننا ایک بات تو ہم سے؟“

”کیا بات ہے بھائی۔“

”اچھا اور فہد نے رازی کے معانے کو پولیس تک لے جانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔“

ریشم باہم سننا تو نہیں جانتی لیکن تائی اور اسی کی گفتگو نے اس کے کان کڑے کر دیئے۔ اگر کوئی مسئلہ ہوا تو شاید وہ حل کر سکے۔ یہی سوچ کر وہ دوبارہ بیٹھ رہی۔ رونا عام حالات میں وہ وہاں سے اٹھ جاتی کیونکہ دوسروں کی باتیں اس طرح سناتا ہے اپنی کہیں کے خلاف لگتا تھا۔

”کبھی تشویش بھائی۔“

”تم پاپس والوں کو تو جانتی ہو۔ کبے کی کھال اتارتے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے ہمارے خاندان کی عزت پر کوئی آج نہ آئے۔ رازی کا نام تو ظاہر ہے سارہ کا ذکر ہو گا۔ پھر سارہ نے جو کیا وہ سچر عام پ آئے گا۔

اس نے جو کچھ بھی کیا ملایا کیا۔ جا چاہے اب نے اسے معاف کر دیا ہے۔ احمد اور فہد اس کے لیے غمزدہ ہیں۔ لیکن انہیں اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے بھی سوچنا چاہیے۔ سارہ کا نام اور اس نے جو کچھ بھی کیا پاپس میں آ گیا تو خاندان کی بدنامی ہو گی۔ ہم نے بھی چند سالوں میں بیٹیوں کے رشتے کرنے ہیں۔ کیا ان کے لیے مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔ رازی کو کھانا کرنے کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہے ہیں وہوں بھائی۔ بعد میں کچھ تانا نہ پڑ جائے۔ سارہ تو اب ہے نہیں پھر خواتین کو انہوں نے اپنے بچوں کے لیے مشکلات کھڑی کر رہے ہیں۔“

ریشم کے آنسو بے اعتدال گول پڑے۔ دل کو سخت تکلیف پہنچی۔ دنیا کتنی خود غرض ہے۔ اپنا مفاد دیکھتی ہے۔ اور رازی بھائی بھلا ان کا کیا قصور۔ انہیں اپنے مقصدوں میں کیوں چھوڑ دیا جائے۔ صرف اس لیے کہ کہیں ہم کوئی آج نہ آ جائے۔

”لوگ تو کچھ نہ سمجھتے تھے تو ہمیں کرنے کو کوئی سواہتار نہیں دیتے ہیں۔ پھر ان کی خاطر ہم اپنے پیاروں کو کیوں تکلیف میں رکھیں۔ سارہ بیٹی تھی جی۔ اس نے جو بھی کیا میں اسے جی نہیں کر پاتی۔ میرا دل اب بھی اس کے لیے تڑپتا ہے اور میں دل سے چاہتی ہوں کہ رازی کو کھانا کرنے میں کامیاب ہو جائیں ہم لوگ میں تو جب بھی اس کے بارے میں سوچتی ہوں۔ مجھے رونا آتا ہے۔ اس کے پاس کیا قصور۔ جانے وہ کوئی نہ کارو کنا ہوں کی سزا کاٹ رہا ہے۔ کہاں کہاں تک رہا ہے۔“

روحیہ تانی چپ رہ گئی۔ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ ریشم کو اپنی اہلی کی باتوں سے روحانی خوشی ملی تھی۔ اس کا دل ہلکا ہلکا ہو گیا۔ وہ پچھلے سے اتنی اور ابدار لگتی۔

☆☆☆☆

بریک کے وقت لائبریری میں بھی ایک مولیٰ کی کتاب مائے سولے شاؤنٹس بنانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ایک فائل اس کے سامنے پھینک کر مارت کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”یہ اس پورے ہفتے کے نوٹس ہیں جب تم یونیورسٹی نہیں آئیں۔“

”یہ آپ سے میرے لیے بنائے ہیں۔“ وہ ایک دم خوش ہوئی۔ چہرہ کھل اٹھا۔

”نہیں۔“ یہی راہ چلتی ہی انجان لڑکی پر دم آ گیا تھا تو اس کے لیے اپنی پوری دوا میں برباد کر دیں میں نے۔ مارت نے دیکھی ہے اس کے حیران چہرے کو کبھی۔

”بے وقوف لڑکی تمہارے ہی لیے بنائے ہیں۔ رونا میرے پاس فالٹو وقت ہے کیا؟“

”آپ کو میرے لیے نوٹس تیار کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔“ وہ عیدہاس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی۔

”نہیں۔“ وہ بھی اس انداز میں مسکرائی۔ ”تمہیں خوشی پہنچانے کے مختلف طریقے سوچنے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی کام نہیں۔ کیا کروں ہے کار بندہ ہوں۔ سوچا نہیں ہی کوئی فائدہ پہنچاؤں۔“

”کہاں جا رہے ہیں؟ وہ مکمل کر سکرائی۔ ساری عورتوں کی بات ہے آپ ایک دن مجھے انور کے دکھائیں۔“

”اوہو۔ بڑا زعم ہے خود پہ۔“ وہ دو بارہ ہنسنے لگا۔

”خود نہیں آپ؟“

اس کے جواب میں حارث کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ اس نے کچھ کہنے کو چھوڑا ہی نہ تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ان گنت چراغ روشن ہو گئے۔

”میں تمہیں اپنی اسی سے ملانا چاہتا ہوں شاہ۔“

وہ ایک دم کھلی ہوئی۔

”ملنا تو میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن ڈر لگتا ہے۔“

”کس بات سے؟“

”مہائے خراب کہنے سے۔“

”بے وقوف میں نے کہا تھا تمہیں بہادر بننا ہو گا۔ خود اعتمادی پیدا کر لی ہو گی۔“

”اتنا آسان کام نہیں ہے حارث۔“

”اتنا مشکل بھی نہیں۔“ وہ کچھ دیر جھگڑے خاموش رہی۔ پھر اسٹاپ کیا۔

”کیا کہہ کر میرا اعتماد ٹوٹ رہا ہے تمہارے ان کے ان سے۔“

”تمہیں ہے جا کر کہیں ان کے سامنے کھڑا کروں گا اور کہوں گا۔ اسی یہ شاہ ہے اور میری زندگی کی ہر خوشی بس اس کی ایک لڑکی سے بڑی ہے۔“

وہ ایک دم شرمائی۔

”اور اگر میں انہیں بچہ نہ آتی تو۔“

”یہ ہو نہیں سکتا۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہو گا جو تمہیں دیکھے اور پسند نہ کرے۔“

”ہر ایک کی اپنی اپنی عمر ہوتی ہے۔ آپ اپنی مخصوص نظر سے مجھے دیکھتے ہیں تو اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔“

”اور تمہیں صرف اسی نظر کی پروا ہوتی ہے۔“

”مجھے بھی صرف اسی نظر۔ اور اسی نظر کی پروا ہے۔ لیکن۔“ وہ چپ ہو گئی۔

”لیکن کیا۔؟“

”آپ مجھے نہیں جانتے۔ میرے حالات اور خاندان کو نہیں جانتے اس لیے ابھی یہ سب کہہ سکتے ہیں۔“

”تم مجھے ہر حال میں اچھی لگتی ہو نا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ کسی بات سے مجھے فرق نہیں پڑے گا۔“

”تو آپ سب جانتے بغیر کہہ رہے ہیں نا۔“ وہ اسردگی سے بولی۔ بعد میں آپ کے خیالات بدل گئے تو۔۔۔“

”آزما کر دیکھ لو۔“

”ڈرتی ہوں۔ اگر۔ اگر آپ نے آجکے پھر پھر تو۔ تو میں تو مری جاؤں گی۔“

”لیکن باتیں نہیں کرنا۔“ تمہیں پتہ ہے تم مجھے کتنی تکلیف دے رہی ہو۔“

”اور اپنی مٹلی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔؟“ وہ مگر ہمدردی سے بولی۔

”سوچ رہا ہوں اس بارے میں ہو جاؤں۔“ وہ مسکراہٹ بنا کر سیدھی کے بولا۔

”ہائے کیوں۔۔۔ لیکن باتیں تو نہ کریں۔“

”کیوں؟ اس لیے کہ ایک سال اور تمہارے ساتھ بچہ نہ ہو تو میں گزار سکوں۔“

”کتنا فاضل سوچتے ہیں بولی۔“ وہ منہ سے بولی۔ ایسا کرنے کا سوچنے بھی مت۔“

”اور یہ بھی بتا دو کیوں نہ سوچوں۔؟“ حارث کو اس کے منہ سے ہڑ آ رہا تھا۔

”ابھی بتا دیا تو میں کم ہو جائے گی جناب کی۔“ وہ شرارت سے بولی۔

”لیکن بھی کیا بات ہے۔“

”ہے نا کی بات۔ آپ فیل ہو کر بچہ نہ ہو تو میں میرے۔۔۔ اور اگر اسی عرصے میں میں کسی اپنی بیٹی شہزادہ کے ساتھ سونے جانی کے کسی میں مل سکیں وہی تو پھر کیا کریں گے آپ۔؟“ وہ وہچکی سے بولی تو حارث کے چہرے سے کسی ایک دم کاغذ ہو گئی۔ ایک ایک ماہ مارا گیا۔

”ایسا کر سکتی ہو تم۔؟“ وہ بخیر ہو گیا۔

”میں نہیں کبھی کبھار غریبی میں اس کو کر سکتی ہیں نا۔“ وہ ابھی تک شرارت پہ آمادہ تھی۔ آج حارث کو کھسکے کر کے میں ہڑ آ رہا تھا۔

”اور تم چپ چاپ رخصت ہو جاؤ گی۔؟“

”خارہ ہے۔ میں شری کی ایک ٹرام پر بڑھا رہی ہوں۔ اپنی اماں کے سامنے تو میں ویسے بھی کوئی بہن بن جائی ہوں۔“

”وہ کتنی دیر چپ بیٹھا رہا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔“

”وہ توں کوئی بات ہے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور تنہا ہی سے بولا۔“

”اور وہ چہ چہ بولی اور خود اعتمادی کے لیے چڑے سے کئی میں نہیں دیتے تھے ان کا کیا ہوا۔؟“

”کون سے سبب حارث۔؟“ وہ مصممیت سے بولی۔

”تو تمہیں یاد نہیں۔ اس کا اندازہ لگا رہا تھا۔“

”وہ کبھی حارث میں نہیں سے بہت دیا جاتا ہے کہ ابھی لوگوں کی باتوں پہ اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ بہک جاتے ہیں اس طرح۔“ وہ معنوی پھیرنے کی سے بولی۔

”تو اب میں ابھی ہو گیا ہوں۔“

”تو پہلے بھی ابھی ہی تھے۔“ اس کی معصومیت میں کوئی کی نہ آتی تھی۔

”پہلے کی بات اور کتنی نا۔“ وہ ذرا تیز لکھے میں بولا۔

”بات تو اب بھی اور ہے۔ اور آپ مجھے ڈالیں مت۔ ذرا نرمی سے بات کیجئے۔ میرا دل بہت ہلکا۔“

”نکھوں میں ٹوٹ سکتا ہے۔“

”اچھا پھر میں چلا ہوں۔ وہ جلدی سے اٹھ گیا۔ کیونکہ تھراڈ ٹوٹنا میں برداشت نہیں کر سکتا۔ چاہے سارا عرصہ تم سے بات نہ کروں۔“

کبھی میری شکل نہیں دیکھ سکیگی" وہ سخت الفاظ مکرزم لہجے میں بولا۔
شاہ نے حادثہ کا چہرہ دیکھا۔ تو اس کی حالت ایسی تھی کہ جیسے کانٹا تو بدن میں لپونٹیں۔ وہ گم سم ہو کر خود کو
تیار کرنے لگی۔

☆☆☆

چائے اور ٹیبلٹ نے کرسز شیرازی نے فکر مندی سے ڈاکٹر عدنان کی طرف دیکھا۔ چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔
نپیر پھر دوبارہ لیا تو تھوڑی لمبی ہوئی کہ تھوڑا سی کم تو ہوا تھا۔ سوپ تیار ہو گیا تھا۔ مگر سوپ پلانے کے لیے ان کا ہوش
میں آنا ضروری تھا..... سز شیرازی نے دوبارہ ماتھے پر پیشیاں رکھنا شروع کر دیں۔

درستہ اور گل خان لاؤ گے بیٹھے اپنی زبان میں تیر تیز باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے برطانیہ سے کمزوری
 طرف دیکھا۔ اسے یہاں آئے دیکھنے ہو چکے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو ہوش نہ آیا تھا۔ ابھی وہ کچا وفاقا کسی
 برٹش کی آمد پر تیل بجتی تو گل خان دوڑا اور باہر چلا اور ڈاکٹر صاحب کی بیماری کا کہنا کر اسے دروازے سے ہی لوٹا
 دیتا۔ وہ بے حد گرمزور اور برطانوی میں بڑا اگڑا کہان کی حالت دیکھ کر انہیں دلی تکلیف ہو رہی تھی۔ ان کا کس چہرہ
 تو بیل میں بنا سو ہے ان کی بیماری خود کشی میں اور انہیں سخت سہر کر رہی تھی لیکن ابھی ان میں انسان کے اعتبار میں
 ہوں تو پھر وہ خدا کی رحمت اور شفقت کا طالب کیوں ہو۔۔۔ عہد کی نماز کا وقت ہو تو انہوں نے واش و دم جا کر وضو
 کیا۔ گل خان سے جا بے ایمانی۔ اور اس کی سرے میں بچھا کر پورے دل سے نماز پڑھی آخر میں درود ملی اور
 پڑے شمع و منبر سے دعا مانگی۔ اسود عاقل کے ساتھ ہی بے اختیار کل آئے۔ نماز پڑھ کر گئے نماز
 کر کے گل خان اور ڈاکٹر صاحب کی طرف پہنچی تو وہ اسے دیکھ رہے تھے۔
 ”ارے“ اسے بول کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود کو بتا دیا۔ کیا ہو گیا تھا آپ
 کہ۔۔۔ میں کس قدر برطانوی ہوئی تھی۔“

”پانی..... ان کے بچڑی زدہ ہونٹوں سے پھٹل لگا تو وہ جلدی سے سرائیڈ فیشل پر رکے جب اور گھاس کی طرف بڑھیں۔

”اوہ میں بھی سچی ہے تو نف ہوں۔ مجھے تو آپ کو مانی دینا چاہیے۔“
گلاس بھر کر پاس لائی تو انہوں نے اٹھنا چاہا مگر کھڑے ہونے کی اجازت نہ دی۔
”میں خود سے اٹھ نہ پاؤں گا۔“ لیڈر کی خال کو بلانا دیکھتے ہوئے وہ تھکتے ہوئے بولے۔
”اوہ ہاں۔“ سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا۔“ دروازے کے پاس جا کر اس نے گل خان کو آواز دی زمین پر
”ارگ گل خان دونوں بھاگے آئے اور ڈاکٹر کو کوشش میں دیکھ کر خوش ہو گئے۔“
”صاحب جی۔ آپ کو بھوش آگیا۔ خدا تیرا شکر ہے۔ ہم بہت پریشان تھا اور بی بی جان ہم سے بھی
”مراؤ۔“

”اچھا اھر آؤ گل خانہ..... زرمینے تم بھی آؤ..... ڈاکٹر صاحب کو یہاں لگی ہے لیکن ان سے اٹھائیں جا رہا..... تم دونوں میری مدد کرو۔“

تبیوں نے مل کر انہیں تھوڑا سا اونچا کیا۔۔۔۔۔ پانی پلا کر دو بار دلا دیا۔۔۔۔۔
 "چلو زربینہ تم بخنی گرم کر کے لاؤ۔۔۔۔۔ اور تھے میں رکھ کر لاتا۔۔۔۔۔"

”میں خود زیادہ تکلیف میں ہوں.....“
 ”تم ابھی اور اسی وقت اس تکلیف کو ختم کر سکتی ہو.....“
 ”یا اس کی شدت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔“

"آزمائش شرط ہے۔" وہ پورے یقین سے بولا۔۔۔۔۔ "وہ چند" کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ صاف اور شفاف آنکھیں۔۔۔۔۔ بچی اور کھری آنکھیں محبت کی روشنی سے روشن جگمگ کرتی آنکھیں۔۔۔۔۔ چھر گھبرا کر نظریں پٹا لیں۔

”کیا ہوا.....؟“ حارث نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں تنگ آ گئی ہوں حارث.....“

”کس بات سے؟“

”امید اور ناامید کے فرق کیا ہے؟“

”تو اسے ختم کرنا بھی تو صرف تمہارے اختیار میں ہے۔“

”میں آپ کو کسی قیمت پر کھوٹا نہیں چاہتی۔“

”کسی بھی صورت میں تم مجھے نہیں کھو سکتیں۔“ عمارت سنجیدگی سے بولا۔ ہر دو صورت میں اس دل پر صرف تمہارا ہی قبضہ ہوگا۔ صرف تمہاری محبت ہوگی۔ تم مجھے نہ بھی ملیں گے، نہ بھی مل سکتے ہو۔ تم میری طرف سے ہو گے۔“

”یہ میرے لیے کافی ہے حارث میں مجھے صرف آپ
میں اس سے کم سے سمجھو یہ نہیں کر سکتی۔“

”تو کیا کرتا جیسا ہتی ہوں تم۔“

”نامم آئے کو ماؤں کی ماہر دعا میں نہیں رہوں گی۔“

”باپ دوست باب“ میں نہیں جانتا تھا تم اتنی شدت پسند ہو۔ ”یوں کھل ماحول کو بچا چھلکانے کے لیے اس نے ہنس کر کہا۔ لیکن وہ رونے لگی۔“

’میں مذاق نہیں کر رہی ہوں..... سنجیدہ ہوں.....‘

’پھر تو کہیں بھاگ جاتے ہیں۔۔۔ وہ جان بوجھ کر قبضہ مار کر بولا تو وہ ناراض ہو گئی۔

”یہاں میری جان پہنچی ہے اور آپ کو مذاق سوچو رہا ہے۔“

..... مجھ میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارے رونے سے مجھے اور تکلیف ہوتی ہے.....

اور جب میں مر جاؤں گی تو پھر.....؟“ وہ سر دلچے میں پولی۔

عادت نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ وہ پورے جلال سے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا
 ذوہ ہر اسال ہو گئی۔

”کہاں جا رہے ہیں.....؟“

”تم غور سے میری بات سنو۔ کل اسی وقت ہم اسی جیل رے میں آئے اور تم اپنی ساری کہانی اپنی تمام تر سچائیوں کے ساتھ مجھے بتادی ہو۔ اس جیل کو ختم ہونا چاہیے بلکہ کل کیوں۔ آج اور ابھی تم مجھے سب کچھ بتادی ہو۔ تم جہاں سے پاس انکوائری مینجنگس آئے اسے نہیں کہتے جہاں سے انکوائری صورت میں میں یہاں سے آیا ہوں گا اور پھر تم

”کچھ کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔“

”آپ بس خاموشی سے لیٹے رہیے۔ سبز شیرازی ڈیف کمر پولیس۔ خواہش ہو یا نہ ہو آپ کو اس کی ضرورت ہے۔ دیکھا نہیں ابھی آپ سے انھیں جاننا تھا۔ جتنی نہیں کھانے کے تو توانائی کہاں سے آئے گی۔ آپ کے ڈیوڑھیوں میں جتنیں آج دابھیں بیگیا گیا ہے انہیں آپ کی سخت ضرورت ہے۔“

”اوہ تو آپ مریضوں کی وجہ سے مجھ پر رعایت کر رہی ہیں۔“ وہ بہت مشکل سے آہستہ اور غمگین نظر کر رہی تھیں۔

”اگر آپ کے لیے یہاں مشکل ہے تو پلیز خاموش رہیے۔ اور مجھے واقعی مریضوں کا خیال ہے۔ آپ کو بھی اس وقت مریض ہیں۔ باقی داؤسے آپ کو ہوا کیا ہے۔ میں نے پٹیاں رکھنے کے علاوہ آپ کو پینا ڈول کھلا دی تھی۔ تاکہ ازم آپ ہوش میں تو آجائیں۔ پھر خود اپنے لیے دو بجوریز کر لیں گے۔ اب اگر آپ مجھے دو کاغذ بتا دیں تو میں تلاش کر کے لے آؤں؟“ ڈاکٹر نے فوراً انہیں دیکھا۔ حالانکہ انھیں کبھی رکنا مشکل ہو رہا تھا۔

”آپ کو فکر کرنے کی بجائے ضرورت نہیں میں خود ہی لوں گا۔“

”کیوں ضرورت نہیں۔ یہ میرا فرض ہے کہ کسی ایسی انسان کے کام آؤں۔ جب وہ مشکل سے گزر رہا ہو۔“

آپ اس وقت مشکل میں تھیں۔ اس لیے میں آپ کو ایسے سبب بتاؤں گی۔ جلدی تمہیں آپ کو کون کن دوا چاہیے۔

”میں نے کہا تھا۔ میں خود ہی۔“

”دو لیٹے ڈاکٹر صاحب۔ اگر آپ مجھ سے ناراض ہیں تو یہ ناراضی اس وقت تک فراموش کر دیجئے جب تک آپ صحت یاب نہیں ہو جاتے۔ اس طرح کی چیز کرنے سے نہ آپ کو فائدہ ہوگا نہ مجھے۔ کیونکہ آپ کی طبیعت سنبھلنے تک میں یہاں سے نہیں ہٹاؤں گی۔“

ڈاکٹر صاحب نے غصہ سے سر اٹھا انھیں بند کر لیں۔

”نہیں نہیں۔ سبز شیرازی کمر آگئیں۔ آپ دو بار دے ہوش نہیں ہو سکتے۔ کم از کم دوانی لیے بغیر تو بائبل نہیں۔ پلیز دوش میں آئیے۔ پلیز۔“ انہوں نے بے اختیار دیکھا انہیں جھجھوڑ ڈالا۔

”کیوں مجھے مارنے کا ارادہ ہے۔ ڈاکٹر! بڑے بچوں کی ساریوں کے درمیان ہی ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔ میں ابھی ہوش میں ہوں۔“ دو ایک دم غمزدہ ہو ہوئی اور آہستہ سے اپنے ہاتھ ان کے ہاتھوں سے نکال لیے۔

”زیرینے سوپ لے آئی تھی۔ گل خان اور ان دونوں نے مل کر انہیں کھانے کے سہارے بنایا۔ کل خان نے نیکھن ان کے گرد ان کے پاس بچایا۔ تو سبز شیرازی کرسی حثیت پر کپاں بیٹھ گئیں۔ اور سچے سے دھیرے دھیرے انہیں سوپ پلانے میں اس وفد بغیر کسی پس و پیش کے انہوں نے فرماں برداری کا بیٹو دیا۔ گل خان اور زیرینے کے سامنے وہ کچھ کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

”گل خان۔ سوپ ختم ہونے والا ہے۔ تم ڈاکٹر صاحب سے دوانی تو چھ کر انہیں لا دو۔“ مجبوراً ڈاکٹر کو بتانا پڑا۔ سوپ دینے کے بعد سبز شیرازی نے انہیں دوا کھلائی۔ اور درج ب کمر آگئیں۔

”دوا تو آپ نے کھائی۔ اب بتائیے آپ کو کیا ہوا ہے۔ کیوں بیمار ہو گئے۔؟“

”کچھ خاص بیمار نہیں۔ بس غنڈہ لگ گئی تھی۔“ وہ آہستہ سے بولے۔

”خاص بیمار نہیں۔ وہ حیران ہو گئیں جھوٹی دیر پہلے تک اپنی حالت دیکھتے تو اندازہ ہوتا آپ کو۔ بے ہوش بھی تھے اور پتہ نہیں کیا بیوڑا رہے تھے۔ اتنا تیر بھارتھا۔ میں نے پیشانی چھوئی تو اس قدر پری تھی مجھے ایسا لگا جیسے کوئی انکار ہو رہا ہو۔“

”آپ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔؟ بے اعتباری ان کے منہ سے نکل گیا۔

”ظاہر ہے رکھنا ہی پڑا۔ اچانک آپ کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ آپ ہوش میں نہیں تھے۔ سب سے پہلے آپ کی پیشانی چھو کر دیکھنے کا خیال ہی آیا۔“

”کاش اس وقت میں ہوش میں ہوتا۔“ وہ حسرت سے بولے تو سبز شیرازی نے بچوں کی طرف دیکھا۔

”ہوش میں ہوتے تو ایسا قدرتی نہ ہوتا جب۔۔۔ اور نہ ہی میں یہاں آتی۔“

”بھرتو آپ کو پلے جانا چاہیے اب۔“ وہ سب سے لہجہ میں بولے۔

”جانا تو ہے ہی۔ پہلے میں آپ کے لیے نرمی چھوڑی جا کر دلوں۔ آپ کو بہت ضرورت ہے اس کی۔“

”کوئی ضرورت نہیں اس میرانی کی۔ کچھ خان جاننا چاہتا تھا۔“

”دو بتائی دے گا۔ اس میں وہ کچھ کہاں ہوگا۔ جو میرے ہاتھ سے جی چھوڑی میں ہوگا۔“

”مجھے کچھ خان کے ہاتھ سے جی چھوڑی ہی ملاں آئے گی سبز شیرازی۔ پلیز۔ آپ زہمت کیجئے۔ یہ خاکسار تو اپنی عادتیں بگاڑنے کا شعل ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی خوش فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے پلیز آپ جتنی جلدی ہو سکتی یہاں سے تشریف لے جائیے۔ آپ جتنی رعایت کیجئے۔ پھر کبھی میں اس کا بوجھ اٹھانا ہی ہرے لیے مشکل ہے۔“

”میں نے کہا تھا مارا جی کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیے۔ اس وقت آپ کو میری ضرورت ہے۔“

”مجھے ہمیشہ آپ کی ضرورت رہی ہے۔ جب میں پہلے عزم رہا ہوں تو اب بھی وہ کچھ ہوں۔ وہ جتنی سے بولے۔ آپ کی یہاں موجودگی کو آرام کی بجائے میرے لیے اذیت کا باعث ہے۔ اور میں کو زیادہ اذیت میں رکھنا غلط ہے۔ مجھے امید ہے آپ مجھ سے یہ غلط فہمی کریں گی۔“ وہ سب سے اندر سے ہوش میں بولے تو سبز شیرازی کا چہرہ ایک دم پیک پڑ گیا۔ انہوں میں اذیت کے آثار نمودار ہو گئے۔ انہوں نے حکایتی انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور جھجھکی سے بولیں۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔ جیسی آپ کی خواہش۔“

ڈاکٹر ندان کو دل ہی دل میں نفوس ہوا۔ تکلیف میں رہے۔ اور اس کے بارے میں سوچا۔

”میں زہرینے کو نہیں چھوڑ جاتی ہوں۔ گل خان اکیلا آپ کو سنبھال نہیں سکتا۔ میں قدرت خواہی ہوں اور غمزدہ بھی کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے گھر آئی۔ بس آپ کی بیماری کا جان کر بے اعتبار ہو گئی تھی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ نیکی آواز میں بولیں تو ڈاکٹر کو خوب سے طرح غصہ آنے لگا۔ لیکن لیکن ٹھیک ہے۔

”آپ زہرینے کو ساتھ لے جائیں۔ اس کا یہاں رکنا مناسب نہیں ہوگا۔ اس طرح جس طرح آپ کا یہاں آنا مناسب نہ تھا۔

”بس کیجئے پلیز وہ بے اعتبار چچا بھی۔ اتنا ذلیل مت کیجئے کہ میں اپنی نظروں میں گر جائوں۔ کہا۔ آئندہ ایسا

نہیں ہوگا۔ وہ فوراً دروازے سے باہر نکل آئی کہ زمینے کا دواڑ اور تھوڑی سی دیر بعد وہ اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ زمینے کے سامنے اپنے آؤسبویہ مشکل سے کنٹرول کر رہی تھی۔ سارے جسم میں احساسِ قہر تین سے گزرتی جا رہا تھا۔

”تو کیسی گھڑی تھی؟“

”جی ہاں۔ ہاتھ تھکا رہا تھا۔“

”آپ کو پتہ ہے؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“ وہ جتنی سے بولی۔
 ”لکھا ہے۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر صاحبہ کی روزی سے بہت محبت کرتے تھے۔
 ”زمینے غنصول بائیں مروت اور خاموشی سے چلو۔“ انہوں نے سخت لمبے لمبے کہا تو زمینے نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

☆ ☆ ☆ ☆

ریشم کتاب کھول کر ابدال کے ہر پتے پر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”واہا جان! آج میں آپ کو یہ کتاب پڑھاؤں گا“

”کونسی کتاب ہے یہ؟“

ریشم نے کتاب ان کے ہاتھ میں دے دی۔ اسے دیکھتے ہی وہ چیخے ہو گئے۔

”کیا واہا جان!؟“ ”وہ فوراً اُٹھ پڑ گئی۔

”یہ سارے کو بہت چہنچہ“

”اُٹھا؟ ریشم کی آنکھیں جھجھکے لگیں۔ اس کا مطلب ہے ہماری پسند بھی ایک ہے۔“

”ہاں جیسا۔ کچھ چیزیں اس میں تو بے تحاشہ بات لگتی ہے۔“

”واہا جان! آپ کو ایک بات بتاؤں۔ ریشم پیار سے بولی۔

”تاؤ میری جان۔ وہ شفقت سے بولے۔

”میں جانتی ہوں۔ میں بالکل سارے جیسے ہی طرح ہوتی۔

”خدا نہ! ریشم نے افسار پھیل آئیں۔ ایسی خیر خواہی کی نہ کرنا۔ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ ان کے

میں سے اذیت تھی۔

”سانرو کے بارے میں پھر کبھی باتیں کرنا..... آمند جلدی سے یولیس۔ آج تو آپ دادا جان کو کتاب پڑھ کر
 سنا چاہتی ہوئیں.....“

”ہاں اور ای جان یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ بس میری دعا ہے کہ رازی بھائی مل جائیں اور دادا جان کو اسے دیکھ کر سارے چھپکری زیادہ نہ آ کرے۔ اللہ کرے کہ رازی بھائی باکل سارے چھپکری طرح ہوں۔ ان کے جیسی عادتیں ہوں۔ تاکہ دادا جان اس کی شکل میں سارے چھپکری پالیں۔“

بیابا یہ دعائیں مانگتے۔ آئندہ بدیدہ ہو گئیں۔ بس یہ دعا کرو رازی کی عادتیں بہت اچھی ہوں۔ تاکہ دادا جان اور مجھے اسی سکون ملے۔“

”آپ نے ایسا کیوں کہا دادا جان۔؟“ ریشم کینڈوڑ ہو گئی۔ کیا سارے چھپکری عادتیں اچھی نہیں تھیں جو مجھے یہ دعائیں مانگنی چاہیے۔“

”یہ بات نہیں ہے بیٹا۔ آؤ کو کچھ نہیں آؤں گی اسے کے مطمئن کریں۔ میں صرف اس لیے کہہ رہی تھی۔ وہ چھوڑ کر خاموش ہو گئیں۔“

”تمہاری دواؤں جان کا مطلب ہے یہ ہے بیٹا۔ دلہا جان فوراً ہو کے گھر سے ہمیشہ اچھے کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ وہ بڑھ چکے ہیں وہ یہاں سے۔ لیکن دلہا جان کو یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے انسان کے لیے کیا اچھا ہے۔ بعض اوقات ہم کسی چیز کو ماننے کے لیے اچھا سمجھتے ہیں لیکن دلہا جان کو یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے لیے اچھا ہے۔ اس طرح کسی بات کو ماننے کے لیے برا سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ ہمیں وہ ہمارے لیے اچھی ہو سکی ہے۔ اس لیے راز کے لیے صرف یہ دعا مانگو کہ وہ گھر چائے اور اس کی دعا مانگی اچھی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس کی عادتیں کسی خاص انسان جیسی ہوں۔“

”لیکن دادا جان! کچھ تو اچھی سمجھاؤ۔ آپ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔“

”ہاں بیٹا۔ میں نے دادا جی سے زیادہ اس سے محبت کی ہے۔“

”تو بس ٹھیک ہے۔ مجھے ایمان ہو گیا۔ جس نے آپ نے ساری دنیا سے زیادہ محبت کی ہو وہ اچھی ہی ہو گئی ہیں۔ بس وہ کبھی بھی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میں نے آپ کو ایسا نگر دیکھا ہے تو مجھے ان سے دل سے محبت ہو گئی تھی اور مجھے یقین ہے مجھے راز ہی بتائی ہے کہ اسی ہی محبت ہو۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ خدا میری چچی کی زبان مبارک کرے۔“ دادا جان دیکھ کر دل سے بولے۔ دادی جان نے بھی سکون کا سانس لیا۔ ان کی سائز بھی کبھی آپ جی ہمارے کرنے کے بعد اس کی شخصیت کے نیچے اوپر سے جا گئی یا اس کی برائیاں بیان کی جا رہی ہیں۔ وہ کیسے گوارا کرتیں۔ آخر کو وہ ان کی بیٹی تھی۔ اسے لاکھ ڈاکھ تھی جسے مگر صرف اس کی بھلائی کے لیے۔ لیکن محبت تو بہت کرتی تھیں اس سے۔

[illegible]

ہوا۔ کھڑے ہو کر بھی ایک لمحہ کو اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ایک دم سے مڑا اور لائبریری کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ شاہ نے حیرت سے جب تک پہنچی آنکھوں سے اس کا تعاقب کیا جب تک وہ نظروں سے غائب نہ ہو گیا اور پھر پھر کے بت کی طرح ساجی مکتبی روٹی گئی۔

”حادثہ ہے کچھ کہہ کیوں نہیں؟“

اسے ٹہلی کے دو پول دی نہ کہہ سکا۔

کیا اس سے نفرت ہو گئی ہے؟

کیا وہ محبت جس کا وہ ہمیشہ سے دشمنی کرتا تھا۔ کسی تنگ کی مانند اس کے حالات کی آنکھوں میں یہ گئی۔

کیا ہمارا ساتھ صرف یہی تک تھا۔ جہاں کا وقت آ گیا۔ سوال بڑا ہر اس تھے جواب ابھی تک نہ تھا کیا ک

اس کا دل دوہنے لگا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا۔ اسے اس وقت اور گرد کا کوئی احساس نہ تھا کوئی

دیکھ رہا ہے کہ کیا سوچ رہا ہے اسے کوئی پروا نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی ہلاکت ہار گئی تھی۔ اسے صرف

یہی تھا تھا۔

کتنے کھٹے وہ یہاں ایسے بھی رہی اسے احساس نہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کی ٹانگیں شل ہو گئیں۔ دماغ نافذ

ہوئے لگا۔ اب اسے احساس تھا۔ ہر احساس سے عاری ہو کر وہ ابھی۔ آگ آگ کا ک دریا پار کر کے گھر

پہنچی۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ وہ کیسے پہنچی۔ لیکن آخر کار وہ پہنچی۔ اپنی لاؤنج تک آگئی تھی کہ لال

کی کوک دار دار آواز آئی اسے کارے کا شے کے بعد ہی ان کی آواز کی ٹوک اسے صراحت قائم تھی۔

”کدھر سے آ رہی ہو جاتی دیر ہے؟“

اس نے ہنسے ناسی نہ ہو۔ اس کے قدم سے لگائی انداز میں اسے کمرے کی طرف بارہ تھے۔ امیر بیگم نے

حیرت سے اسے دیکھا۔

”کیا بہری ہو گئی ہے؟“ میری آواز سنائی نہیں دئی۔ وہ غصے سے دھواڑی تھیں۔

مگر شاہ نے لاؤنج پر کیا کیا اپنے کمرے میں گئی۔ دروازہ ہلاک کیا اور یہاں ہو کر بیٹھ پڑ گئی۔ سارا رستہ جو

آنسو بہتے آئے تھے وہ یہاں تک ہوئے تھے آنکھوں میں آئے تھے۔ ہر احساس سے عاری وہ ہے جس وحشت

پڑی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ زور زور سے بجنا شروع ہو گیا۔ اس نے اسے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر زور سے سر کو ہلایا۔

”تہماری جرات کیسے ہو گئی تھی یہاں نظر انداز کرنے کی۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ تمہارا دماغ درست نہ کیا تو میرا نام

امیر بیگم نہیں۔ تم نے زیادہ دیر پڑنے کے لئے شروع کر دی ہے۔ تمہارے پرانے سے کاٹ دوں تو اچھا ہے۔

”جلی جائیں یہاں سے۔ دو اوبے پیچھے ہٹو۔ یہاں کی پوری حالات استعمال کر کے بڑی بڑی انداز میں بولی۔

آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔ میری زندگی بڑا کر دی آپ نے۔

اور بھائی کی جان لے لی آپ نے آپ نے اجنبی خود غرض عورت ہیں۔ چلی جائیں۔ چلی جائیں۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے لگی۔ امیر بیگم نے عالیہ کی طرف دیکھا تو امیر بیگم کی ہلڈ آواز سن کر وہیں آگئی تھی۔

”اسے کیا ہوا؟“ عالیہ فکر مند سی ہوئی۔

”نرم بریک رہا ہے اس کا۔ جو اس سے ایسے بے خبری سے بات کرتی ہے۔ اس کی زبان نہ سمجھتی تو میرا ہاتھ ام

بیم نہیں ہے۔“

”خال مند کی قد شاہی ہے کہ اس وقت اسے تھما چھڑ دیا جائے۔ آپ چلیں اور تھت یہ نہیں چاہ

کر۔۔۔ ریشکس کریں۔۔۔ ہاں ہاں کرنا نہیں۔ اس وقت وہ غصے میں ہے جب اس کا قصہ ٹھنڈ ہوگا تو پھر خود ہی

بارہ آ جائے گی پھر اس سے جو پچھتا ہوا ہو پچھ لینا۔“

امیر بیگم کو کچھ میں کچھ آیا یا نہیں۔ لیکن اسے ہماری مجرم وجود کے ساتھ وہ ایک ادھ منٹ وہاں کھڑی نہیں رو

کتی تھیں۔ خود کو کھینچتے ہوئی تخت تک لائیں اور بیٹھ گئیں۔

عالیہ نے چندے سے کچھ سوچا۔ لیکن میں جا کر جائے بنائی۔ ساتھ میں ایک سینڈو جی تیار کیا اور رے میں رکھ کر

اُدھر آ گئیں۔ امیر بیگم کے طور پر لینے سے برے لگا شروع ہو گئے تھے۔ ایتھے تو پہلے ہی نہیں کھتے تھے۔ لیکن اپنے

فائدے کے لیے ان کا ساتھ دیتی رہی تھیں۔ لیکن جب سے عالم کی اندھا پنک موت واقع ہوئی تھی۔ وہ ہنر بدل گئی

تھیں۔ لیکن کبھی سمجھا نہ شروع کر دیا تھا۔ کہ ان کے زندگی کے بارے میں نظریات نے پلٹا تھا تھا۔ وہ لکھی کو ابھی

تربیت دینا چاہتی تھیں۔ اور شاہ نے بھی ہمدردی ہوئی تھی۔

عالیہ نے آہستہ سے دروازہ ہلاک کیا اور کھڑکی آواز میں بولی۔

”شاہ یہ میں ہوں عالیہ۔۔۔ میڈیکل دروازہ کھولو۔۔۔ اماں یہاں سے چلی گئی ہیں اور میں تم سے بات کرتا چاہتی

ہوں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ کیوں کھولیں دروازہ۔۔۔ یہی آپ کی کوئی چال ہے۔ آپ پوری طرح لالہ کی سائیڈ پہ ہیں۔۔۔

ان ہی کے کنبے میں شامل ہیں۔ میں آپ پہ بھروسہ کر کے کرتی ہوں۔“ اس کی روٹی روٹی آواز عالیہ کو دھکی کر

گئی۔

”پہلے بات اور تھی شاہ۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ عالم کے واقعے کے بعد میں وہ عالیہ نہیں رہی۔ میں

تمہارے ساتھ ہوں اور کبھی تمہارا ساتھ دوں گی۔ میڈیکل دروازہ کھولو۔“

”عالیہ باقی بات اگر کچھ بھی کہہ رہی ہوں تو اس وقت میں کسی کا سامنا کرنا تو دور کی بات ہے میں کسی سے

بات بھی نہیں کرتا چاہتی۔ کسی کو لکھا بھی نہیں چاہتی۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن میڈیکل صرف وہ وقت کے لیے دروازہ کھول دو۔“

جائے کیا سوچ کر اس نے ڈسٹے ڈسٹے دروازہ کھولا۔ اور باہر نکال کر ادھر ادھر دیکھا پھر انہیں اندر آنے

دیا۔

عالیہ نے فرسے سائیڈ ٹیبل پہ کبھی اور بڑے پیار سے اس کا چہرہ دووں ہاتھ میں تھام لیا۔

”میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ لیکن تمہاری عقل سے یوں لگ رہا ہے کہ تم کبھی کچھ بار

کر آئی ہو۔ جتنا رو رہا ہے رولو۔ جتنے آنسو بہا ہے یہاں ہوا۔ لیکن پیڑ میری خاطر یہ سینڈو جی کھا اور چائے

پنلا۔ خالی پیٹ تو تم کتنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ شاہ نے حیرت سے عالیہ کی طرف دیکھا۔

”میں چاہوں بھی تو کچھ نہیں کھا سکتی عالیہ بائی۔ میرے بچے سے تو لکھیں اڑے گا۔“

”میں جانتی ہوں۔ لیکن میری خاطر کوشش کر کے دیکھو۔ مجھے سے تمہاری یہ بات دیکھی نہیں جاری

پیڑ۔ میری خاطر یا پھر اس کی خاطر جس سے تم اس وقت سخت ناراض ہو۔ تمہیں اس کی قسم۔“

"تم لیا آپ نے۔ وہ ایسے کسی سے نہیں ملے صاب۔"
 "تو تم تو نہیں لیا۔ لیکن مجھے ابھی اور اسی وقت ان سے ملنا ہے۔ ان سے کہہ دو جا کر۔"
 "یہ اپنا زبردستی ہے۔"
 "اگر تم ان سے نہیں کہو گے تو میں زبردستی اندر چلا جاؤں گا جاے تم اپنی یہ بندوبست استعمال کرو۔"
 "عجب آدی ہو۔" چونکہ اس نے عجب نظروں سے اسے دیکھا اور اس کا کام پتہ کرنا تھا۔
 "صاب یہ عمارت نام کا لڑکا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اور زبردستی کر رہا ہے۔ عمارت نے چونکہ اس کو پرے
 کیا اور خود ہی بولنے لگا۔

"قائم صاحب میرا آپ سے ابھی اور اسی وقت ملنا بہت ضروری ہے۔ اور میں انکار نہیں سٹوں گا۔ بہتر
 یہی ہے آپ مجھے اندر بلا لیں۔" اس کے کہنے میں جبکہ ایسا تھا کہ انہوں نے اسے اندر بلا لیا۔ اور کچھ دیر بعد وہ
 ڈرائنگ روم میں صوفے پر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ قائم نے کچھ لمبے دیر سے انتظار سے اسے دیکھا اور رگڑت
 سے بولے۔
 "جلدی سے جو کچھ وہ کہہ دو۔ میرے پاس کیا بددلت نہیں ہے؟"
 "وقت تو آپ کو کتنا ہو گا قائم صاحب۔ اور آپ کے پاس وقت ہے یا نہیں میں یہ بھی اچھی طرح جانتا
 ہوں۔"

"کون ہو تم۔ اور ایسے بات کیوں کر رہے ہو۔" قائم نے قہقہے سے بولے۔
 "میرا نام عمارت ہے۔ میں مل کلاس لینی سے تعلق رکھتا ہوں۔"
 "تو تمہیں جاب چاہیے؟" وہ کھڑے یہ انداز میں بولے۔
 "جن کا کوئی بیک گراؤڈ ایسا ہو جیسا کہ آپ کا ہے۔ وہ ایسے لمبے میں منتقل نہیں کیا کرتے قائم
 صاحب۔ میں آپ کی طرح انہی نہیں کہیں ہوں لیکن آپ کی طرح میرے دینے کا انداز بھی اور کامروا ہونے میں نہیں
 ہے۔ میں جو بھی کروں گا اپنے ذہن بازوں کے مل بوتھے پر کروں گا۔"
 قائم صاحب ایک دم کمرے ہو گئے پھر سرخ ہو گیا۔
 "تم میرے ہی گھر میں بیٹھ کر میرے ساتھ ان کی گفتگو کرو۔ تمہیں اندازہ ہے اس بات کا۔ ابھی اور اسی
 وقت احوال۔"

"تو کیا واقعی یہ گھر آپ کا ہے؟" عمارت نے ان کی بات کا۔
 "تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" ان کے چہرے کا رنگ بدلا۔
 "صاف ظاہر ہے یہ گھر آپ کا نہیں آپ کی بیوی کا ہے۔ اور اسے آپ نے اپنی محنت سے پیسوں سے نہیں
 بنایا بلکہ آپ کے سرے اپنی بیوی کے لیے اس کے نام پر خریدا ہے۔"
 "یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ قائم صاحب ایک دم غصہ ناک ہو گئے۔"
 "وہ میری قائم صاحب۔ عمارت سکون سے بولا۔ سب سے پہلے تو میں آپ کے بھائی کی امداد ناک
 موت پہ آپ سے تقویت کرتا چاہوں گا۔ لیکن انیسویں کے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اس کی موت سے بھی کوئی سبق
 نہیں سیکھا۔"

ثناء نے چونک کر اسے دیکھا۔
 "آپ کو کیسے پتہ؟"
 "تم نے سنی ہی ہوں۔ دنیا دیکھی ہے میں نے۔ تم تو بہت معصوم ہو مگر میں بہت تجربہ کار ہوں۔"
 عمارت بہت سے سرکاری۔
 "آپ نے کسی کی قسم دے دی عالیہ بانی۔ کہ اس سے ٹاپوٹوں کے باوجود میں اس قسم کو نظر انداز نہیں کر
 سکتی۔ اس قسم کا مان نہیں ہوتا کسی۔"
 "چھاپھر پاس رکھو اس قسم کا۔" ثناء نے چند لمبے کچھ سوچا اور پھر کئی نظروں سے اسے اس طرف دیکھا۔
 "آپ نے امان کے لینے سے بیٹھ دو دج اور چاہے میں کچھ ملایا تو نہیں۔"
 "کیا مطلب؟" عالیہ حیران ہوئی۔
 "میرا مطلب ہے کوئی بے ہوش کرنے والی دوا یا اس قسم کی کوئی چیز۔"
 عالیہ دم بخوردہ کی۔ کچھ دیر کے بعد وہ کہنے لگی۔
 "قتلہ رانی تو نہیں ثناء۔ تمہیں میں یہ سوال پوچھتا ہوں کہ اس قسم کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن
 ایسا نہیں ہے۔ مجھے کئی قسم۔"
 "ٹھیک آپ صاحب۔ میں کھالوں کی۔"
 "پراس۔ او۔"
 "پراس۔"
 عالیہ جانے لگی تو اس نے بے اختیار ہکا بکا۔ "عالیہ بانی۔"
 "ہوں۔" وہ رکت گئی۔
 "شر۔" آپ واقعی میری ہی نہیں جیسا میں سمجھتی تھی۔ عالیہ ایک سکھات کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ تو
 اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ لاک کر لیا۔

عمارت نے ایک خوبصورت گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا جائزہ لیا اور پھر تیلر پہ ہاتھ رکھ دیا۔ چونکہ فوراً
 باہر آ گیا۔
 "کیا بات ہے صاب؟" وہ سوچوں کو تازہ دیتا ہوا بولا۔
 "یہ قائم صاحب کا گھر ہے؟"
 ہاں ہے تو۔ لیکن تم کیوں پوچھتا ہے؟
 "قائم صاحب کھرے ہیں۔" عمارت نے سوال تازہ انداز کر دیا۔
 "کی صاب ابھی ابھی کام سے واپس آیا ہے۔"
 "کام۔" عمارت حیران ہوا۔ صاحب کام کرتے ہیں۔
 "تو کیوں نہیں کریں گے۔ ہر شریف آدمی کام کرتا ہے۔"
 "مجھے ان سے ملنا ہے۔"

قربانی کے آداب اور سنت محمد ﷺ

تمام احکام اللہ جو قرآن مجید میں قربانی کے ذیل میں بیان ہوئے ہیں ان میں بنیادی اہمیت عمل قربانی میں ہے۔ جو توفیق اور حسن نیت کا حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس بارے میں جو سنت اختیار فرمائی ہے اس کے مطابق قربانی کا عمل اس وقت تک توفیقِ کلوب کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک قربانی کو اپنے ہاتھ سے نہ کیا جائے۔ اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کرنے سے خون گرانے کا عمل جو قربانی کی روح ہے پورا ہو سکے۔ اس لئے حضور ﷺ کی سنت مبارکہ کی رسی کہ جانور کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے اور یہ آپ کا زندگی بھر معمول رہا۔ آپ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اسے جانور کو کوئی سی تکلیف بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ لیکن قربانی ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قربانی کا بکرا منگوا یا اور مجھے فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) چمکی لے آئیں۔ آپ ﷺ نے چمکی کو دیکھ کر فرمایا کہ اسے چتر پر پر ابھی طرح تیز کر کے لے آئے۔ میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں ایسے ہی کیا تو آپ ﷺ نے اس چمکی سے قربانی کا جانور ذبح فرمایا۔ حضور ﷺ کے اس عمل میں قصاوں اور دیگر قربانی کرنے والوں کے لئے انتہاء ہے کہ وہ قربانی کے جانور کو تیز چمکی سے ذبح کریں تاکہ اسے جتنی اہل تشدد و کم سے کم تکلیف ہو۔ اسلام اتنی رحمت والا دین ہے کہ وہ جان و نفع وقت جانوروں کی اتنی ہی تکلیف بھی کو نہیں کرتا۔ اسے یہ بک گوارا ہوگا کہ وہ انسان کے قصاوں انسانوں کا نفع مل برداشت کرے اور زندہ انسانوں کے جان و مال اور عزت نفس کو بے درشتی سے تلف نہ ہوتا دیکھ سکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ قربانی بیان کرتے ہوئے لکھی ہیں کہ آپ نے قربانی کا جانور خود زمین پر گرایا اور اسے قبلہ رو کر کے چمکی سے ذبح کیا تاکہ جب اس کا خون نکلے تو خون کی دھار کا رخ جانب قبلہ ہو۔ حضور ﷺ نے اسے اقامتِ مبارک جانور کے پہلو پر دکھا اور ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور یہ کلمات ادا فرمائے۔

"اے اللہ قبول کر (محمد ﷺ) کی طرف سے، آل محمد (ﷺ) کی طرف سے، امت محمدی (ﷺ) کی طرف سے پھر آپ نے قربانی کی۔"

اس پر محدثین کرام اور فقہان دین کا کہنا ہے کہ اس طرح حضور ﷺ نے اپنی پہلی امت کو قربانی کے ثواب میں شامل کر لیا۔ آپ ﷺ وہ سربراہ امت ہیں کہ قربانی کے دائرے میں بھی جاتے ہیں کہ ان کے سارے امتی شریک ہو جائیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں ذبح کرتے وقت آپ سے یہ الفاظ منسوب فرمائے گئے ہیں۔

"یہ میری طرف سے، میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا یا ربی تعالیٰ یہ قربانی میری طرف سے ہے اور یہ قربانی میرے ان امتیوں کی طرف سے ہے جو افاضات کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے۔ ہمیں بھی قربانی کی وقت کی کریم ﷺ کو اس میں شریک کرنا چاہئے اور یہ عبادت کا ثفا بھی ہے۔ (انتخاب: سعید اکبر لاہور)

"تم کیسے جانتے ہو یہ سب؟" عالم کے ذکر پہ وہ دھکی ہو گئے اور غصہ ہل گئے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" عالم نے کہا۔ آپ ایک مرد ہیں اور مرد کو مردانگی ہی ذبح دینی ہے۔ خدا تعالیٰ کی مرد کو مرد کی ذمہ داری سونپی ہے۔ عورت کی ضروریات پوری کرنا اس کے شوہر کا فرض ہے۔ لیکن آپ کے گھر میں تو ہمیشہ سے اپنی لنگ بھتی آئی ہے اور کسی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں رہا۔ عالم کی موت نے کسی حد تک تو آپ کو بلایا ہوگا؟

وہ خاموش بیٹھے تھے۔ جیسے کچھ کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔

"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے گھر میں جو اصول و قوانین رائج تھے وہ غلط تھے۔ اگر آپ کو ان باتوں کی سمجھ آگئی ہے۔ اگر آپ اپنی اماں کی غلط باتوں سے ان کے سامنے دباور بن کر کھڑے ہو سکتے ہیں تو میری بات ضرور سمجھیں گے۔ میرا ساتھ ضرور دیں گے۔" قائم خاموشی سے کچھ دیر غور سے اسے دیکھتے رہے۔

"وہ سب ٹھیک ہے تو بھان کہ عالم کی بے وقت موت نے ہمارے خیالات کو پلٹ کر دکھ دیا ہے۔ اب ہم دیکھیں سوچتے۔ یاد دہرے۔ عقلیں تیز ہوں۔" طبعی نفس رہے۔ ہم نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن ہم اب بھی تمہاری آمد کا مطالبہ نہیں کرتے۔

"اگر آپ اپنے خاندان سے اسے لافلت نہ رہے۔ اور صرف چوٹی کے خاندان کو اپنا خاندان نہ سمجھتے تو شاید آپ کو میری بات سمجھ میں آجاتی۔"

"پلیز صاف بات کرنا۔" وہ ناگوار سی ہوئے۔

"خیرت ہے۔ آپ اب بھی نہیں سمجھتے۔ کیا آپ نے اپنے بہن بھائیوں کے پرالم کو سمجھا ہے یا کبھی سوچا بھی ہے اس کے بارے میں؟"

وہ حیران ہوئے انہوں نے چندے سے سوچا۔ اور پھر صراحت کی طرف دیکھا۔

"میرے گھر میں تو اب عالی ایلی ایلی اور شاہ کے سوا کوئی بھی نہیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوں؟" وہ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔ چالنے کیوں لگیوڑ تھے۔

"خیرت ہے، آپ کی انگریزی اچھی ہے۔ آپ ترواح سے جانتے ہوں گے وہ سب سے الگ طبیعت کی مالک ہے۔ وہ آج کل اذیت کا شکار ہے اس کے بارے میں اس کے دکھ کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے۔"

"تم کیا کہتے جانتے ہو؟" اس کے اعصاب ایک دم تن گئے۔

آپ غیر ضروری اور غلط سوال کیوں کرتے ہیں قائم صاحب۔ آپ بتائیے۔

"کیا آپ اپنی بہن کو جانتے ہیں؟"

"کیسا بدو سوال ہے۔ ظاہر ہے جانتا ہوں۔ میری بہن ہے وہ۔"

پھر تو آپ کو پتہ ہوگا وہ آج کل بھی اذیت کا شکار ہے؟

قائم نے حیران ہو کر دیکھا۔

"نہیں جانتے؟" کیسے بھائی ہیں آپ؟ "بھی گھر گئے آپ۔" بھی اس کے پاس دو گھر بیٹھے بھی

اس سے پچھا کر اسے کوئی مسئلہ تو درجین نہیں۔ اسے کچھ چاہیے تو نہیں۔
 "اسے کیا چاہیے ہوگا۔ جو خواہش وہ کرتی ہے پوری ہو جاتی ہے۔ جس چیز کے لیے کتنی ہے حاضر کر دی جاتی ہے۔ روپے پیسے کی تو نہیں اداں کو۔"

"کیا روپے پیسے سے آگے کچھ نہیں سوچ سکتے آپ۔ حادثہ کئی سے ہوا۔
 "اس کے علاوہ بھی انسان کو کچھ چاہیے ہوتا ہے۔"

"اور کیا چاہیے اسے؟ کیا بات کر رہے ہیں۔" اب قاسم کو فضا آنا شروع ہوا۔
 "میں ہر بات آپ کو میں ہی بتاؤں۔ عبادت میری بھی کوئی چیز ہے۔ بلکہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ کبھی

اس بارے میں سوچا کہ اس گھر میں کون ہے جو اس سے پیار کرتا ہے۔ پیار کرنا تو درکنار۔ اس کا سودا کرنا جانتی ہیں آپ کی اماں اور آپ سے خیر پوچھتے ہیں۔ کیسے بھائی ہیں آپ۔ یا بھریں یہ سمجھوں کہ آپ کو اپنی اکلوتی بہن سے محبت ہی نہیں۔ پرواہ نہیں اس کی اور آپ کی اماں اس کے ساتھ جو بھی کریں آپ میں کچھ کہنے کی جرات ہی نہ ہوگی۔"

"کیا کر رہی ہیں اماں اس کے ساتھ۔" قاسم دم بخود تھا۔
 "مجھے تو کچھ کہتے تھے کہ آپ کی ماں کیسے ناچار ہو چکی تو نہیں۔ آپ کی اماں نے باقاعدہ اسے حکم دے دیا ہے کہ وہ کافی عرصے تک رہتی ہوگی جسے اس لیے اسے ابھر کبیر خاندان کے کسی دولت مند سے مل کر کوئی کام شروع کر دے۔"

قاسم چند لمحوں تک کچھ بول ہی نہ سکا۔ شرم سے سر جھکا گیا۔
 "ورنہ کیا کریں گی وہ؟" کافی دیر بعد ان کے منہ سے نکلا۔

"ایک دولت مند بڑھا ہے اس کی نظر میں۔ سونے چاندی کے نکل کا ٹانگہ اس کے حوالے کر دیں گی اسے۔ اور آپ کو جانتے ہیں آپ کی اماں جو چاہتی ہیں اسے کر رہی ہیں۔ آپ میں ہمت ہے ان سے ٹھکرانے کی۔"

"کیوں نہیں۔ قاسم بڑے اعتماد سے بول رہا تھا۔ اب میں وہ نہیں رہا۔ جو اماں کے اشاروں پہ ناچتا تھا۔ اب میں بالکل بدل گیا ہوں۔ لیکن میں نہیں کیوں بتا رہا ہوں۔؟"

"کیسے بدل گئے ہیں قاسم بھائی؟ کیا اب یہی کے اشاروں پہ ناچتے ہیں؟ کیونکہ اپنی معصوم بہن کو تو بالکل نظر انداز کر رکھا ہے آپ نے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں اسے اپنے گھر لے آؤں گا۔"

"اور اگر آپ کی بیوی کو اعتراض ہو تو۔"

"تو اسے بھی تو دیکھوں گا۔ ہاں ایک بات تو وہ تو۔ اتنی لمبی چوڑی باتوں کا مطلب تو یہ ہے کہ تم شکوکہ اچھی طرح جانتے ہو۔"

"وہ میری بیوی تو جی میں پرستی ہے اور مجھ سے دو سال بوجیز ہے۔"

"اور اتنی جت کرنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تم اس کے لیے دل میں نرم گوشہ بھی رکھتے ہو۔"

"یہ نرم گوشہ کیا ہوتا ہے۔ میں اس سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں اور میں نے تم کھائی ہے کہ اسے

اس جہنم سے نکال کر دم لوں گا۔" وہ مسکرا کر اسے بولا۔

"تو یہ بات ہے۔ پہلی بار مسکراہٹ ان کے لبوں پہ آئی۔ اور میں تمہارے اوپر اعتبار کیوں کروں۔ میں کیا جانوں تم قابلِ محروم ہو یا نہیں جس کی وجہ سے تمہارے خاندان کی دولت سے محروم رہے۔"

"آپ کو میری عزت نفس پر حملہ کرنے کا کوئی حق نہیں سر۔ آپ کی دولت کو میں شکر کرتا ہوں۔ میں مل کا اس سے ضرور تعلق رکھتا ہوں۔ لیکن میرے والد میرے لیے اتنا کچھ چھوڑ گئے ہیں کہ میں اور میری ماں بیوی کے ساتھ یہ حد آرام وہ زندگی گزار سکتے ہیں۔ باقی جہاں تک میرا اور میرے کردار کا تعلق ہے آپ جہاں سے چاہیں پتہ کرنا میں۔"

"میں تو تم مجھے پہلی نظر میں اچھے لگے تھے۔ بعد میں تمہاری باتوں پر مجھے فضا بھی آئی۔ لیکن تم میرے اور اسے انسان ہو۔ تمہاری باتوں سے کوئی بھی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ پھر مجھ میں تمہارا یہ ضرور کرداروں کا۔ تم یہ بتاؤ تمہارے پاس کوئی بیان ہے۔ کہ تم شادی بھی ہو جائے اور اماں کے خطرناک ارادے کا کام ہونے کے ساتھ انہیں سبق بھی حاصل ہو جائے۔ لیکن ابھی تک تو کوئی بات کوئی حادثہ ان کو راہ راست سے نہیں لا سکا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ تو بد قسمت جان سے میرے پاس۔ لیکن پہلے آپ میرے بارے میں اپنی پوری قسط کر لیں۔ پھر چلیے۔ یہ پتہ کرنا میں آپ کو کوئی مانگتا ہوں۔ قلب میرا تو آپ کا ایک اچھا کام کرنے جارہا ہے۔"

"فصل۔ صاحب کے لیے چائے لاؤ۔ پورے اوقات کے ساتھ اور صحت سے بھری اور چہرے کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آجائے۔ نہیں کسی سے ملتا ہے۔"

"تکلف نہ کریں قاسم صاحب۔ چائے پھر کر لیجئے۔"

"اب تو یہ باتیں ہے عمارت۔ تمہیں ایسے ہی بیچ دوں۔ عمارت مسکرا کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

مسٹر شری لاؤ بیچ میں آرام نہ کر پائی۔ کتاب ہاتھ لیے مسلک اس کے کھلم کھلا کر کھتی جاتی تھیں۔ لیکن ایک لفظ نہ پڑھیں۔ وہ بیان نہیں اور جو کہیں جاتا تھا۔ وہ مسلک ڈاکٹر عارفان اور ان کی کنیت کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ یہ نہیں ان کا کیا حال ہو گا۔ وہ صحت سے بے ہوش ہونے والے ہیں۔ کوئی ان کا ٹھکانہ سے خیال رکھ رہا ہے یا نہیں۔ اور کھانا۔ کھل خان کو بھلا کیا پکا آتا ہو گا۔ اور آج کل کروڑ کی حالت میں انہیں ہنسی مذاک

ضرورت ہوتی بھلا وہ کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں۔ ان کا کئی بار دل چاہا کہ وہ رات کچھ بتا دیا کریں۔ لیکن ڈاکٹر کے آخری دن کے روپے نے ان کا حوصلہ بالکل تو دبا دیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بیچ سکیں۔ لیکن دل میں جو رہتی تھی۔ بے قرار اور اضطراب تھا وہ پڑھتا ہی گیا۔ وہ سارا سارا دل کی بے چین روح کی طرح

پورے گھر میں پھرتی رہتیں۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ نے انہیں حقیقتاً حقیقت پہنچائی تھی۔

"بی بی جان چائے۔" زور مینے نے چائے سائینڈ ٹیبل پر رکھی اور پھر پاس ہی کارپٹ پہ بیٹھ گئی۔ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔

"کیا بات ہے زور مینے۔ اتنی فکر مند کیوں ہو۔؟"

"فکر کی تو بات ہے تا بی بی جان۔ ڈاکٹر صاحب بیمار ہیں۔ اور میں پتہ ہی نہیں کہ انہیں کیا بیماری

ہے۔

”وہ کہہ تو رہے تھے انہیں خضد لگ گئی ہے۔“

”کہہ تو رہے تھے بی بی جان۔ پر مجھے یقین نہیں آتا۔“

”کیوں؟ کیوں یقین نہیں آتا؟“

”اس دن ان کی حالت بہت خراب تھی۔ مجھے تو لگتا ہے کوئی اور ہی بات ہے۔“

”اور کیا بات ہوگی۔ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔ لا پرواہ تو ہیں ناں۔“

”لیکن بی بی جان وہ بے ہوشی میں کسی روز کی کوئیوں پکار رہے تھے۔ مجھے تو لگتا کوئی اور ہی معاملہ ہے۔“

”کیا پیار ہو گیا ہے۔“

”کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔“ مسیو شیرازی جتنی سے بولیں۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ دوسرے بے ہوشی میں وہ روز کی کا نام کیلیے لیتے۔“

”کل خانہ بھی جی کی کہہ رہا تھا۔“

”کیا کہہ رہا تھا کل خانہ؟“ وہ گھر مندی سے بولیں۔

”وہ کہہ رہا تھا انسان بے ہوشی میں اسی کو پکارتا ہے جس سے پیار کرتا ہے۔“

”تجربہ اور ہی کل خانہ دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ وہ چھٹی سے بولیں۔

”اب جب وہ کسی آئین کے توں خود ہی ان سے پوچھ لوں گی۔“

”کیا پوچھ لوں گی۔“ وہ چونک کر بولیں۔

”جی کی کہہ دوڑی کون سے اور کیا وہ واقعی روزی سے محبت کرتے ہیں۔“

”تم کہا کرتی تھیں کہ وہ زہینہ اور نہ ہی کوئی سوال کر دوں گی۔“ مسیو شیرازی جتنی سے بولیں۔

”لیکن کل خانہ بی بی جان۔“ جیسے یہ ہوتا جائے ناں۔ تاکہ ہم روز کی ان کی

”نہیں۔ لیکن انہیں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ڈاکٹر صاحب سے اس کو کوئی سوال نہیں کرو گی مجھ آئی جنہیں

وعدہ کر رہے تھے۔“

”پھر آپ ہی پوچھ لیں بی بی جان۔ آپ کو تو وہ بتا دیں گے۔“

”افوہ پھر وہی بات۔ تم کچھ اور نہیں بول سکتی ہو۔“ وہ زق ہو گئیں۔

”دیکھنا۔ آپ نے باتوں باتوں میں چائے خضد کی کر دی۔“ زہینہ انہوں سے بولی۔ اور پیالی اٹھا لی۔

”رہنے دو۔ میں بی بی جان کی۔ تم یہ تاؤ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں یہ چلاؤ ٹھیک ہوئے یا نہیں۔“

”یہ تو نہیں۔ لیکن میں جاؤں یہ نہ کرنے۔“ وہ اشتیاق سے بولی۔

”ہاں جاؤ۔ اور کل خانہ سے یہ بھی پتہ نہ کرنا کہ انہیں کچھ اچھا کھانے کو مل رہا ہے یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے بی بی جان۔ اگر نزل رہا ہو تو ہم بتا کر بھیج دیں گے۔“

وہ جلدی سے باہر دوڑ گئی۔ گھر زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ مسیو شیرازی کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ زہینہ

پھولے سانسوں کے ساتھ جلدی واپس آ گئی۔

”آئی جلدی کیسے آگئیں زہینہ۔ کیا یہاں ہوئی گئی جس۔ اور بھاگ کر ہی آئی ہو۔“

”نہیں بی جان۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے ہی نہیں۔“

”کیوں۔ گھر میں نہیں تھے۔“

”گھر میں تو دروازے پر بڑا سلاک لگا ہے۔ کل خانہ کے پاس گئی تو اس نے بتایا ان کا کوئی رشتہ دار آتا تھا

اور انہیں ساتھ ہی لے گیا۔

”ساتھ لے گیا۔؟ ان کا دل دھک سے رو گیا۔ مگر کہاں ان کا کون ہے یہاں۔؟ پتہ نہیں بیگم جی۔

لیکن سنا ہے کافی دیر کے لیے گئے ہیں۔ اب ٹھیک ہوں گے تب ہی واپس آئیں گے۔“ تو وہ پھر سے امریکہ گئے

ہیں۔ انہوں نے سوچا۔ یہاں تو ان کا کوئی نہیں۔ مسیو شیرازی خاموشی سے بیٹھ گئیں۔ انہیں یوں ہی اس کو خوبصورت

ملاتے کی ساری خوبصورتی ختم ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

پورے ہفتے کے بعد شاہد نے یونیورسٹی آنے کی بہت کرکھی۔ یہ دہا کرتے ہوئے کہ حادثہ کا سامنا نہ ہو۔ ایک

ہفتے کے بعد سالانہ پیپر شروع ہونے والے تھے اور اس کی تیاری شروع کرنا پڑی تھی۔ اب تو ٹوش تیار

کرنے والا بھی کی نہ رہا تھا۔ جو کہ تھا خود ہی کرتا تھا۔ وہ سید کی لائبریری میں آئی۔ اب اسٹافوں کی تیاری میں

مصروف تھے۔ اس لیے بہت کم ٹوک نظر آ رہے تھے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور بے دلی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

کم کھانے اور کم کرنے سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اس کے گرد ہفتے بڑے تھے۔ وہ دیکھ کر کے لیے اٹھنے

کے قابل نہیں تھی۔ یونیورسٹی میں کمزور تھی۔ چہرے سے جیسے کسی نے سارا خون چھڑ لی تھا۔ جس کی اس کے سامنے

کسی نے قابل سمجھی وہ ہی طرح پرکھ گئی۔ اور اوپر دیکھا۔ حادثہ کو دیکھ کر اس کے چہرے سے سارا رنگ جیسے اڑسا

گیا۔ لیکن دوسرے ہی دن اسے احساس ہوا کہ وہ زہینہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

”یہ۔۔۔ میں نے سوچا۔ تم جیسی سے ٹوکی سے کچھ ہو جاؤ نہیں۔ تو حسب معمول میں ہی تمہاری مدد کر

دوں۔“ وہ کبھی سے مسکرائی۔

”آپ سے کس نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“ وہ زہینہ نے کچھ نہیں بولا۔ انہوں نے جیسے

پتھر پائیں لنگھنے لگیں۔ اس نے قابل اٹھا کر دوسرے دن پہنچیں۔

”لے جائیے اسے مت جیتنے میرے اوپر احسان۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ نہ آپ کی اور نہ آپ کے احسان

کی۔“

حادثہ نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا اور پھر نظر اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی۔ یہ نہ تو وہ نہیں تھی جسے کچھ

روز پہلے وہ اسی لائبریری میں چھوڑ کر گیا تھا۔ یہ تو اس کی پرچھا میں لگ رہی تھی۔ اتنی کمزور اور زندگی سے خالی سی۔

”تمہیں کیا ہوا تھا۔ کیا پیار ہو رہی؟“ وہ بے حد گھر مندی سے بولا۔

”آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔“ وہ جارحانہ انداز میں پوری آنکھیں کھول کر بولی اور آپ کو کیا۔ میں

میں ہاں یا سون آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔؟

”مجھے فرق نہیں پڑتا۔؟ وہ اٹھی سے خود اپنی طرف اشارہ کر کے بولا۔ مجھے فرق پڑتا ہے۔ بہت فرق

پڑتا ہے شاہد۔ لیکن تم یہ کیسے بات کر رہی ہو مجھ سے۔ جنہیں آخر ہو گیا ہے۔؟“

”اب آپ معصوم بننے کی اینٹنگ کریں گے جیسے آپ تو کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اب جب کہ آپ کی

حجت کی حقیقت کھل چکی ہے مجھ پہ اپنی تمام تر سفاکیوں کے ساتھ تو آپ کو معصوم اور بے خبر بننے کا خیال آ گیا۔
جائے حادثہ اتنا ذلیل نہ کیجئے کہ میں جیسے کے قابل نہ رہوں۔۔۔ وہ مشنڈر ساسے دیکھا رہ گیا۔ اس میں
اتنا زبردگیوں سے بھر گیا تھا۔ کیوں بھر گیا تھا۔ اسے کچھ مجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ مگر یہ حقیقت کہ میں اس کے
سامنے جیتنے کا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں۔ لیکن خدا کے لیے مجھے اتنا بے عزت نہ کرو۔"
"کیوں۔۔۔ اس کے لیے کاہن زرتشتی میں نہیں ہو رہا تھا۔ یہ حق صرف آپ کو ہے کہ آپ دوسروں کو بھی بھر کر بے
عزت کریں۔" حادثہ نے نکتہوز ہو کر اسے دیکھا۔

"لگتا ہے کسی نے میرے خلاف تمہارے کان بھرے ہیں۔ لیکن۔۔۔ آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کو یہ
کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تیزی سے بولی اپنی ٹھیلوں کا انضمام کسی اور کے سر پہ مت دھریں سزا
حادثہ۔

"شام۔۔۔ پلیر ہوش میں آئی۔ وہ آہستہ سے اتار بیٹھے انداز میں بولا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں کچھ تو
ہوا۔"

"میں آپ کو کچھ بھی بتانے کی پابند نہیں ہوں مسٹر اور وہ بھی وہ مددگار تھا جو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔"
مجھے کچھ مجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ان چند جوش میں اس کی کیا قیامت آئی۔ جو تم مجھ سے اس طرح گفتگو کر رہی
ہو۔ لیکن میں صرف اس لیے یہ باتیں بھڑکتے کر رہا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔

"نہایت میں حجت کا لیے اس ڈھونڈ کر کہہ دیتے ہیں جو کچھ حقائق جان لینے کے بعد اپنی موت آپ مر
گیا۔ آپ نے مجھے نہیں کانٹا پھوڑا۔ آپ نے میری زندگی ختم کر دی۔ میری انا میری خود داری۔ میری
عزت نہیں سب لوٹ لیا اور پھر آپ کہتے ہیں آپ محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ یہ اس حدی کا سب سے بڑا جوک
ہے۔ اور مجھے اس جوک پہ بھی آ رہی ہے۔ وہ ہے اختیار منہا ضروری اور تو پھر رستی چلی گئی۔ آنکھوں سے
پانی لپٹنے لگا۔

"نہیں کرونا۔۔۔ ہوش میں آؤ۔۔۔ تمہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑ ڈالا۔ تو اس کی ہنسی رک گئی۔
"ہوش میں تو میں اب شاید کبھی نہ آ سکوں۔ اور پھر آپ میرا ہاتھ پکڑنے کی ہمت کیجئے گا۔"

حادثہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بھی خاموش تھی۔ جیسے جذبات کی شدتوں نے اس سے ساری توانائی
چھین لی ہوں۔

"میں ناراض قاتم سے۔ اور اسے دن سے بے چین قاتم کہہ رہی ہوں۔ لیکن مجھے اندازہ
نہیں تھا کہ میں انھوں کی جنت میں رہ رہا ہوں۔ کیا تمہیں نہیں جگہ کوئی اور مل گیا ہے شام کو مجھ سے یہ سونگ
کر رہی۔ یوں میری محبت کا شوق اڑا رہی ہو۔"

"یاد خدا۔۔۔ دو دنوں کی محبت کا شوق اڑا رہی ہو۔ لیکن میں باگل نہ ہو جاؤں۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی
آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ حادثہ میں واقعی باگل ہو جاؤں گی۔ اگر میں کچھ دیر اور آپ کے سامنے رہی تو میرا
سامن رک جائے گا۔ اس لیے میں جاری ہوں۔" وہ انھیں قاتم سے حیرت سے اس کا ہاتھ پکڑا۔
"ہرگز نہیں۔ تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ میری بات نہ بغیر۔ مجھ سے بتائے بغیر تم کہیں نہیں جا سکتے۔"

سکتیں۔ شام نے۔۔۔ حادثہ کو بے پناہ فحشہ آ گیا۔

"اب جب میں سب کچھ کر دیا۔۔۔ کچھ کچھ ہونے جا رہا ہے تو تم میرے ساتھ اس طرح نہیں کر
سکتیں۔ ایک تو تم نے میری ناراضگی کے باوجود مجھے سنایا نہیں۔ اور اوپر سے یوں ایک کر رہی ہو جیسے میں نے
کوئی گناہ کر دیا ہو۔"

"ناراض۔۔۔؟ وہ دنیا ہی انداز میں مسکرائی۔ آپ ناراض تھے مجھ سے؟ میں نے اس روز اپنا دل کھول کر
آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ کو اپنے خاندان کے وہ حالات بتا دئے جن کے بارے میں منکونے کا تصور بھی
نہیں کر سکتی تھی۔ آج تک جو بات میں اپنے سامنے سے چھپائی آئی تھی آپ سے کہہ دی۔ اور آپ نے کیا
کیا۔۔۔ ذرا سوچئے آپ نے کیا کیا۔ ایک لفظ کے بغیر مجھے جانے کسی نظروں سے دیکھا اور وہاں سے چلے گئے
اور میں جو کچھ سمجھتی تھی آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں تو کچھ اس قسم کے جملوں کی منتظر تھی۔
مجھے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تمہارے لیے میری محبت اب بھی وہی ہے۔ وہی ہے۔
تم کیوں شرمندہ ہو رہی ہو۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔
تم حرکت کرو۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔

لیکن اس کے برعکس آپ نے صلاحت میری نظروں سے مجھے دیکھا اور اندر کر چلے گئے۔ میں تو کئی گھنٹوں تک
شرمندگی کے مارے ابھی تھی۔ اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ مجھے تو کچھ نہیں نہیں آ رہا
آپ کی اس بات پہ۔ ہوشیار رہوں۔ آپ ناراض تھے تو میرے میرا ہی مجھے یہ بھی بتا دیجئے کہ آپ کیوں ناراض
تھے۔ ذرا میں بھی سمجھ لوں۔

"مجھ تانی تو نہیں کر دی۔"
"چہ نہیں۔ کچھ کہیں گے۔" وہ نے غازی سے سردی سے بولی۔
"سب سے پہلے تم مجھے بتاؤ۔ دوسری باتیں جو تم مجھے بتائیں ان میں تمہارا ذرا برابر بھی کوئی قصور تھا۔"
"نہیں۔ اتنا قصور ضرور تھا کہ اس خاندان میں پیدا ہو گئی۔"

"پھر جب تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ تمہارا کردار بے مثال اور شرافت تھا تو تم مجھ پہ اور میری محبت پہ اعتبار
کیوں نہ کیا۔ مجھے پہلے ہی سب کچھ کیوں نہ بتا دیا۔ کیا تمہیں مجھ پہ اور میری محبت پہ بھروسہ نہیں تھا۔ بس اسی
میں ناراض قاتم سے سب سنے کے بعد کہ تم نے میری محبت پہ بھروسہ نہیں کیا۔ اور میں چاہتا تھا کہ تم مجھے سناؤ۔
لیکن مجھے تمہاری عقل ہی نہیں نظر نہ آئی۔ میں نے کچھ کہا کہ تم میرے بچپن کی کہیں کوئی یاد پوچھو مجھے پھر سے خوش
بنائے ہوں گے۔ میں تو کبھی نہ بتاتا ہوں۔ یہ تو میرے خواب و خیال میں ہی نہیں آئی تھا کہ تم میرے چلے جانے سے یہ
مطلب اخذ کروں گی۔ بخدا میں تم سے دل سے شرمندہ ہوں کہ تم نے میرے جانے کی وجہ سے اتنی اذیت کی۔
شام تو تمہاری شکل دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ تم اتنی کمزور رہے۔ رنگ رہی جس جیسے کسی بیماری سے آئی ہو۔ اور
اس کی وجہ میں ہوں۔ یہ سوچ کر ہی مجھ کو خود پہ شرم آ گئی ہے۔ کیا تم مجھ جیسے بے وقوف بندے کو معاف کر
سکتی ہو۔ یہ ٹھنی مجھ سے ابھانے میں ہو گئی۔ وہ نہیں ذرا سا دکھ پہنچانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں
سکتا۔ میں نے کہا تھا کہ میری زندگی کی دوزخ سے جڑی ہے۔ آئی ایم مسوری شام۔ تمہیں اتنا دکھ دینے سے

چوہدری سانگ

مجید احمد جانی

وطن کے لیے جاں کا نذرانہ پیش کرنے
والے فوجی جوان ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں
ہمارا قیمتی اثاثہ ہیں، ہمیں ان سے
بیارہے، ہمیں ان پر فخر ہے۔

وطن کے لیے لڑنے والے ایک سپاہی کی فرض شناسی



اترا ہے ابھی بھیل میں اک ٹیلا پرندہ
سبھی ہے میری آنکھ کسی خواب کے درے

ستمبر 1376 2016

پہلے میں سرکیوں نہیں گیا۔
”اب ایسے تو مت کہیں۔“ وہ بے اختیار رو پڑی۔ آسودہ آستے دنوں سے بھاری تھی لیکن یہ خزانہ تھا کہ ختم
ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

”میں نے کہا تھا تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“
”تو پھر کیوں رلا یا اتنا۔“ وہ پھر رو پڑی۔ میری تو زندگی ہی ختم ہو گئی تھی۔
”آئی اے سوری شاہ۔ رینگنی سوری۔ اگر مجھے پتہ ہوتا تو کسی ایسا نہ کرتا۔“
”تمہاری قسم میں تمہیں دکھ دینے کا تصور نہیں کر سکتا۔ تمہیں مجھ پہ اعتبار کیوں نہیں۔ کیوں اتنی بڑی
تلاش ہی کا شکار ہو گئیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوتا جاوے۔ محبت کے رشتے کی بنیادی بھروسے اور اعتماد پر ہے۔ اور
تم نے مجھ پہ بھروسہ نہیں کیا۔ نہ اپنے حالات بتانے سے پہلے اور نہ ہی حالات سنانے کے بعد۔“

”میں شرمندہ ہوں حارث۔“
”میں تمہیں شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں تجھے غصہ (ا) سا بھروسہ چاہیے۔ ٹھیک ہے نا۔ میری بات مانو۔ تم
مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو۔ اور تمہیں دھوکہ دینے کے بارے میں سوچنے سے پہلے میں خود کو ختم کر لینا
پہنہ کروں گا شاد و شاد۔ اب یہ فوس سنہا لو اور خوب محنت سے امتحان دینا۔ اور جیتز میرے امتحان ختم ہونے تک مجھے
ڈسٹرک نہ کرنا۔ میں تو ویسے بھی کتاب سے زیادہ تمہاری شکل پر ہتار رہا ہوں۔ اگر کہو تو تمہیں گھر چھوڑنا ہوا
جاؤں۔“

”نہیں میں چلی جاؤں گی۔“ وہ آسودگی سے مسکراتی تو حارث لاٹیرری سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

ابدال اپنے رشتہ کر کے فارغ ہوئے تھے کہ احد اور فہد ان کے کمرے میں آئے۔ ان کے چہرے کو کچھ کر انہیں
احساس ہوا کہ وہ کچھ نہ ہو گیا ہے۔ محبت لفظ۔
”کیا بات ہے۔ تم آتے پریشان کیوں ہو دونوں۔“ وہ دھڑکنے لڑ سے بولے۔
”ایلو پلیز۔ آپ پہلے خود کو سنہا لیں۔ ہم جو بات کہتے جا رہے ہیں اس کے لیے آپ کو خود کو مضبوط کرنا ہوا
گا۔“ ابدال صاحب نے صبر سمجھ کر دیکھا۔
”جو کچھ میں بھیل چکا ہوں احد۔ اب کوئی بات مجھے شاک نہیں پہنچا سکتی۔“

پھر بھی ابو۔

”تم جو کہنا چاہتے ہو جلدی کو۔ میرا امتحان مت لو۔“ آنت بھی پریشانی سے دیکھ رہی تھیں۔

احد اور فہد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ابو ہریش مشکل سے لب کھولے۔
پائیں کو پٹر دل پپ کے پیچھے دو سو گز کے فاصلے پر جہازوں سے ایک بیٹے کی لاش ملی ہے۔ علاقے کے لوگوں
کا خیال ہے کہ وہ۔ وہ رازنی۔ وہ آگے کچھ نہ کر سکے۔ ابدال صاحب نے ہنجد نظروں سے میٹوں کی طرف
دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہ سکے۔ کئی گھنٹے کے بعد ہی انہیں دیکھے گئے۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆

عید گاہ جانا

عید گاہ میں عید کی نماز کے لیے جانے والے کے لیے مسجد ہے کہ نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے۔

بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جس راستے سے گئے تھے، اس کی زمین آپ کے حق میں کوہی دینی تھی، اس لیے آپ اس راستے سے عید گاہ تشریف لے گئے مگر بعض کا کہنا ہے کہ آپ جاتے وقت ایک قبیلہ کے راستے سے گئے اور واپس آپ کے قبیلہ کے راستے سے گئے تاکہ دونوں قبائل آپ کے عید گاہ کا شرف حاصل کر سکیں اور دونوں کو برابر کا ثواب حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
”اے نبی! ہم نے تمہیں جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“
بعض کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منبر ہول اور دیوں کے نیچے جو زمین آتی ہے وہ چنانچہ سب سے زیادہ فخر کرتے ہیں۔ اس لیے آپ مختلف راستوں سے جاتے تھے تاکہ ہر طرف کی زمین کو برابر کا ثواب ملے۔

(انتخاب: محمد علی، سہیل، سہیل)
آج بھی دونوں میت کے قیدی بن گئے اور شیعہ کی کال کوخبری میں ایسا زور دینا کرنا نہ لگے۔
وقت بے رحم ہو گیا کہ کسی کا انتظار نہیں کرتا، بائیں گزرتا چلا جاتا ہے، اس کی بے گھری کی زندگی ہوتی ہے۔
عشال احمد خاندان کے گھر گیا تو ایمان اور عشال احمد ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ یونیورسٹی ایمان کے گھر کے قریب تھی اور دونوں کے لیے محبت گھر کا دواہجہ رہی تھی۔ دونوں یونیورسٹی میں بیچہ کر آپس میں گفتگو کرتے رہتے تھے۔ محبت کے موضوع ہوتے اور دونوں

ایمان، عشال احمد کو بہت تنگ کرتی۔ عشال احمد روئے کھتا تو اس کی نصیحتیں آتا رہتی۔ میں ان میں ناراضگی ہو جاتی اور دونوں کا بچپن صرف یادیں بن کر رہ گیا۔ بچپن کو کوئی روک پایا ہے نہ روک پائے گا۔ یہ ریت کی طرح مٹی سے سرکنا چلا جاتا ہے۔

بچپن گزرا تو عشال اسکول جاتا تھا، دوسرا ایمان بھی ایک کمرے سے۔ لڑکائی اسکول جاتی تھی۔ عشال کو پڑھنے کا ذوق تھا اور ایمان بھی کم نہیں تھی۔ پڑھائی شروع ہوئی تو دونوں کے درمیان رابطہ نہ رہا۔

میکر کرنے کے بعد عشال احمد آگے پڑھنا چاہتا تھا۔ گاؤں میں کالج، یونیورسٹی کہاں ہوتی تھی۔ غالب علموں کو شہر والوں کا رُخ کر، چلتا ہے۔ (عشال کی ماں) نے اپنے بچپن کوشہ (ایمان کی رہش) سے بات کی۔ لڑائی بڑی بچپن ہوئی کہ میری بہن کا پیاسیر سے ہاں آئے گا، اس کا اپنا کوئی پیاسیر تھا۔ بہن کے بیٹے بھی تو اسے بیٹن کی طرح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان کی صورت میں رحمت عطا کر رکھی تھی۔ اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہو سکی۔ لڑشہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی ہوئی۔
ارشاد نے باخوشی ہاں کر دی اور لڑشہ عشال احمد کو اپنی بہن کے گھر چھوڑ آئی۔ اب کے جب عشال احمد اور ایمان آئے سارے ہوئے تو دونوں بیٹے نہیں تھے۔

جہان کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ دونوں ایمان نے گھر پر ایک دوسرے کو تنے جا رہے تھے۔ ایمان پر تنے۔ رنگ روپ چڑھا تھا۔ مسئلہ نہیں ہوا۔ سب سب تین تین لگا بیٹھ کر ہفت، دیکھتے تھے۔ شادی بیاہی، بچپن کوئی رات، چوتھی جوانی شباب خوب آیا تھا۔ ہر کوئی آنکھیں لہجہ کر کے دیکھتا۔

عشال احمد بھی قدم کاغذ کا لمبا جاپا نظر اور خوبصورت تھا۔ وہی نظر بھی جب دونوں آئے سارے گئے تو محبت کی ان دیکھی چنگڑیاں لہجہ کر

پھینکیں کھڑم ہو گئیں تھیں۔ عشال احمد آری میں ڈیوٹی کرتا تھا۔ فوہا ہاں زمانہ نہیں تھا۔ نہیں تو ایک منٹ میں کال کر کے معلوم کر لیتا۔

عشال احمد اور ایمان دونوں خالہ زاد تھے۔ دونوں کی شادی تیرہ سال قبل ہوئی تھی۔ عشال احمد جب یونیورسٹی میں پڑھتا تھا وہ ایمان کے گھر رہا تھا۔ پڑھتا تھا۔ کچھ عشال احمد گاؤں کا رہنے والا تھا اور یونیورسٹی میں رہتے تھے۔ خوش قسمتی یہ کہ عشال احمد کی خالہ شہر میں رہتی تھی اور ان کے گھر کے ساتھ ہی یونیورسٹی تھی۔ عشال احمد کی خالہ زاد ایمان بھی اسی یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔

عشال احمد کافی عرصے بعد خالہ کے گھر گیا تھا۔ بہت چلتا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ خالہ کے گھر گیا تھا۔ تب بیٹہ تھا۔ بچپن تو بڑا پیارا ہوتا ہے۔ تب شہر اتریں آتی تھیں۔ کھیلنا نہیں۔ کون بڑا، کون چھوٹا۔ دوست کون۔ دشمن کون، مکوں شہر، مکوں سنی، مکوں ویلندی، دوبائی، مکوں مسک، مکوں سادین، مکوں خیر نہیں تھی۔ بچپن میں تو انسانیت ہوتی ہے۔ یہ انسانیت محبت کا ذور ہوتا ہے۔ پیار کا ذور، محبت کا ذور۔ اب تو دل ٹوٹنے لگا۔ روز بھر میں روز بھر میں تھیں، مکوں دوسری پیدا ہوئی تھیں۔

عشال احمد کا بچپن عجیب و غریب تھا دوسروں کی طرح شہر اتریں تھیں۔ جس بھی بکھاروں کا موسم ہو، خوراک ہو، کوئی شرارت ہو، کوئی روز نہ سم دلائی، سستی میں گم۔ فکارتیں کم ہو گئیں۔ زیادہ تر چپ رہنا تھا۔ دوسرا ایمان کا بچپن بڑا حسین تھا۔ بلا کی ذہین اور شرارتی تھی۔ روئے ہوئے کو بلی بھر میں ہنساتی، اس کے پاس نہ تھا۔ لہجہ زور والی تمام کواٹیاں اس میں تھیں۔ کوئی کتنا ہی نہیں کیوں نہ ہو، اس کے بلوں پر سراسر مکتبہ بھیر دیتی، ہم زدہ کے گال خوشی سے ٹھٹھاتے نظر آتے۔

سانگرہ کا کیک ہاں میں بڑی سی ٹیبل پر سجا دیا گیا تھا۔ ارد گرد ہم جہاں ترتیب سے کھاتی ہوئی تھیں۔ گھر بھر کی صفائی سترہ کی کب کی کر لی تھی۔ ہر چیز چیلنے سے اپنی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ سارے کام نہانے کے بعد اس نے خود کو تیار کر لیا تھا۔ سرخ لال جوارا جس کے ہندو شیشے کا کام عید کی کیا گیا تھا، اس کے ہندو لٹکارتے مار رہا تھا۔ سرخ لال جوارے میں تھی تو بھی ذہن ہی تو لگ رہی تھی۔ لیکن اس نے ذہن سے کی سال گزر چکے تھے۔ اب تو اس کا کیک بھی اس کے آگے نہیں تھا۔ قہر پان ماتی پرتی تھا۔ پھر بھی اس نے کھانوں پر پھولوں کے گھر سے ہر کچاں لپیٹے تھے۔ اس نے سفید موتیا کے پھولوں سے ہر بار بالوں میں خوبصورتی سجایا تھا۔ آج اس نے بالوں کو سوار سے ہونے پہلے کی نسبت بہت زیادہ وقت لایا تھا۔ بوٹوں پر اپنا ایک لکڑی والی اور آنکھوں میں کاجل لپٹا تھا۔ گالوں میں لالی لکڑی تو دوسرے سیبوں کی طرح چیلنے لگے۔ ہاتھوں میں کی میزبانی کا رنگ خوب چڑھا تھا۔ وہ تقریباً دو گھنٹے پہلے تیار کی گئی تھی۔ اب صرف اس کا انتظار تھا۔ جس کے ہاتھ میں کبھی کام کی نہیں تھی۔ جس کے ہاتھ میں کبھی کام کی نہیں تھی۔ اس نے خود کو تیار کیا تھا۔

آج اس کی شادی کی تیرہویں سالگرہ تھی اور اس کے سامنے نے آنا تھا۔ اس کے پیار نے آنا تھا۔ اس کے سر تاج، اس کے شوہر عشال احمد نے آنا تھا۔ چوتھی سر سے ایمان نے سانگرہ کی تیار کیا تیار شروع کر دی تھی۔ سحر اب شام ڈھلنے کو تھی وہ نہیں آیا تھا جس کا انتظار تھا۔ اس کی متلاشی نظریں دروازے پر جمی تھیں اور در کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ پھر سورج جھاک گیا، چاند نے دو دھواں روٹی ہر سوں پھیلا دی۔ دن سے دوپہر دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی۔ اس کا عشال احمد نہ آیا۔ اس نے آج ہی تو آنا تھا۔ اس کی

دودھ کر لیا۔ پھر ہم لوگ اسلام آباد واپس آ گئے۔ ایک دن کا وقت تھا۔ بارات کی، دہن گھر آ گئی۔ مجھے نہ دینی کا حق اور ایک۔ پوری شادی میری امی کے ساتھ شانہ بستان کام کر رہی تھی۔ پھر ہمارے گھر کی نقدی سے لے کر سارے ذریعہات پہنچے ہر چیز کی ذمہ داری سے محتاطی تھی۔ جو میری دہن سے دوسرے پوسٹ پینا تھا وہ بھی مجھے گھر سے بن کر آتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب پیش لاہور سے گھر نکالی کا کام کر دیا۔ اس میں مجھے نے بھی اضافہ کیا۔ شادی کے بعد حسب روایت دہلاؤں کا کمرو دستہ انجانب سے بنایا مگر قاضی خان لڑکیوں نے لایا۔ چھوٹے اور میری امی کو کھینچے تھیں۔ سب محلہ کے لوگوں اور لڑکیوں نے کھینچے تھے۔ مگر پچھلے کچھ سب سے خوبصورت اور بڑا تھا۔ ایک خوبصورت گھم، میری بیوی نے کہا: یہ کیوں؟؟

مجھے نہ کیا۔ بھائی آپ مجھے اس قسم سے ہی پیشہ میر کاڑ اور نیوڈائیر کا ڈھکر بھیجا کرتا کہ ہمارا بندھن بکری ڈولے۔

میں اپنے گھر میں غنٹی غنٹی رہنے لگا۔ اللہ نے چاند چاہنا چاہا کیا۔ مجھے نہ اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے ٹوٹی۔ موزے اور سرسبز بن کر دیا۔ میری بیوی کو پہلی عیسیٰ لاہور سے میری امی کے ساتھ تھی۔ عید کے بعد چپ پھری بیوی واپس آئی۔ تو ڈاکٹر صاحب نے چاند کی پائوٹی میں چھ دواؤں سمیت چاروں لڑکیوں کی دعوت کی۔ لان میں ہی گئی یہ فیضان تھی شامنامی کی سب نے بڑھ چڑھ کر ادنیٰ لطیف، افسانے، گانے، نغمات سنائیں۔ چودھویں کا چاند اسلام آباد کے خوبصورت صاف سترے بلند یا پھاڑ پر سرسبز اونچے درخت بھر کے لان میں ہر رنگ کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ رات میں بھی ٹھونکے کی۔ وہ ادب آداب پائیز ماحول، سب سے غرض جنتیں اور پائنتیں

اسی طرح ایک دن بعد دکان سے واپس پر میری

پچھیں۔

پھر میرے والد صاحب اور والدہ صاحبہ ڈاکٹر صاحب کے گھر گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: میں شی صاحب دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں، آپ کا بیٹا خالد بھی میرے ہاتھوں میں پالا بڑھا ہے۔ مگر ہم زمیندار ہیں، میری ساری برادری لالہ ہوش میں ہے۔ میرے بڑے بھائی کا بیٹا ابور میں میں سیل کالج میں پڑھتا ہے۔ انشاء اللہ میں اس کو لازمی راولپنڈی یا اسلام آباد کے کسی ہسپتال میں فوری لگوا دوں گا۔ بس ڈاکٹر لینے کی دیر ہے۔ اور میری والدہ اور والد صاحب کی خواہش ہے کہ ہم دونوں بھائی پیشہ بنیں۔

اس کے بعد میری اور سارے لڑکیوں کی شادی ہوئی۔ وہ لاہور سے اسلام آباد میرے گھر آ گئی۔ جب میری شادی ہوئی، حسب روایت سب سے واپس نے بڑھ چڑھ کر اصرار کیا۔ پھر میری ہر دم میں خوشی تھی۔ یہاں تک کہ لاہور چھوڑ کر ہم لاہور چھوڑ کر اسلام آباد آ گئے۔ میری والدہ صاحبہ نے کہا: میں شی صاحب دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں، آپ کا بیٹا خالد بھی میرے ہاتھوں میں پالا بڑھا ہے۔ مگر ہم زمیندار ہیں، میری ساری برادری لالہ ہوش میں ہے۔ میرے بڑے بھائی کا بیٹا ابور میں میں سیل کالج میں پڑھتا ہے۔ انشاء اللہ میں اس کو لازمی راولپنڈی یا اسلام آباد کے کسی ہسپتال میں فوری لگوا دوں گا۔ بس ڈاکٹر لینے کی دیر ہے۔ اور میری والدہ اور والد صاحب کی خواہش ہے کہ ہم دونوں بھائی پیشہ بنیں۔

اس کے بعد میری اور سارے لڑکیوں کی شادی ہوئی۔ وہ لاہور سے اسلام آباد میرے گھر آ گئی۔ جب میری شادی ہوئی، حسب روایت سب سے واپس نے بڑھ چڑھ کر اصرار کیا۔ پھر میری ہر دم میں خوشی تھی۔ یہاں تک کہ لاہور چھوڑ کر ہم لاہور چھوڑ کر اسلام آباد آ گئے۔ میری والدہ صاحبہ نے کہا: میں شی صاحب دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں، آپ کا بیٹا خالد بھی میرے ہاتھوں میں پالا بڑھا ہے۔ مگر ہم زمیندار ہیں، میری ساری برادری لالہ ہوش میں ہے۔ میرے بڑے بھائی کا بیٹا ابور میں میں سیل کالج میں پڑھتا ہے۔ انشاء اللہ میں اس کو لازمی راولپنڈی یا اسلام آباد کے کسی ہسپتال میں فوری لگوا دوں گا۔ بس ڈاکٹر لینے کی دیر ہے۔ اور میری والدہ اور والد صاحب کی خواہش ہے کہ ہم دونوں بھائی پیشہ بنیں۔

اس کے بعد میری اور سارے لڑکیوں کی شادی ہوئی۔ وہ لاہور سے اسلام آباد میرے گھر آ گئی۔ جب میری شادی ہوئی، حسب روایت سب سے واپس نے بڑھ چڑھ کر اصرار کیا۔ پھر میری ہر دم میں خوشی تھی۔ یہاں تک کہ لاہور چھوڑ کر ہم لاہور چھوڑ کر اسلام آباد آ گئے۔ میری والدہ صاحبہ نے کہا: میں شی صاحب دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں، آپ کا بیٹا خالد بھی میرے ہاتھوں میں پالا بڑھا ہے۔ مگر ہم زمیندار ہیں، میری ساری برادری لالہ ہوش میں ہے۔ میرے بڑے بھائی کا بیٹا ابور میں میں سیل کالج میں پڑھتا ہے۔ انشاء اللہ میں اس کو لازمی راولپنڈی یا اسلام آباد کے کسی ہسپتال میں فوری لگوا دوں گا۔ بس ڈاکٹر لینے کی دیر ہے۔ اور میری والدہ اور والد صاحب کی خواہش ہے کہ ہم دونوں بھائی پیشہ بنیں۔

بی بی عینا کی بی بی عینا لائیں

نرجس بانو

چاہئے اور چاہے جانے کی
آرزو دل میں نہیں ہوتی
مگر ہمیشہ وہاں نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں
اور یوں زندگی ایک امتحان بن کر رہ جاتی ہے۔

ایک لڑکی کا افسانہ جو محبت کی طاقت پر یقین رکھتی تھی



کہتا ہوں اپنی ذات کا میں خود ہی احتساب
میں اپنے آپ کے لئے عیم حساب ہوں

سندھ کیوں والی فراک اور چوڑی دار میں ایسا آج
پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ فراک پرسن
پر نہ سلور اور گولڈن کام کروایا تھا۔ اوپر سے دوپٹہ بھی
پورا اس کام سے بھرا ہوا تھا۔ مخصوص سا چہرہ اتنی بیداری
کئے کے باوجود اترا ہوا تھا۔ ابھی مہندی کی ٹینٹیں ہیں
کمزور کے ساتھ سجا کر ختم کی تھیں۔ بس ابھی انہیں
ترتیب سے جانا تھا۔ اس لیے یہ فائل کام وہاں کیلئے ہی
کر رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں بیٹھے سہماں ڈھونگ
بجھا رہے تھے اور ڈھونگ اور گولڈن کی آواز اس کے
کمرے تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ آخری پلیٹ

توی نے کہا، ایک ماہ بعد مجھ کی شادی ہے۔ میں نے
کارڈ فور سے پڑھا۔ تجھے کیوں دل اندر سے کٹ سا
گیا۔ مگر اپنے جذبات کو چھپانے کے لیے میں نے
بھانے سے کھڑے باہر نکلنے ہی میں عافیت جانی۔ بلاوجہ
ہی اکیلا سوک پر پھرنے لگا۔ پتہ نہ چلا ۳ یا ۳ کیل کا
فاصلہ طے کر لیا۔ پھر انی سوچوں میں گم ہونے لگا، مجھ
ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ رہی ہے۔ اس کا ہونے والا شہر
اس کو مجھ سے ملنے بھی دے گا یا نہیں؟؟ مجھ شادی کے بعد
ڈاکٹر کی ٹیم میں کر بیٹھے بھول جانے کی پر دل کو کھجایا کہ وہ
آکر بھول جائے، کوئی بات نہیں، میں تو نہیں بھولوں گا۔ کہ
ہمیشہ سے دل میں بند رہے گی۔ اس کو کوئی پتہ نہ ہو کہ
مجھ نہیں کھل سکے گا۔ پھر رات گھر واپس آیا۔ سب گھر
واپس نے پہچانے، ایک کب کہاں چلے گئے تھے؟؟

نہیں نے بتایا، دوست بیاہ تھا، اس کی خبر لینے گیا
تھا۔ اسی رات میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ رات بستر پر
بے دلی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا کہ ساجدہ کئے کیا، آج
طبیعت ٹھیک ہے؟ میں نے یہاں نہ کر دیا، دوست کی چیز
سے پریشان ہوں۔ پھر ساجدہ بیٹے کے ساتھ سو گئی اور
میں ساری رات دوسری طرف منہ کر کے انتہائی ادا
کروشی بدل رہا، اسی طرح صبح کی اذان ہو گئی۔ چھو گیا،
نماز پڑھی، اللہ سے سب اور پاکیزگی کی دعا مانگی۔
شام دکان سے واپس آیا تو اپنی والدہ اور بیٹم کو
لے کر ڈاکٹر صاحب کے گھر گیا۔ سب عشاء کی نماز کے
بعد دی دیکھ رہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی
اہلیہ کو قافلے کر کے کہا، خالہ جی، مجھ نے میری شادی پر
دلہن کے لیے ایک سوٹ بنایا تھا، میری خواہش ہے کہ
میں بھی بارات والے دن ایک جڑوا بناؤں۔ آپ لوگ
یعنی میری والدہ، بیوی، مجھ اور آپ لاہور انارکلی سے
شاہپک کر لیں۔ ہماری طرف سے ۲ عدد ساڑھیاں،
فرار، پٹو، چوڑی دار پاجامہ اور کتہ، ان کے ساتھ
انارکلی سے ہی میپنگ جوتیاں اور پرس بھی لائیں۔ سب

خدا کی قسم محبت نہیں عقیدت ہے
دشو کر کے لیتے ہیں نام تیرا
اس کے تیرے دن بچاچی وقت پاگئے۔

☆☆☆

بھی ترتیب سے رکھنے کے بعد اب وہ کچھ دیر کے لیے سانسے ڈرینگ ٹیبل کی طرف آئینے میں دیکھنے لگی اور اداوی سے کچھ یاد کرنے لگی۔

تک تک دروازے پر دستک ہوئی اور ایک جوان لڑکا بولا۔

”اے جیکی سی تیار ہوگئی، سب کچھ رہے ہیں مہندی کی رسم شروع کریں، اُتھی کہاں ہے؟“

کتیل بھائی کی آواز سے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔

”جی بھائی اُتھی باہی دوسرے کمرے میں بائی کزنز کے ساتھ ہے۔ بس اسی لائی اسے“

ابرا نے چمک کر جلدی طعنی کہی۔

”تھک ہے اور تھک رہی بھائی اور ملی کہاں ہیں؟“

کتیل بھائی سے پھر سے سوال کیا۔

بھائی اور ملی (چار سال کا) جھجھکیا ہوا دھوکہ والے کے پاس ہیں۔ ابرا نے وضاحت دی۔

”چلو گئے۔“ پھر جلدی کر دیا۔ ”بھائی کچھ فکر سے ہوئے۔“

”تھک رہے بھائی، آئی۔“

ابرا نے پھر کزنز کے کمرے میں آکر اترام کزنز کے ہمراہ بری ہوئی۔ اُتھی کو جو مہندی کے لباس میں تھی۔ رموں کے ساتھ لائیں۔

”مہندی کی لکڑی تم ہونے کے بعد سب کے دوبارہ ڈھنکی پر گاؤں گھر و گھر دیا۔ اُتھی بھی مہندی کے موڑے پر بیٹھی ابرا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جو زبردستی مسکرا کر گانے میں سب کا ساتھ دے رہی تھی۔

آفر کو اُتھی نے ابرا کا اشارہ سے اپنے پاس بلایا۔ ابرا فوراً اُتھی کے پاس چلی گئی کہ اُتھی کو شاید کسی چیز کی ضرورت ہو۔

”کیا بات ہے جیکی تم کچھ پریشان لگی رہی ہو؟“ اُتھی نے ابرا کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر

سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔“

ابرا نے نظریں جھکا لیں اتنی کہی۔

”تھک نہیں آیا؟“ اُتھی نے پریشانی سے سوال کیا۔

”نہ آئے۔“

ابرا نے کچھ تنگ آئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”تم پریشان مت ہو۔ اچھا سنبھوک تو نہیں لگی کزنز کے ساتھ ہے۔ بس اسی لائی اسے“

ابرا نے چمک کر جلدی طعنی کہی۔

”تھک رہا ہوں مجھے کھلا دیا ہے۔ تم پریشان مت ہو۔“ اُتھی نے بڑے پیار سے جواب دیا۔

”اچھا میں سب لوگوں کے پاس جاتی ہوں۔ سب ہمیں ٹوٹ کر رہے ہوں گے، اچھا نہیں لگتا۔“ ابرا نے

کہہ کر دوبارہ سب کے پاس بیٹھ کر گانے میں مصروف ہوئی۔

”چلو گئے کہاں ہو تم؟“

ابرا نے کھاتے ہی اُتھی نے فوراً موبائیل فون پر کال کر دیا۔

”اسلام علیکم! ابھی کسی ہیں آپ؟“

عدیل نے بات سنتے ہی فوراً اُتھی کا حال چال پوچھنا شروع کر دیا۔

میری اتنی پروا ہے تو بہن کی مہندی والے دن کچھ بیٹھو، جیتی، بچا اور میری ساری بہنیں آئیں بس بھائی کو خیال نہیں آیا کہ بہن کو رخصت کرتے۔

”اُتھی نے عدیل سے بہن والے مان کے انداز میں شکایت کی۔

”بھائی ایسے نہیں کیا کروں۔ بس امتحان قریب ہیں۔“ عدیل نے کچھ شرمندہ ہو کر جواب دیا۔

”قریب ہی کل تو نہیں دو دن میرے لیے نکل لیتے۔ میرے دل میں ہے ارمان نہیں کہ میرے سب بھائی مجھے رخصت کریں۔“

اُتھی نے کچھ بھڑکی اُنکھوں سے یہ کہا۔

عدیل نے سب سن کر کچھ سن سا ہو گیا اور اس کی آکھوں میں بھی نمی آگئی۔ مگر کرائی دیر بعد صرف اتنا

کہا۔

”میں کوشش کروں گا، آپ آئی آپ ایسا نہ کریں۔“

”اچھا آپ کی خدا حافظ۔“

”اللہ حافظ کہہ کر اُتھی نے بھی فون بند کر دیا۔

مہندی کی رات خراب بلکہ گراں بہا انتظار ڈھنگی کے ساتھ گانے لگتی بھائی ری۔ ایک طرف شادی کی

خوشی تھی اور دوسری طرف ذہنی کشمکش کے تمام سطر گردش کر رہے تھے۔ وہ بیٹھے کی۔

جس طرح قریب یا پانچ سال پہلے کی بات ہے۔

جب چچی آمد ابرا کی سانسوں پر اپنے بچوں کے ساتھ آئیں۔ چچی کے تین بیٹے تھے سب سے بڑی

میسوں اس سے باجی سال چھوٹی دیکھ اور اس سے ایک سال بعد پھر دو اور بچے آئے تھے۔

بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑے تھیں اور سے چھوٹی اُتھی اور پھر سب سے چھوٹی ابرا تھیں۔

میں جیکی تھی۔ چچی سانگہ سے ہمارا بچا دینے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کی بات بھی اسی سے کرتے آگئی

تھیں۔ وہ اپنی بڑی بیٹی میسون کا رشتہ کتیل سے کرتا

پاٹنی تھی۔ مگر اسی بات پر بعد تھیں کہ کتیل بھائی اُتھی اپنی تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ

اپنے بیویوں پر ٹکرتے ہو جائیں۔ وہ کی صورت کی کی جی کو پریشان نہیں کرتا جانتی تھیں۔ مگر جی ضد پر اڑی

ری کہ اختر بھائی (ابرا کے پاپا) سعودی عرب میں ملازمت کرتے ہیں ان کے گھر میں کی چیز کی نہیں

ہے۔ اس لیے جیکی کو اعتراض نہیں ہے۔ پر اسی نہ

مانتھا۔

پھر چچی اس کے بعد میں سے آگئی تھیں۔ ان کے گھر آتا چھوڑ دیا۔ ان کا فون بھی آتا بند ہو گیا۔ قریب

چار بار بعد اسوں کا فون آتا اور انہوں نے بتایا کہ میسون کا رشتہ ہو گیا ہے۔ مگر اسی نے یقین نہ کیا۔

”ہو سکتا ہے یہ افواہ ہو۔“ اسی نے کہہ کر چپ ہو گئیں۔ مگر واقعی پھر دو دن بعد میسون کی شادی تھی۔

”اسی چائے تیار ہے آپ کے لیے آؤں۔“

اُتھی آئی تھیں یہاں چائے پانے بناتے ہوئے کہا۔

اسی ڈانٹ کتیل پر بیٹھی بڑی بھاری تھیں۔ جب انہوں نے آئی کہ جواب دیا تھا اور ایک دم زور زور سے

روئے تھیں۔

”اسی چپ ہو جائیں بس کریں صبح سے رو رہی ہیں۔“

اُتھی آئی ایک دم سے چن سے باہر آئی اور اسی کو دلا دے دے ہوئے کہا تھا۔

”اسی آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“

چھوٹی ابرا اب پاس بیٹھی کتیل کا کام کر رہی تھی۔

دو ڈانٹیں پر بیٹھی جب اسی کو بلاتا دیکھا تو ان کے کمرے پر آکر کیا۔

”دو دن نہیں جاتی جا ہے جی مرضی ناراض ہو پر نہیں ہے بھول گئی؟“ اسی نے دوتے دوتے کہا تھا۔

”تھک ہے ہم بیویوں کا اتنا پیار تھا۔ بس تمہیں سے زیادہ اکتھے تھکتی تھیں۔ کوئی بات نہیں جو ایک

دوسرے سے چھپائی جو۔ ایک دوسرے کے بغیر واقعی نہیں تھیں۔ اب اسے کیا ہو گیا۔ میری بھائی میرے

بغیر رخصت ہو گئی۔“ اسی دوتے دوتے کہتی جا رہی تھیں۔

اُتھی ابرا پر اس سطر دیکھتے خود بھی رو رہی تھیں۔

مگر اسی کو چپ کر لیتی تھیں۔

ہوتے ہوتے چار سال گزر گئے اور دونوں بہنیں

اور بھائی دور ہو گئے تھے۔ دونوں 'رف' کے بیٹے ایک دوسرے کو ملنے کو ترستے تھے۔ مگر پتہ کی ماراٹکی کے آگے کو کچھ نہ کر سکا۔ پھر چار سال بعد جب ای کو شوگر کا مرض ہو گیا تھا۔ ای دن بدن کمزور ہوتے جا رہی تھیں۔ سہیل بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اب وہ ایک کپڑی میں انجینئر کی جاب کر رہے تھے۔ افسی آئی کی بھی سبکی ہو چکی تھی۔ مگر ای بہت علاج کے باوجود سہیل نہیں پاری تھیں۔

ایک دن ایپاک جگر کی فزاد ادا کرنے کے بعد انہوں نے بھائی سے چائے کا ایک کپ مانگا تھا۔ پر بھائی جب چائے لے کر ای کے کمرے میں گئی تو جانے پر بھی ای نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ بھائی صبر کر کے سے باہر آئی اور فوری سہیل بھائی کو بلایا۔ سب نے گھبرا کر ای کے پاس آئے تھے۔ سہیل بھائی نے ای کا سر پیار سے اپنی کندھے پر رکھا اور پیچھا مار کر رونے لگے تھے۔

”ای۔ ای۔ ای“۔ آواز ابیرا اور افسی کے کانوں میں بھی گونجی تھی اور وہ تیزوں بہن بھائی کی گھیرے ہوئے رو رہے تھے۔ افسی لوگ زندگی میں بھی دوسروں کو ایک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی موت بھی کئی لوگوں کو جزا دیتی ہے۔

یہ خبر قیامت کی طرح بکھرنے لگی تھی۔ پتہ پتہ دیوانوں کی طرح روتے گرتے پڑتے سب سے پہلے پہنچتے تھے۔ پتہ پتہ صدمے کے ایک سونے پر گر پڑے تھے۔ انھیں رورو رو کر لال ہو چکی تھیں پر کچھ نہ بول پا رہے تھے۔ جیسے آواز گھٹ کر گنگے میں قید ہو ای پھنس گئیں۔ انہیں دنگے کے بعد بھی پتہ پتہ ای سے معافیاں ملتی تھیں۔

”میری بہن مجھے معاف کر دو۔ یہ نہیں تھا مجھ سے اتنی روٹھ جاؤ گی۔ کاش میں چلی جاتی۔ اندر اندر سچی رہی تھیں کچھ نہ کہا وہ پھنسی تھیں مار دیتی۔“

چچی جین کرتی جاتی خود بھی روتی تھی اور سب کو بھی رلاتی تھی پر اب کیا فائدہ جب وقت ختم ہو گیا تھا۔ دو ہفتے پہلے چچی چلی اور دونوں بیٹے عدیل اور مدیر یہاں لے گئے تھے۔ جب عدیل اور ابیرا مرے بعد ملے تھے۔ پھون۔ ”نے کی وجہ سے ای کا صدمہ ابیرا نے دل پر بہت لیا تھا۔ دو دن کچھ نہ کھایا نہ کئی سے بات کی بس ایک کمرے میں خود کو بند کر لیا۔“

”ابیرا! کیا بات ہے یہاں ایکی بیٹی ہو؟“ عدیل نے کمرے کی لائٹ جلاتے ہوئے اندر آتے ہوئے کہا۔

”میں نام نہ نہ لے کھانا کھایا ہے اور نہ تم نے چلوں دم خود ساتھ ساتھ کھاتے ہیں۔ دیکھ یہاں تم میں ہوں پر ٹھیک ہے میں کھانا کھاتا ہوں۔“ عدیل نے کھانے کی ترسے پٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”دیکھو صدمہ خاموش رہتا ابھی بات نہیں۔ ورنہ تمہاری وجہ سے دنیا کی تمام لڑکیاں بدنام ہو جائیں گی۔ یا کوئی ریکارڈ بنانا ہے خاموش رہنے کا ٹھیک ہے میں گھڑی دیکھ رہا ہوں بعد میں Genius book میں آپ کا نام دے دوں گا۔“

عدیل نے خوب مزاحیہ انداز میں ابیرا کی کھنچائی کی اور گھڑی دیکھنے کا کوب سے بت بنی ابیرا نہ جانے کیوں زور زور سے ہنسنے لگی۔ اس کے گھڑی دیکھنے کے انداز پر۔

پھر چچی سب بچوں کو اپنے ساتھ ایک کمرے لے گئی تھی۔ افسی آئی بھائی اور بھائی علی کے ساتھ دو دن بعد واپس آ گئے تھے۔ پر ابیرا کو پتہ چلنے والی روک ٹوک کیونکہ اب وہ کچھ بہتر ہونے لگی تھی۔

چچی کے گھر میں وہ مدیر کے ساتھ زیادہ تر بیگن میں رہتی خوب باتیں کر تیں اور جب کام سے فارغ ہو جاتی تو سب کو لڑو بھی کھیتے۔ ”چلو آج اگر میں بیٹا تو سب کو آؤں کریم“

عدیل نے لڑو کھیتنے سے دونوں سے کہا۔ ٹھیک ہے مدیر اور ابیرا نے خوش ہو کر کہا۔ پھر چیتنے کے بعد جب عدیل آؤں کریم لایا تھا تب ایک عجیب سی حرکت اس نے کی۔ ایپاک عدیل نے آؤں کریم کھانے کے بعد ابیرا کو دیتے ہوئے کہا۔

”چلو یہ کھالو۔“ ابیرا نے اسے بہت خنک کیا مگر اس نے اتنی ضدی تھی کہ مجبوراً ابیرا کو ماننا پڑا تھا۔ مدیر یہ منظر دیکھ کر کچھ خاموش ہی ہو گئی تھی۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد جب ای چائے پیتے میں سب مصروف تھے۔ جب ابیرا نے روتی طرح عدیل کو دودھ کا گلاس گرم کر کے دیا۔ جیسے کہ یہاں آنے کے بعد یہ ذمہ داری ابیرا نے خود لی تھی تاکہ مدیر کا ہاتھ بنا سکے۔

”آج پھر دیر سے آنا۔ پہلے تو چا چاہیے تک کاغذ سے نہیں آتے تھے اور اب تو وہ دیکھ لی آ جاتے ہو۔“ مدیر نے مسکرا کر کہا۔

مدیر نے جیسے ہی یہ بات کہی سب کہتے میں ایپاک خاموش سے ہو گئے تھے اور عدیل نے دودھ پیتے ہوئے ایک دم گلاس منہ سے ہٹا کر اس کے منہ کی طرف سے مطلب سے کہا، مجھے پڑھنے کے لیے لے کر کے مشورے کی ضرورت نہیں۔“

”مدیر کیوں بھائی کو پریشان کر رہی ہو، مذاق کا وقت ہوتا ہے۔ جاؤ بیٹا کچھ گوری ہو رہی ہے۔“ چچی نے جب عدیل کو قفسے میں دیکھا تو فوراً پوزیشن سمجھا لے ہوئے تھے۔

”اللہ حافظ ای۔“ عدیل نے ٹھٹھے میں دودھ کا آدھا پیٹا ہوا گلاس پیٹ میں رکھا اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس دن کے بعد یہ بات سب کے نوٹ میں آ گئی

میری ہستی

میری ہستی تو یاد دہائی کی مانند ہے جہاں منزل پر پہنچا ہستی سے ملت گیا

علاقہ مت اڑا میری دیا گئی کا میں ابھی اک دیوانہ تھا سوچا بہت ملت گیا اس کی محبت کا سلسلہ تھا توں لڑکھٹا کی طرح میں رگوں میں اتر گیا روتی میں بے گناہ تھی وہ میری روح میں اکت گیا میں رنگینوں میں بٹ گیا میرے جرم کی سزا ہے یہ کہ مجھے کشتی سمیٹتے تھے

میں محو اس ریزہ ریزہ دھول سے تھی صدائیں دھول تو وہ لوٹ کر تھیں آئے گا اس کی اور کئی تلاش تھی وہاں کے میرے اکتانہ سفر سے پہلے چلنے کے کیا تھا مگر اب تو آج کئی

میں اٹھ رہے تھے آگے سفر میں ہے چھپ چھپتا نہیں ہے انہی ذات سے جو میں اس طرح جزا تھا میں نے جان لیا تھا وہ اپنے وعدے سے بھر گیا ہے اس کا دل شاید کہ میری محبت سے بھر گیا ہے اس سے پہلے کہ وہ اور تم مجھ پر ڈھائے میں کھینچ گیا۔ سو خود ہی اس کی راہ سے بہت گیا

(مارے نظر)

پہنچا۔

”میں تم جانے سے پہلے تو جواب دے دو۔“

اس پر ابصر صرف مسکرا کر خدا حافظہ کر کے راستے چلی گئی تھی۔

ابصر کے دل سے سوال پر رنگ ہوئی۔

”میں نے سوال کیا تھا تو اس پر سچ آیا ہوا تھا۔“

”میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔“

عید کا چہرہ خوش و خرم دیکھ کر ابلکہ کے دل کو دھڑکنے لگا۔ وہ مارے خوشی کے اچھل پڑی تھی۔ بعد میں ارد گرد لوگوں کو دیکھا تو کچھ نروس سا ہو گیا۔

دن گزرتے گئے ابصر اپنے کمر میں مصروف ہو

گئی اور فارغ وقت میں اپنے سوئچ باپ باپ میں

بیٹ پر عید کے خوب باتیں کرتی۔ ماں کے بعد

خاموش ہوئی ابصر کو عید کی باتیں وہ اس کی محبت آہستہ

آہستہ زندگی سے بھر رہی تھی۔ اب وہ خوب شہتی

اور خوش رہتی تھی۔ مگر ابصر کے لیے یہ کچھ محسوس کیا کہ

عید کا دن فون پر کچھ کم آئے گا۔ بات ہوئی تو ابصر نے

پوچھا تھا وہ کہنے لگا کہ کچھ مصروف ہے۔ بلا خاتما

ہو گئے۔ ابصر کے دل میں اس وقت کوئی جواب نہ

نے خوشی میں عید کو فون کیا مگر اس وقت کوئی جواب نہ

آیا۔ بلا خاتما کو کھانے کے بعد ابصر اپنی بیٹی

کرنے میں مصروف تھی کہ سوئچ پر رنگ ہوئی۔

”ہیلو السلام! تم عید کیسے ہو؟“

نام پڑھتے ہی ابصر نے فون اٹھا کر اتار لیا۔

”ٹھیک ہوں تم ساؤ۔“ عید نے بھی جواب دیا

تھا۔

”میرا کورس مکمل ہو گیا ہے اور ایک ہفتے بعد میں

پاکستان آ رہی ہوں۔“

زندگی سے بھر رہی ابصر نے خوشی سے کہا تھا۔

”اچھا کب آ رہی ہو۔“

دوسری طرف سے بس پورے پورے اعزاز میں

عید جواب دے رہا تھا۔

”اسے میں آنے کا کہہ رہی ہوں اور تم ایسے

جواب دے رہے ہو جیسے کوئی خاص خبر نہ ہو۔“

ابصر نے کچھ تھکی سے بھر پڑتے ہوئے ایسا کہا

تھا۔

”نہیں ایسی بات نہیں کہ آ رہی ہو؟“ عید نے

پھر سے پوچھا تھا۔ بات کو کھٹاتے ہوئے۔

پھر ایسا جواب ابصر اب پاکستان آئی تھی۔ ایئر پورٹ

پر اتارے ہی سب سے پہلے اس کی نظریں عید کی

دوسری طرف پڑیں۔ بھائی بھائی کی اچھی چھوٹی سب کو

لے کر پہنچ چکی تھی۔ بس۔ صرف عید کیسں تھا۔

اس کا چہرہ دھڑکنے لگا۔ سب کو کھینچنے سے وہ اس لیے

راستہ میں بھی گئی تھی کہ اس کی بچپن کی گڑھی میں مسکرائی

رہی تھی۔ زیادہ وقت نہ ہو رہی۔

کچھ سوچ کر کھانے کے بعد سب نے اسے آرام

کرنے کو کہا۔ وہ فوراً اپنے روم میں اوپر چلی گئی تاکہ

آرام کر سکے۔ یہ فوراً عید کو فون کیا۔ اسی گھنٹے کی

بادورینہ آنکھوں میں کہاں تھی۔ دل سرشت سے دکھ

رہا تھا کہ آخر کیا بڑیا ہے؟

”ہیلو! عید! السلام! ٹھیک تم ایئر پورٹ کیوں نہیں

آئے۔“

اس نے فوراً سوال پر فون کیا اور بلا توقف یہ کہا۔

”وہ میرے امتحان تھے ناں اس لیے۔“ عید نے

وضاحت دی تھی۔

”جوت کیوں بول رہے ہو۔ بتاؤ میں نے تمہارا

کیا بگاڑا ہے؟ وہاں ہو گئے تو بدل گئے ہو پہلے میرے

بیچے پڑے تھے اور اب مجھ سے دور بھاگ رہے ہو

صاف صاف بتاؤ۔“

ابصر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری پڑی تھیں اور

وہ بولے جا رہی تھی۔

”بات دراصل یہ ہے ابصر کہ۔“ عید نے کچھ کر

ابصر کے پاس پہنچے تھے وہ اور مدیجہ ایک روم میں
سوئے تھے۔ وہ کمرے سے باہر آئی فریج سے ٹھنڈے
پانی کی بوتل نکالی۔ ابھی پانی گلاس میں ڈالا ہی تھا کہ
ابصر اسے لگا کر پیچے کوئی کھڑا ہے۔ مگر دیکھا تو
عید تھا۔

”کیا ہو؟“ ابصر نے ہنس کر کہا۔

”میں یہاں پانی پینے آئی تھی اچھا چلتی ہوں۔“

ابصر نے فوراً وہاں سے جاتے ہوئے کہا تھا۔

”غصہ دار ابصر! تم سے کچھ ضروری بات کرنی

ہے۔“ عید نے ابصر کے اسے روکنے سے کہی۔

”کیا بات؟“ اس وقت سب سورہ میں بیٹھ کر

تھے۔ ابصر نے کھلم کھلا کمرے میں عید کو روکا۔

”کچھ بھی کہہ کر رہی ہے۔ میں تمہیں پسند کرتا

ہوں۔“ عید نے ابصر کے بھرپور محبت سے کہا تھا۔

”کیسی باتیں کر رہو۔ چلتی بھی نہیں مانتے گی۔“

ابصر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

”کیوں نہیں بیان میں سے بات کروں گا پر تم پہلے

جواب دو کیا تم مجھے پسند کرتی ہو۔“ عید نے محبت

سے سوال کیا تھا۔

ابصر خاموش رہی۔

”جوت! میں انتظار کروں گا تمہارے جواب کا۔“

عید نے یہ کہا اور ابصر خاموشی سے پانی کا گلاس

لے کر وہاں سے چلی گئی اور سبز پر لپٹ کر سو گئی

کوشش کرنے کی مگر پوری رات نیند نہیں آئی۔

کچھ دن وہاں مزید رہنے کے بعد وہ گھر واپس

آ گئی۔ کھیل بھائی نے اس کی خواہش دیکھتے ہوئے ابصر

کو دوسری ٹینس ڈیزائننگ کا کورس کروانے کے لیے بھیجا

تھا۔ تقریباً چار ماہ کا کورس تھا۔ وہاں ان کی ایک چھوٹی

اپنی فیلٹی کے ساتھ رہتی تھی۔ جن کے پاس ان کے

رہنے کا انتظام بھی ہو گیا تھا۔ ایئر پورٹ پر سب لگے

ساتھ عید چھوڑنے آیا تھا اور وہاں بھی اس نے

تھی۔ ابصر نے بھی نہیں کہا کہ سب ہوتا مگر محسوس کی
بار کیا تھا کہ عید اسے پسند کر رہے۔ پر اب ابصر نے
سوچ لیا تھا وہ زیادہ محتاط رہے گی نہیں پھر سے چلی
ناراض نہ ہو جائیں اور مدت بعد اسے کھانے ایک
دوسرے سے بھر دیا ہو جائیں گے۔

پھر ایک اور بات ہوئی تھی پندرہ دن بعد ابصر کا

ایف اے کا رزلٹ آ گیا تھا۔ سب نے اسے مبارکباد

دی تھی۔ چچا چچی عید سارے بہت خوش تھے۔

”ابصر! تو ابصر کو اپنا دینی ہوگی۔“ مدیجہ نے خوشی

سے کہا۔

ابصر بھی بہت خوش تھی۔ کیونکہ آج اس کا خوش

تھے۔ بلا خاتما کو کھانے کے بعد ابصر نے کھانے کو فون کر

کے سب کے لیے برگرز منگوائے تھے اور بھائی بھائی اور

نہیں ملی۔ اسی آئی کوئی بلا تھا۔ ابصر خود اٹھ کر سب کو

برگرز کھانے لگے۔ لیکن میں گئی۔ جبکہ گولڈ ڈسک

اور گلاس دھرنے بیٹھے۔ ایک ایک بھائی بھائی میں

آئیں اور دونوں کھانا کھانے لگے۔

”نہیں بھائی میں سب کر لوں گی۔“ ابصر ابصر

بھی رہتے وہاں ایسے کہ وہاں سے جیسے بیوہ کا کمرہ ہو۔“

مدیجہ نے بھائی کے جواب میں اس طرح کہا تھا

کہ ایک ایک ابصر کے ساتھ ایک دم سے رک گئے تھے۔

وہ بتی کھڑی تھی۔

”اسے جلدی کریں باہر سب انتظار کر رہے

ہیں۔“

ایک کھیل بھائی بھائی میں آئے اور سب کو کہا۔

”بس آ رہے ہیں بھائی! جلدی کرو۔“

مدیجہ نے حالات کو کھٹاتے ہوئے کہا تھا اور ابصر

اس کے ساتھ باہر چلی گئی۔

پانی میں سب لوگ کھائی رہے تھے۔ مگر ابصر کو یہ

جملہ چھوڑ رہا تھا۔ وہ کچھ بھی کراہ ضرور کچھ ہوگا۔

مگر وہ ابصر جب رات کے دو بج رہے تھے ابصر

سا گیا تھا۔

”کمرہ..... کیا ہوا“

ایرا نے بلا توقف بے چینی سے کہا۔

”میں اکیلا لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ پر اب اسے احساس ہوا ہے وہ چاہتی ہے میں اسے ایک موقع اور دوں میں صرف تم سے بھداری کر رہا تھا۔ مگر میں سمجھتا تھا تم سے محبت ہو گئی ہے اس لیے“ عدیل نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

”اے میں کیا؟ پہلے مجھ سے انکار کرانے کے لیے پیچھے ہٹ جاتے ہو پھر ایک جملہ کہہ دیتے ہو کہ یہ سب کچھ بھداری تھی۔ اس بات کیلئے میں تو سب بات بن گئی تھی۔ تمہاری بیعت نے مجھے مکرانا سکھایا، اب تمہیں کوئی بات ہو گیا ہے؟“

ایرا نے اس مسئلہ کو دھتے دھتے یہ کیا تھا۔ عدیل نے اسے سمجھ نہ کر لیا اور ایرا نے بھی فون بند کر دیا۔

باہر کھڑکی میں زوردار بارش ہو رہی تھی اور ایرا آفسوں میں بھرا چہرہ کے کمرے اور کتنی جاری تھی اور روتی جاری تھا۔

”ایرا کیا بات ہے۔ سب لوگ سو گئے ہیں تم بھی آرام کرو۔ کچھ بات سے اور بہت کام ہیں۔“

رات بھر سارے واقعات سوچتے سوچتے ایرا صبح کے چار بجے صوفے پر بیٹھی تھی اب تک نیند آنکھوں میں نہیں آئی تھی۔ اچانک آتشی باہمی کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔

”آتشی! آئی، آپ یہاں کب آئیں؟“

ایرا یہ کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ جب اس نے مہندی کے لباس میں بھی آتشی کو اپنے قریب دیکھا۔

”جھوٹو، چینی سے کیونکہ اسے لیے ای پر بہت زور دیا، پر ای اس کی بیٹی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ سہیل بھائی بچہ رہے تھے۔ وہ جب بھی نہیں

گئی۔ اسی بات کا فائدہ نکال رہی ہیں۔“

آتشی نے بہت محبت سے ایرا کو سمجھایا۔

”پر آئی میں نے بھی عدیل کے بارے میں نہ سوچا تھا۔ پہلے خود پر پڑ گیا اور اب خود چھوڑ دیا۔ آپ کی شادی پر بھی نہیں آیا۔ کیا ہم ایسے رہے ہیں؟“ وہ آتشی سے ایرا نے بڑے دہی انداز میں یہ کہا۔ وہ بھی دنگی ہو گئی۔

”بس اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو، اگر وہ ساتھ دیتا تو بھائی بھائی، پاپا کو میں خود بتا دیتی۔ وہ چینی سے رشتہ مانگ لیتے۔ تم نے اب کچھ نہیں سوچنا اور پتا خیال رکھنا ہے، جیسے ہنسنا شروع کیا تھا، ویسے ہی رو کی ہوشیار ہو۔“

آتشی نے بہن کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا اور یہ سارے ایرا کو سمجھنے لگا تو دونوں بیٹیں خوب روئیں۔

آتشی کی شادی کے بعد ایرا نے ایک بویک پر چاہ کر شروع کر دی اور پھر زندگی معمول پر لانے کی کوشش کی۔ اب پاپا بھی صوفوں پر عرب سے واپس آ چکے تھے۔

بھائی بھائی اور پاپا کے ساتھ رات کے کھانے پر سب اکٹھے ہوتے۔ ایرا خوش رہنے کی پوری کوشش کرتی۔

”کچھ تھا پر اب چٹنا کھینک لیا تھا۔“

ایک دن سب لوگ شام کی چائے پر اکٹھے چائے پی رہے تھے۔ ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے آج ایرا ابھی سارا دن گھر پر تھی۔

”ایرا یہاں پر آ کر بیٹھو۔“

سہیل بھائی نے پیار سے ایرا کو اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔

”کیا بات ہے بھائی؟“

ایرا نے بھائی کے پاس بیٹھنے کو بے پورا۔ ”تمہارا ایک رشتہ آیا ہے چھوٹی عدا کے گھر سے۔“

سہیل بھائی نے ایرا جن کے گھر دعویٰ میں ٹھہری تھی۔ ان کے بیٹے کا نام لیا۔

”خفا چھوڑا کہ ہے۔ دعویٰ میں اچھی ملازمت ہے اس کی۔ تم کو اس کے دوران چھوٹی کے پاس رہی ہو۔ اب میں تمہارے عادت و اطوار بہت پسند آئے۔ اس لیے خود انہوں نے ہم سے رشتہ مانگ ہے۔“

سہیل بھائی نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

”پر بھائی ابھی تو میں کام کرنا چاہتی ہوں۔“ ایرا نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

”چنگی! کام بھی کر لیتا۔ پر ان کاموں میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ تمہاری تعلیم پوری ہو چکی ہے۔ چاہا بھی کر لی۔ بانی شادی کے بعد کر لیتا۔“ بھائی نے حویہ کہا۔

”رشتہ اچھا ہے مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی۔“ سہیل بھائی نے ایرا کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

”پلو سوچ لو پھر بات مانا۔“

ایرا کچھ خاموش ہو گئی تو بھائی نے حویہ وقت دے دیا۔

رات کو ایرا اپنے بیڈ پر لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی کہ

”ایرا تمہارے ذہن اسٹری فکٹل ڈراما کے دور میں روٹی تھی یہ لو۔“ بھائی نے کمرے کے اندر آتے ہوئے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے کچھ پریشان ہو؟“

بھائی نے ایرا کا چہرہ دیکھتے ہوئے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”مجھ کو ایرا نصیب اوپر سے کئے ہوئے ہوئے ہیں۔ انسان تو صرف کوشش کر سکتا ہے۔ اگر عدیل تمہارے ساتھ ہوتا تو چینی سے اچھا کون تھا۔ پر جب

اسی ساتھ نہیں تو انتظار کیا؟“

بھائی نے بھی ایرا کو سمجھایا۔

”چھو چھو اچھی ہیں۔ تم دور چلی جاؤ گی پر میں اطمینان ہو گا کہ تم آئیں جانتے ہیں۔ پھر بھی خفا کے بارے میں سوچو تو اس کی اس میں نہیں ہیں۔ وہ تمہیں چاہتا ہے خوش رکھے گا تمہیں۔“

بھائی نے بھی خوب وضاحت دی۔

”بھائی!“

بھائی کمرے سے اٹھ کر باہر جا رہی تھی جب ایرا نے آواز دی۔

”آپ کچھ ہو کر ہاں کہہ دیں۔“

ایرا نے بھائی سے مسکرا کر کہا۔

”میری مرضی کے لیے میں اپنے سب محبت کرنے والوں کا دل میں تو رہتی۔“ ایرا نے حویہ کہا۔

”بس تمہاری باتیں سن کر ایسا کو بتاتی ہوں۔“

بھائی نے کمرے کے کمرے سے باہر چل گیا۔

اب ایرا کا چہرہ مطمئن تھا۔ دو سوچنے لگی کہ ایک شخص کے بارے میں سوچتی رہی تھی اس کو اس کی پروا تک نہیں۔ اب کھر والوں کے بارے میں سوچا ہے جو اس سے اپنی محبت کرتے ہیں۔ بھرو دوس پڑی۔

”میں اب نہیں نہیں رو رہی لی۔“ یہ کہہ کر اس نے

”ایرا بات سنو۔“

ایرا بویک سے واپس گھر جانے کے لیے ابھی نکلی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی تو وہ روک گئی۔

مڑ کر دیکھا تو عدیل کھڑا تھا۔ ایرا نے صفے سے منہ پھیر لیا اور بھاری قدم اٹھاتی ہوئی چلتی گئی۔

”ایرا! ایک بار میری بات تو سن۔“

عدیل نے اس کے پیچھے چلتے ہوئے اتکا ہوا اس کے قدم رک گئے۔

”کیا بات ہے؟“

ایبرائے عدیل کا چہرہ دکھا جو بہت ٹھنکین تھا۔ تو بس اتنا کہا۔
”نہیں سڑک پر کیا تباؤں چلو مائے ریسٹونٹ میں بات کرو ہیں۔“ عدیل نے ایبرائے کہا۔
”بھائی آئے والے ہوں گے۔“ ایبرائے نے نظریں جھکا کر کہا۔

”میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا پر میری بات سن لو پہلے۔“ عدیل نے پھر سے منت کی۔
”ٹھیک ہے چلو۔“ ایبرائے مثبت کیلئے سر ہلکا۔
”دیکھو ایراج تمہاری بہن کو کہ میں نے تمہیں دھوکہ دیا ہے پر ایسا نہیں ہے۔“

عدیل وضاحت دے ہوئے بولا اور ایبرائے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”اگر کوئی بات چہ بھلی گیا تھا۔ جب تم مجھے گھر رہنے آئی تھیں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ پر وہ خاموشی میں اس دن جب میں نے اسی سے بات کرتا چائی۔ اس دن میری آہنی روٹی گھر کوئی نہ آئی۔ ان کی سال کی تھی تو کچھ برس پروردگار بھائی نے انہیں بھیج دی ہیں۔ کوئی نہ کوئی ڈیمانڈ کرنے ابو ان کی فرمائش پوری کرتے کرتے تنگ کر دی ہیں۔ اور وہ

ای کا سارا زول صرف تم لوگوں پر تھا ہے۔ وہ لوگ نہیں ہیں کہ تم لوگ ان کی بات مان لیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ وہ

میں تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور پلا خرچا کو لان لے کر ان کی ڈیمانڈ پوری کر پڑی۔ میں نے آئی کے جانے کے کچھ دن بعد اسی سے بات کی تو وہ آگ بگڑا ہو گئیں۔ نہیں مانی میں نے تم سے پھیلا اور سارا اصرار خود ہی لے لیا۔ تاکہ تم دوبارہ اسی سے دور نہ ہو۔“

”نہن اسی دوران سوہاں پر رنگ ہوئی تو سہیل بھائی کا فون تھا۔ بھائی آپ لینے منت آئیں میں اپنی دوست کے ساتھ وہی مجھے گھر ڈراپ کر دے

گی۔“

ایبرائے جب عدیل کی بات سنی تو کچھ نرم پر مگی اور فون پر ایسا کہہ کر عدیل کو یقین دلایا کہ وہ اس کی بات سن رہی ہے۔

”اب ان سب باتوں کا کیا فائدہ سب کچھ تو ختم ہو گیا ہے۔“ ایبرائے باہمی سے کہا۔
”تمہیں انکار کرنے کے بعد میں ایک دن بھی

تھیں سے نہیں رہ سکا۔ بہت رویا ہوں۔ خود کو بہت سمجھایا۔ بس اب میں شادی کروں گا تو تم سے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں کسی سے شادی نہیں کروں گا۔“

عدیل نے ایبرائے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوری محنت سے کہا۔

ایبرائے نے آہنی روٹی سنی کہ اب کیا کرے۔ مگر والوں کو کیا سمجھائے۔ اس نے اُٹھ کر فون کو فون کیا اور

سارے حالات بتائے۔
”تم ایک لمبے وقت انسان پر کیسے بھروسہ کر سکتی ہو۔“

اُٹھ کر فون پر ایبرائے سے پوچھا۔
”پر تمہیں کچھ آخر اس کی ماں ہے۔ ماں کے آگے

کوئی بھی ہے جس کو دسک ہے۔“ ایبرائے اُٹھ کر آئی تو بھائی سے کہتا۔

”تو کل کو اس کی ماں تمہارے ساتھ ظلم کرے گی۔ اپنی بٹی کے بدلے لینے کے لیے تو تم کیا کرو گی یا

عدیل کیا کرے گا؟“ ایبرائے نے حیرت سے پوچھا۔
”پہلے مجھ کی خاطر تمہیں چھوڑا تھا۔ پھر چھوڑ دے گا۔“

”میں کیا کروں آئی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ ایبرائے یہ کہہ کر زور زور سے رونے لگی۔

”جتنی دیر میری جان میں کچھ کرتی ہوں۔“ ایبرائے نے ایبرائے کی دیر سے کہتا۔
”اُٹھ کر فون کرنا کہ اب کو عدیل کو ریسٹونٹ میں ملنے کے لیے کہا۔ ایبرائے عدیل کو فون کیا اور دوسرے دن

تینوں ایک ریسٹونٹ میں ملے۔

”عدیل جو ایبرائے کہہ رہی ہے تم واقعی چچی کو مٹا لو گے؟“

ایبرائے نے آکس کریم کھاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

”جی آئی اے میری کوئی بات نہیں تھیں تھیں۔“ عدیل نے یقین لاتے ہوئے کہا۔
”پر وہ نہ مانی تو؟“

ایبرائے پریشانی سے سوال کیا۔
”تو میں کسی سے شادی نہیں کروں گا، جب میں

کسی لڑکی کو محبت نہیں دے سکتا تو اس کی زندگی برباد کیوں کروں؟“ عدیل نے پوری پختہ بات سے پہلے

کہا۔ ایبرائے سنا کر کہی۔
”دیکھو ہم ایبرائے کی بات سنا چکے ہیں کچھ دن میں پوچھو کو معنی کی تاریخ دینے والے ہیں۔ اس کے بعد

کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ ہاں ایک آغیزا ہے میرے پاس۔ اسی ہفتے چچا چچی اور تمہارا رشتہ کر کے آج میں تو

میں حالات کو سنبھال سکتی ہوں۔ پھر بھائی اور پاپا کو مٹا سکتی ہوں۔“ ایبرائے نے بڑے چارے سے عدیل کو بے ساری

بات سمجھائی۔
عدیل اور ایبرائے کا چہرہ بے سن کر مل رہا تھا۔

”ٹھیک ہے آئی میں اسی پاپا سے بات کرتا ہوں۔“ عدیل نے خوش خوشی کہا۔

اور کار کا رولنے پاپا کیلئے کچھ پوچھتی ہوئی ہے۔
ایبرائے نے جان کر ساری بات بھائی بھائی اور پاپا سے کی

اور انہیں بھی بتا لیا۔ صبح سے بھائی اور اُٹھ کر آئی بکن میں تیار ہوں میں مصروف تھے اور بھانے بھانے سے

بھائی اور اُٹھ کر آئی ایبرائے کو پیچھے رہے تھے۔ وقت گزرنے لگا کھڑی میں بارہ بجے پھر دوپہر کے دو بجیں نہ گئے۔

پھر پاپا اور آخر کار شام کے چھ بجے پر کوئی نہ آیا۔ ایبرائے بھی خاموشی سے اپنے موبائل کو دیکھتی اور کبھی ایبرائے

ایبرائے نے عدیل کو بہت کڑکیں پر اس نے ایک بھی نہ اٹھائی۔ آخر رات کے دس بجے ایبرائے کا فون عدیل نے اٹھایا۔

”ہاں! عدیل کہاں ہو تم صبح سے سب چچا چچی کا انتظار کر رہے ہیں۔“ ایبرائے نے بلا تسلسل کہا۔

”آئی اے! کئی کاروں پر ایک ڈاکٹر ہو گیا ہے۔ ہم سب ہسپتال میں ہیں۔“ عدیل نے روتے روتے کہا۔
”کس ہسپتال میں ہو؟“

نام پتہ پوچھنے کے بعد سب گھر والے چچی کا پتہ لیا۔ ہسپتال میں گئے۔ ایبرائے یہ سب سن کر کچھ کی جھکی کہ

چچی کو کیوں یہ مرض ہوا۔ کئی بھائی نے ہسپتال کچھ کر کے دیکھا اور پاپا نے پھر دونوں نے عدیل کو بھی خوب دھمکا دیا۔ جب بھائی اور اُٹھ کر

سنبھالنے میں مصروف تھے۔
”مہ لوگ کیا ہے شہر تھے کیا کہ کوئی بھی نہیں کیا

کہا۔ آپ نے چچی۔ کئی بھائی نے پیار سے چچا سے شکوہ کیا۔

”بس چچا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔“ چچا نے آہ بھر کر کہا۔

ڈاکٹر سے اجازت ملنے کے بعد سب لوگ چچی کے ارد گرد جمع تھے۔ دونوں کچھ کہہ کر والوں کے لیے کھانا

بانا چھائی نے اپنے ذہن کیا۔ جبکہ چچل اور سب کے لیے چائے اُٹھائی۔ چچی بھی چائے میں آئے کے بعد

بھی دو تین دن تک بے جان رہی صرف سوچتی رہیں۔ جیسے اپنا احساس کہہ رہی ہوں کہ وہ کیا کر رہی ہیں، یہ کیسی غم ہے اور کیوں؟“

پاپا ٹھیک ٹھیک ہونے کے بعد چچی چچی کو گھر لے آئے۔

”اب کیا سوچ رہی ہو؟“

چچا نے سوپ کی پیالی چچی کے آگے بڑھا دی۔

ہوئے کہا۔

”اللہ نے ہر آدمی کو کیا ہے ہم پر اور دیکھو ایک بٹے بعد بڑی میری بھی ہے۔ اب تم نے مجھے شہر دینا ہے کہ اس بار قربانی کسی ہونی چاہیے کہ کو کھانا ہے اور عظیم کام تم ہی کے منسوبنا ہے۔ یہ مجھے ہٹانے، عظیم والا کام مجھ سے نہیں ہوتا۔“

چچا، چچی کا دل بہلانے کے لیے بولتے جا رہے تھے۔

”عدیل کیسا ہے اتنے دن میرے پاس رہا پھر بولنا نہیں۔ بڑا نہیں کیا وہ بیڑا لے لے کر رہے گا۔“

چچی کچھ کھوٹی ہوئی بس بولے چل جا رہی تھی۔

”تم سب کو یاد کرو مجھے بولنا۔“

چچا نے غر کرتے ہوئے غریبی دیتے ہوئے کہا۔

میں نے بیٹھنے کے لیے باہمی کی مینٹری کی جس پر انہوں نے میری ایک دھڑکی دینی۔ چچی نے صرف اتنا کہا۔

”مجھ تو کیا بھائی نے، دیکھ لو ہمارا داماد کیا کھانا ہے۔ ہر دوام بعد ایک غم خیز ہے کہ چاہے مٹی ہے پر آج تک ہماری بیٹی نے اس کے چہرے کا کچھ نہیں دیکھا۔ اب اس سے تمہاری بہن تمہیں بھانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ تم سے اور بیٹھنے سے محبت کرتی تھی۔ غم خیز خند میں ایسا کیا اور بیٹھنے آج تک وہی ہے۔ تنگ کی ہوں ان کو کون کی ڈیڑھ بڑا پھری کہ کے ہم دیکھ کر ہنس کر لکھا تو بیٹھنے میں کرتی جیسے آج ہماری سب کھانسی کی بیوی کر رہی ہے۔“

چچا نے قصصا ساری وضاحت دی۔

”اور دیکھو اب اس کی بھی سے نہیں وہ چچی رو کر ہے بالکل بھائی کی تصویر پر بھی نہیں ہوئی۔ اس سے بھی متاثرہ لگا لیا۔ عدیل نے دل کی بات کیا کی زبوں بریک ڈاؤن کر لیا۔ پہلے بنی خودی وہ تکلیف میں ہے۔ اب بہن کے بعد اپنا بیٹا کھو دیا ہے وہ تم سے محبت کرتا ہے اس لیے نہیں مانتا ہے۔“ چچا نے مزید

کہا۔

”اولاد تنگ ہے ہماری درندہ خود بھی شادی کر سکتا ہے۔ کون روکے گا اسے عاقل و باطن ہے۔ صرف یہ تنگ پرورش ہے کہ ہم سے اجازت لے کر شادی کرنا چاہتا ہے۔ اپنی اچھی اولاد کو تم مجھ نہیں پائی۔ حق ایک حد تک جتنا چاہیے اگر خد بن جائے تو انسان صرف نقصان اٹھاتا ہے۔“ چچی خاموشی سے یہ سب سنتی رہیں۔

ایک بٹے بعد بڑی میری بھی۔ ابھارنے سے یہ دیکھتے ہوئے افسی آتی ہے کہہ دیا تھا کہ یہ رش ختم ہی نہیں اور میرے کہ بعد کہہ کر منگنی کی تاریخ رکھ دیں۔ سب میری قربانی کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جامعہ رات پر پایا بھائی سب جانور لینے کے لیے گئے۔ افسی آتی ہے کہ میری قربانی تھی۔ شادی کے بعد پہلی قربانی میرا میں تھی۔ لہذا طے پایا دوسرے دن صبح ہی جیسے آج یا میں کی۔ دیے بھی دعوت تھی۔ اچانک دروازہ کھٹکا بھائی اور افسی تو بچن میں مصروف تھے۔

ایک ایک ابھارنے دروازہ کھولا اور سن ہی ہو گئی۔

”کون ہے ابھار؟“ بھائی نے بچن سے آواز دی۔

پر ابھار شاگ میں دروازے کو دھکیلتی جا رہی تھی۔

چراغوں کی آواز نہ آئی تو بھائی دوڑتی ہوئی بچن میں سے باہر آئی۔

”چچا چچی السلام علیکم آئیں ما میری مبارک۔“

بھائی تو خوشی سے اچھل پڑیں۔

”ابھار اجاؤ پایا کو تھوڑا چچا چچی آئے ہیں۔“

بھائی نے ابھار سے کہا وہ دھکتے کے عالم میں اب بھی انہیں دیکھتے جا رہی تھی۔

”ابھار“

بھائی نے ابھار کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں بھائی۔“ ابھار چونک کر بولی اور اندر جا کر

بتایا۔

چچا، چچی اور ابھار کے سب گھر والوں نے مل کر کھانا کھایا۔ بھائی نے بھی، پرانی، شامی کباب وغیرہ مزے کے بنائے تھے۔ جبکہ ابھار اور ابھار نے ان کی خوب مدد کی تھی۔ چچا چچی نے ہر چیز کی خوب تحریف کی۔ ابھار کے سب گھر والوں کے ذہن میں یہ بات واضح تھی کہ اب عدیل اور ابھار کے رشتے والا Chapter ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ وہ صرف مہمان نوازی اور چچی چچا کے محبت میں خوش ہو رہے تھے۔ اور اب ابھار ابھی اس بات سے مطمئن تھی کہ اس کا رش پھوٹتی ہے گھر ہو جائے۔ کیونکہ اس نے ہسپتال میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ چچی کی تکلیف کا باعث نہیں بن سکتی۔

کھانے کے بعد ابھار سب کے لیے آکس کریم لے کر آئی اور سب کو روک کر دے گئی۔ جب چچا کوئی تو انہوں نے آکس کریم لیے ہوئے ابھار سے کہا۔

”آؤ بیٹھنا میرے پاس بیٹھو۔“

ابھار بھی احترام اٹھا چکی تھی۔

”خیر بھائی میں کچھ نہیں چاہتا ہوں۔“ چچا نے ابھار کے پایا سے کہا۔

”کیونکہ انہوں نے جواب دیا۔“

”بھائی کو مجھے ہونے کی سال ہو گئے۔ پر اب بھی دیکھو ویسے ہی ہے جیسے ان دن تھا کاش ہم انہیں روک سکتے۔ پر ان کی ایک تصویر میں اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔“

چچا نے دوتا یہ کہا تو سب ایک دم چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”میرا مطلب ابھار مجھے دے دیں۔ یہ میری بیٹی ہے اور میں اسے اپنی بیٹی بنانا چاہتا ہوں۔“ چچی نے منافق ساف کہہ دیا۔

”پر بھگوار ابھار کا رش ہم لے کر کے ہیں اور میر

قربان کے بعد ہم اس کی بجائی کی تاریخ رکھنے والے ہیں۔ ہمیں تم سے زیادہ عزیز کوئی نہ تھا، پر وہ کر دی تم نے۔“

ابھار کے پایا نے دکھ سے وضاحت کرتے ہوئے غمزدہ نظر کر لیا۔

چچا میں یہ سن کر کچھ بہت ڈری وہ سر جھکا کر بیٹھے رہے پر چچی نے فوراً مت دھکا کر لیا۔

”خیر بھائی میں نے اپنی غلطی سے اپنی بہن کو مار دی۔ اسے بہت دکھ دیا۔ پر اب اپنی بیٹی لے جا کر اسے خوش دیا جانتی ہوں۔ یہ حق مت سمجھئے۔“

چچی نے یہ کہہ کر دروازہ سے روٹا شروع کر دیا۔ تو ابھار کے پایا سے دیکھنا نہ لیا۔ انہوں نے چچی کو سر پر پیار دیا اور چپ کر کے لگا لگا۔

ابھار کے پایا کی آنکھیں بھی یہ سن کر نم تھیں۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے عدیل بھائی کو دیکھا۔ جو پہلے ہی رو رہے تھے۔ عدیل بھائی نے آنکھوں سے ہاں کہہ دینے کو کہا۔

پایا نے ابھار کو اٹھایا اور چچی کے پاس لاتے ہوئے کہا۔

”لو سنبھالو اپنی بیٹی کو۔“

چچی نے ابھار کا کھانا چاڑھ کر باور اسے پیار سے گلے لگے

”میں کریں بھی عید کا دن ہے اب کوئی نہ روئے۔ آج تو بڑی خوشیوں والا عید ہے۔ سب کی طرف سکر کر کہا۔“

ایک خوشی کا تہوار تھا ابھار کی سالگرہ کا چچا جب ان سے دور ہو گئی اور ابھی اس صدمے سے چلی گئی اور یہ بڑی عید تھی جو اس کے لیے روئے رشتے، احساس اور محبت سب لے کر آئی اور سب مستوں میں عید کا مزہ دھالا ہو گیا۔ بڑی عید بڑی خوشیاں لائی۔

☆☆☆

جگمگے ہمنگر

غزالہ جلیل راء

محبت کے جذبے قلبی کے پروں پر ہے وہ خوشنواش و نگار نہیں ہوتے
جو کسی کی کم نہ تھی مگر اپنا کپار رنگ چھوڑ کر خود ابدی خند سو جائیں اور
اگر یہ کھرے جذبے کسی عورت کے ہوں تو اس کی چاہت کے
دھک رنگ دل کی گہرائیوں تک اتر جاتے ہیں۔

ایک ایسی لڑکی کی کہانی جو دمہ داروں کے ہار گولی اپنے نازک شانوں پر لے
کر کھرے باہر نکلی تو اسے قدم قدم پر اک نئے امتحان کا سامنا کرنا پڑا۔



مسافر تو چھڑتے ہیں رفاقت کب بدلتی ہے
محبت زندہ رہتی ہے محبت کب بدلتی ہے
تجہبی کو چاہتے ہیں تجہبی سے پیار کرتے
برسوں سے یہی عادت ہے اور عادت کب بدلتی ہے

”نیک کام میں درپیش کرنی چاہیے محترم مددگار۔“
 ”نیک ہے میں جتنی ہوں۔ ہوٹل کے واجبات بھی ادا کرنے ہیں اور موسم بھی اچھا نظر نہیں آ رہا ویسے بھی ہوٹل یہاں سے بہت دور ہے۔“
 ”اے خدا حافظ۔“

آیان نے اسے خدا حافظ کہا اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔
 ☆☆☆

اگلے دن وہ وارڈن کے پاس گئی تاکہ واجبات ادا کر سکے۔ مگر اس کی بات سن کر اس کو اپنی ساتھیوں پر دھوکہ ہوا۔
 ”دانیال صبح آپ کے سب واجبات ادا کر گئے تھے۔“
 ”کیا سب؟“ وہ دھیرے سے چینی تھی۔
 ”ہاں کی وجہ سے ایک ہفتہ بعد۔“

اس نے دو قسمی امتحان لیا۔ پہلے کلاس کا پورے گھنٹہ گزارا۔ اسی لیے فوراً تھک لیجے میں اس نے کہا۔
 ”آپ کو اٹھ کر دینا چاہیے تھا۔ آج تک اپنے واجبات میں خود ادا کر لیں آئی ہوں تو اب بھی میں خودی کرتی۔“
 ”مگر آپ نے۔۔۔“

”جتنی بعد آپ لیں گے تمہاری ہی ہے اس کے بعد۔“ کچھ بھی عجیب یا تعجب کی بات نہیں۔
 ”آپ صرف وہ کہہ رہی ہیں جو سیکس ہے۔ لیکن آپ کو یہ احساس مند ہونا چاہیے۔ میری وجہ سے آج آپ یہاں ہیں۔ اگر دانیال بروقت نہ آتا تو اب بھی بیل کی سلاخوں کے پیچھے کڑی نظر آتیں۔ سوئی کس کے معاملات کو اس نظر سے نہ دیکھو کہ دوسرا قصور اور نظر آئے۔ یہی حقیقت کی نظر سے دیکھو اور قصور ہی کے بعد بات کرو۔ میرا خیال ہے ابھی بھی آپ کو کھینٹ ڈالنی تو پھر بھی نہیں آئے گی۔“

وہ صے میں اسے نہیں ہوتی آئی۔ صے سے اس کا پر حال تھا۔ وہیں سے وہ تحریک بلڈنگ کے لیے نکل آئی۔
 ☆☆☆

وہ وہاں پہنچی تو کافی دیر ہو چکی تھی لیکن آیان کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا وہ پہنچا تھا کہ نہیں۔ وہاں کھڑی کافی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی اور دیر سے دیر سے بلڈنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے دل میں آیان کے آنے کی دعا کی۔ وہ نہ پہلے دن ہی باہر دو تیکہ کے سامنے چلے جا رہا تھا۔ وہ لٹ سے فلیٹ پہنچ چکی اور وہ بڑبڑا رہی تھی۔
 ”سوئی دور ہو گئی تھی۔“ اس نے آواز پر مڑ کر دیکھا تو وہ اس کی پشت پر کھڑا ہوا۔ جلدی جلدی میں بڑبڑا رہی تھی۔
 ”میری دیر ہو گئی تھی۔“ اس نے آواز پر مڑ کر دیکھا تو وہ اس کی پشت پر کھڑا ہوا۔ جلدی جلدی میں بڑبڑا رہی تھی۔

”میں جب پہنچا تو لفٹ چل چکی تھی۔ میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا اسی لیے فوراً بڑبڑا رہا تھا۔“
 ”وہ اسے کہنا چاہتا تھا اگر سو بائیس نمبر پاس ہوتا تو یہ مسئلہ نہ ہوتا لیکن جانتے ہوئے بھی وہ یہ نہ کہہ پایا۔ کیونکہ اسے کل وہاں معاذ ہوا تھا۔“
 ”اے کچھ دیر بعد اس کا انتظار کرنے لگے اور کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ باہر وہ بیٹھ مسکراتی

”نیک کام میں درپیش کرنی چاہیے محترم مددگار۔“
 ”نیک ہے میں جتنی ہوں۔ ہوٹل کے واجبات بھی ادا کرنے ہیں اور موسم بھی اچھا نظر نہیں آ رہا ویسے بھی ہوٹل یہاں سے بہت دور ہے۔“
 ”اے خدا حافظ۔“

آیان نے اسے خدا حافظ کہا اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔
 ☆☆☆

اگلے دن وہ وارڈن کے پاس گئی تاکہ واجبات ادا کر سکے۔ مگر اس کی بات سن کر اس کو اپنی ساتھیوں پر دھوکہ ہوا۔
 ”دانیال صبح آپ کے سب واجبات ادا کر گئے تھے۔“
 ”کیا سب؟“ وہ دھیرے سے چینی تھی۔
 ”ہاں کی وجہ سے ایک ہفتہ بعد۔“

اس نے دو قسمی امتحان لیا۔ پہلے کلاس کا پورے گھنٹہ گزارا۔ اسی لیے فوراً تھک لیجے میں اس نے کہا۔
 ”آپ کو اٹھ کر دینا چاہیے تھا۔ آج تک اپنے واجبات میں خود ادا کر لیں آئی ہوں تو اب بھی میں خودی کرتی۔“
 ”مگر آپ نے۔۔۔“

”جتنی بعد آپ لیں گے تمہاری ہی ہے اس کے بعد۔“ کچھ بھی عجیب یا تعجب کی بات نہیں۔
 ”آپ صرف وہ کہہ رہی ہیں جو سیکس ہے۔ لیکن آپ کو یہ احساس مند ہونا چاہیے۔ میری وجہ سے آج آپ یہاں ہیں۔ اگر دانیال بروقت نہ آتا تو اب بھی بیل کی سلاخوں کے پیچھے کڑی نظر آتیں۔ سوئی کس کے معاملات کو اس نظر سے نہ دیکھو کہ دوسرا قصور اور نظر آئے۔ یہی حقیقت کی نظر سے دیکھو اور قصور ہی کے بعد بات کرو۔ میرا خیال ہے ابھی بھی آپ کو کھینٹ ڈالنی تو پھر بھی نہیں آئے گی۔“

وہ صے میں اسے نہیں ہوتی آئی۔ صے سے اس کا پر حال تھا۔ وہیں سے وہ تحریک بلڈنگ کے لیے نکل آئی۔
 ☆☆☆

وہ وہاں پہنچی تو کافی دیر ہو چکی تھی لیکن آیان کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا وہ پہنچا تھا کہ نہیں۔ وہاں کھڑی کافی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی اور دیر سے دیر سے بلڈنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے دل میں آیان کے آنے کی دعا کی۔ وہ نہ پہلے دن ہی باہر دو تیکہ کے سامنے چلے جا رہا تھا۔ وہ لٹ سے فلیٹ پہنچ چکی اور وہ بڑبڑا رہی تھی۔
 ”سوئی دور ہو گئی تھی۔“ اس نے آواز پر مڑ کر دیکھا تو وہ اس کی پشت پر کھڑا ہوا۔ جلدی جلدی میں بڑبڑا رہی تھی۔
 ”میری دیر ہو گئی تھی۔“ اس نے آواز پر مڑ کر دیکھا تو وہ اس کی پشت پر کھڑا ہوا۔ جلدی جلدی میں بڑبڑا رہی تھی۔

”میں جب پہنچا تو لفٹ چل چکی تھی۔ میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا اسی لیے فوراً بڑبڑا رہا تھا۔“
 ”وہ اسے کہنا چاہتا تھا اگر سو بائیس نمبر پاس ہوتا تو یہ مسئلہ نہ ہوتا لیکن جانتے ہوئے بھی وہ یہ نہ کہہ پایا۔ کیونکہ اسے کل وہاں معاذ ہوا تھا۔“
 ”اے کچھ دیر بعد اس کا انتظار کرنے لگے اور کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ باہر وہ بیٹھ مسکراتی

اس نے کمزری کی طرف دیکھا۔ اسے آبی ہار جو کی کمی بات یاد آگئی۔

"یہ سامنے جو چھوٹی قبر ہے یہ روزانہ صبح اس پر ایک ٹول کوئی ہے۔ ٹھیک سات بجے کمزری میں الام لگنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

مدن کی نگاہ بے اختیار کمزری پر چلی گئی۔ اس نے دیکھا کمزری میں ٹھیک سات بجے تھے۔ لیے لیے اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بھڑائی کی اور جاوہر ہٹا کر اٹھ کمزری ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر کمزری کھول دی۔ کمزری سے آبی ٹھنڈی ہوا کا خوشگوار جھوکا اس کے وجود سے ٹکرایا۔ تو وہ باوجود اسے لطف اندوز ہونے کے لیے کمرے سے نکل کر بیرون پر جا کمزری ہوئی۔

ہوا کے شدید جھوکے تو جیسے ہی اسے شکر تھے۔ فوری اس کی زانوں اور چہرے سے انگلیاں کرنے لگے۔ وہ بیرون سے اتر کر کھانا پھر گھر کی جب ہی خاموشی کا احساس ہوتا ہے ہی اس نے نگاہیں گھما کر قریب کے بڑھو دیکھا تو کھل وہاں سے اڑ کر جا چکی تھی۔ وہ روزانہ صبح کا نظارہ کرنے میں اپنی خوشی کے اسے پناہ میں مل سکا۔ کتنا سکون تھا یہ قیث۔ یہ سوچتے ہی اسے آبیان کا خیال آ گیا۔ اس کی نگاہیں آبیان کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ کمزری کھلی تھی لیکن وہ کمزری میں نہیں تھا۔ مدن نے کنون کا ساماں لیا۔ وہ درجے سے دھیرے اس کے کمرے کی کمزری کی طرف گئی اور پھر ہاتھ جھٹک کر دیکھا وہ کمرے میں نہیں تھا۔ اسے وہاں نہیں گئی اس کے ہونے کا احساس نہیں ہوا تو وہ سوچنے لگی کہ اسی صبح میرے وہ کہاں چلا گیا۔

جب ہی قیث کے من روزانے میں باہر سے کسی کے چالی چھانے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور اس خیال سے کہ آبیان اسے اپنے کمرے کی کمزری کے نزدیک کھانا نہ دے تھے تیزی سے بیرون کی طرف چلی گئی۔

آبیان نے روزانہ کھولا تو اس نے دیکھا اس کے ہاتھ میں مٹھے کا شمار تھا۔ مدن نے نگاہیں ملنے ہی اس کے قدم وچیں رک گئے۔ اس نے روزانہ کو دیکھا اور اس کو کچھ کر لایا۔

"صبح بخیر!"

"السلام علیکم!" اس نے جواب میں کہا۔

"میں ناشتہ لے آیا ہوں تو اچھا ہے کاماں میں رہا۔ آپ ناشتہ کر لیجئے۔ میں چائے بنانے لگا ہوں۔ آپ بھی بیٹیں گی ناں؟"

"نہیں۔"

"کیا چائے نہیں پیتی آپ؟"

وہ خاموش رہی تو وہ کوہو پ۔

"اگر تمہیں بھی کھانا تو دینی ہی تھیں ہوں گی۔"

"ہاں لیکن اس وقت میرا پیٹے کا موڈ نہیں۔" اس نے رکھائی سے کہا۔ تو وہ جھپٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

مدن نے کیے کو تو کہہ دیا تھا کہ اس وقت اس کا چائے کا موڈ نہیں لیکن حقیقت میں اس وقت اسے بڑی شدت سے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ اپنی خواہش کو دہائی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اور آ کر لیٹ گئی۔ اس نے

سوچا۔ آبیان اسے بد اخلاق سمجھتا ہوگا۔ ادھر تو اس کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے آج وہ اس کی چائے لی تھی تو کھل پکھار کر پیش کر دیتا اور برسوں پکھار دیتا۔ اور اس طرح دھیرے دھیرے دونوں کا فاصلہ کم ہو جاتا اور وہ اس فاصلے کو کب قیامت تک نہ کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی مردوں کو زاری و میل و دو تو وہ کمزری کی طرح چھوٹے اور خاموش

کرتے ہوئے بعد قریب آ جاتے ہیں۔ وہ سنی ہوئی کسی کی درمیک اپنی ہاتھیں سوچتی رہی۔

اس کے سہل کی باپ بار بار جی رہی تھیں لیکن اس کا موڈ نہیں تھا کہ ہاتھ بڑھا کر کال رسپو کرے۔ وہ بھی بے نیاس کال کوئی نہیں تھی۔ نہ جی سے بات ہوئی تھی۔ وہ آگھوں پر ہاتھ کرے کی آواز نہیں رہی۔ وہ دو ہفتے بعد آئی ہے

جواب سے فارغ کر دیا گیا تھا تو کہ اس نے کال کر کے اپنی بھاری کا تانا تھا۔ لیکن پرانیٹ فرم تھی۔ اس کو وہ پیش چینی نہیں دی جا سکتی تھی۔ مواس کی جگہ کی بھری ہوئی تھی۔ وہ جاب کی وجہ سے پریشان تھی۔ دونوں سے جگہ جگہ

کھار تھی۔ لیکن قسمت اس سے رکھتی تھی۔ وہ بہت پریشان اور غمگین تھا اس نے جی سے اس بارے میں کیا رد وہ باوجود ہی پریشان ہو جاتا تھا۔ وہ سناہی سے سنی رہی۔

لیکن فون کرنے والا بھی داخل کر دے مگر یہ ہاتھ نہیں لگتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے آ

تیل اٹھا اور دوسرا ہاتھ یوں ہی اٹھوایا پھر سنی رہی۔

"بیٹو!"

اس نے سنی آواز میں کہا۔

"بیٹو کے بچے! السلام علیکم کیا کرو تو دن بھر خدا کی پناہ میں رہو گی۔"

ایک دم جانی بچائی آواز سامنے سے گئی تو وہ بڑا کر اٹھ نہ سکی اور سیل کان سے ہٹا کر دیکھا تو

دیکھ کر اس کے جڑ سے آپٹیں جل چکے۔

"آخر کیوں پراسا ہے مجھے؟" اس نے سوچتے ہوئے پھر سے کان سے لگتے ہوئے بڑا پوچھا۔

"میں فرمائیے۔ میں جی جی میں نے فون کیا تھا نہ؟"

"اگر تمہارے۔ آپ کو ایک خبر دے کے میں فون کیا ہے اور یہ سنا ہے کہ آپ کی باجی کی شادی نہیں ہوئی ہوگی۔

بہت ہی لڑکیاں اپنی کھاناکا اور ختم کے لیے گھر سے تھامی تھیں لیکن اعتبار ضروری ہوئی ہے۔ موسم اور بے۔ پھر

خیال رکھنا یہ خود اپنا فرض ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ہر بار مجھے الہام ہوتا ہے کہ میں تمہاری مدد کو آنگلوں۔ یہ یہ اتفاق ہے کہ میں اصرار لگتا ہوں۔ روز ضروری نہیں ہر بار ہی ایسا ممکن ہو۔"

اس کی بھی چوڑی قہر سے ٹک۔ آکر وہ اکتاے ہوئے لمحے میں ہوئی۔

"یہ مناسب نہیں کہ مختصر الفاظ میں خبر سنائی جائے جس کے لیے فون کیا ہے آپ نے۔"

"اگر خبر سنوں گی تو کمرے میں نہیں آسکتی لیکن تمہیں بتانا بھی ضروری ہے۔ اس روز جب تم باہر میں کو

تھی وہاں سے ایک خاتون کو گرفتار کیا گیا ہے جو لڑکیوں کو بھلا پھلا کر اغوا کرتی ہے اور پھر تہاں سے کہاں سے کہاں

بھگتا دیتی ہے ان کو۔ خدا نہ کرے کہ تم کسی ایسی یا مصیبت میں پھسو۔ مگر اس وقت حالات کا تقاضا تھا تمہیں اپنے

رہائش کا پورے وقت سے پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ یہ بات پہلے ہی جی میں نہ نہ کرتے تھے ایک کان سے کن کو دوسرے

سے نکال دی تھی۔ اس روز بھی تم اپنی ایسی کہ دھن سے جاؤ گی۔ مگر میرے اصرار پر تم بھی آئی ہو میرے ساتھ با پھر

ہو جائے گی ہوں۔

اٹھ سے لگتے

2016

Primenovels.blogspot.com

موسم کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے۔

”اود میرے خدا۔ وہاں ایک کھڑی اور بار بار مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہہ رہی تھی۔“ اور پھر اس نے مختصر الفاظ میں ساری تفصیل بتادی۔

”تم نے اسی وقت کیوں نہیں بتایا مجھے۔؟“ اس نے ہنسی کی۔

”میں یوں ہی آپ کی ناک کی بنا پر نہ شروع کر دیتا۔“

”ہاں یا نہیں ہوں؟ میں تو۔۔۔ لیکن اسے کھڑا کر دیا۔ لیکن پریشان نہ ہو وہ اب پولیس کی گرفت پر نہیں کھل سکتی۔ اسے دانیال حسن کا پرچہ حاصل بن گیا ہے۔ اس نے زمینیں بھی بھانے کی کوشش کی تھی۔ ڈونٹ وری جادو سب۔ بس خودی اختیار کر لیا کرو۔“ اس نے آخری لفظ بہت پیار و نرم لہجے میں کہا۔

وہ پندرہ بجے بھی شک گزرا تھا کہ میں خاموش رہتا ہوں سمجھتی ہو۔

دیکھا تو کوئلہ دانیال کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

سکون تھا۔ مینیٹا راز بن چکی تھی اور مجھے انتظار کر رہی تھی کہ بارش رکے ہی والی ہے چلی جاؤں گی۔ اب تو مجھے کھلی تھی کہ اگر کالین سے چل جائے کہ تمہارے ساتھ بہت سی ایسی دوا بھی ہیں کہ تم کو بھی قلعی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طرف کی اور میں دوا نہایت ہے اور وہ دوا میں سامنے کی طرح تمہارے ساتھ رکھتی ہیں۔

سوچتے ہی میرے پیادے۔ میری ٹی کی۔ اور میرے پیادے پر جو میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ ہر جگہ میری رہنمائی کرتے۔ وہ میرے اللہ سے میری حفاظت کی دوا بھی کرتے ہیں اور میں جب کبھی کبھی ہوں میری ماں مجھے اللہ طرف دیکھ کر کہتی ہے کہ میرے اوپر میں کھڑے لہتے خود خود پروم کر کے لے لیتی ہوں۔ اگر کوئی بھی لڑکی اول آخر طرف پر دھڑکیں کہ ساتھ میرا لہجہ پر دھڑکا رہا ہے تو وہ بخلاف کھڑی رہتی ہے۔

آج کی بات ہے بہت اچھی بات ہے لیکن احتیاط بہت ضروری ہے۔ ہم بھی اس کے بیکارے میں مت آنا اور خیال دہیں راہنما۔

اور پھر اس نے خدا حافظ کرتے ہوئے کال ڈراپ کر دی۔

اس کے ساتھ ہی وہ اٹھی اور میں اسے انگوٹھ کو پوچھتے ہوئے منہ کے لیے چل دی۔

آئندہ ایسے موسم میں کسی دن سے وہاں نہیں آؤں گی اس وقت سے پہلے چینی سے لے کر نکل آیا کروں گی۔ اس نے کی سننے کے نکل ادا کیے اور وہ نکل جاساں نے سامنے کے کہ وہ تجربہ سے کھڑے ہوئے تو آتے ہی اس نے ادا کر دیتے۔

وہ جب بھی کسی ایسی شکل میں گرفتار ہو جاتی یا پریشان ہوتی وہ فوراً شکرانے کے نکل مان لیتی اور فوری ادا بھی کر لیتی۔ یہ ساری باتیں اس نے پیادے کی چوٹی میں۔

جب وہ جاگ کی تلاش میں باہر نکلے تو وہاں ہی پریشان لہتی آئی۔ اس نے اخبار کے فرنٹ پر اس عورت کی تصویر بھی تو ایک نظر میں اسے پہچان لی اور اس نے جبر جبری لی۔

☆☆☆

دروازے کی بیل بج رہی تھی۔ ”اس وقت کون آگیا؟“ وہ سوچتے ہوئے اٹھ کر دروازے کی طرف پیوی اور دھیرے سے پوچھا۔

”کون۔۔۔؟“

دروازے کے پار اس نے آواز سنی۔

”میں ہوں بارہ۔ دروازہ کھولو بیٹی۔“ وہ ہاتھ میں تھیلے لیے باہر نکلی تھی۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”اسلام یا بیکر آ آئی۔“

”وہیکم السلام۔“ تھیلے رو بیٹی۔ میں نے ہاتھ بتایا ہے تم لوگوں کے لیے۔ آج پہلا دن ہے تمہارا۔ تو میرے ساتھ بچے کھل کر شکر کرو۔ وہ اندر آتے ہوئے پوچھی۔

”تھیلے پو آئی۔ اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی آپ کو۔“ عدنان نے ان کے پیچھے چلے ہوئے کہا۔

”میں نے تمہیں یا بیکر نہیں کیا۔؟“

”جی نہیں یا بیکر نہیں۔“

”تم نے نماز پڑھی۔؟“

”نہیں آج کی پہلی بہت تھک چکی تھی نماز کے لیے کھڑ نہیں ہو سکی۔“ عدنان نے کہا۔

”بہت اچھی بات ہے اور ضرور پڑھا کرو۔ اس سے دل کو سکون ملے گا۔ میں جمعرات کو بار بار پڑھتی ہوں۔ یہاں سے کبھی دور ہے۔ وہاں بہت لوگ آتے ہیں۔ جس میں مذہب کی کوئی فہم نہیں۔ میں اپنے اللہ سے مانگتے ہیں اور سب کی دعا میں قبول ہوتی ہیں۔“

”اچھا۔“ عدنان نے ان کی بات میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اسی ملائکہ میں فاطمہ راتی ہے چوتھے طہور پر۔“

”کون فاطمہ۔؟“

”اود۔ میں بھی بھول چکی تھی۔ ابھی تک ہی تو آئی ہو۔ فاطمہ کو تم کیا جانو۔ بہت کھاتی بیٹی ہے مگر کبھی نہیں تھا۔ اس لیے ہمیشہ پریشان رہتی تھی۔ بہت ملاج کر دیا۔ جہاں جس نے کہا کی جو کہا کیا لیکن خوشی نہ تھی۔ پھر میں اسے دربار پر لے گئی۔ وہ ہر جمعرات کو دربار پر جاتی تھی۔ اور اسی سات جمعرات میں بھی ہرے کسے تھے کہ وہ پر یکٹ ہو گئی۔ اللہ سے مانگو تو وہ بھی ماں میں نہیں کر سکتا۔ کمر مانگنے والے بچہ نے اولیٰ ہوتا جا چاہیے۔ دعا مانگنے کا ڈھک ہوتا جا چاہیے۔ پھر دیکھو وہ بھی اپنے بندوں کو ماں میں نہیں لوتا۔“

”ج آئی۔“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

”آج آکر رہے۔“ انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ نہا رہے ہیں۔“

”اچھا کوئی تکلیف تو نہیں۔“

”جی نہیں کوئی تکلیف نہیں آئی۔“

”کوئی تکلیف ہو تو پوچھنا۔ میں انتظار کر رہی ہوں تم لوگ جلدی سے آ جاؤ۔“

وہ کھتی ہوئی چلی گئی اور وہ چاروہ چاروہ جاتے جاتے لیے راسی ہو گئی۔ اس نے آج کو تے دیکھ کر پیغام دیا اور خود نیچے آ گئی۔ چاروہ آئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ آج ان کے آنے کے بعد انہوں نے ہاتھ کیا۔ آج ان کے آس چلا گیا

اور وہ اوپر آگئی۔ اسے کچھ دیر بعد ٹکنا تھا۔

☆☆☆

دوست ہی جواب کے لئے لے جاتی تھیں کہ مایوسی کا سامنا ہی کرنا پڑتا تھا۔ یوں بیٹھتے تھے تو اپنی ہی گزارش کر رہے ہوتی تھیں۔ یہ بڑھاپا انھیں کس قسم ہونے کا نام نہ لے رہی تھیں۔ دو روز گزر چکا کہ وہ آئی کے جاتی اور واپسی پر بھی کھاروں لی جاتی۔ یہی اچھا تھا کہ کھٹکوں کے درد کی وجہ سے دو روز اوپر نہیں آسکتی تھیں۔ اس لیے وہ ان کے رہنے سہنے سے کچھ اندازہ نہیں کر پاتی تھیں۔

ایک بار اس نے مختصر الفاظ میں ان کو بتا دیا تھا کہ دونوں کی جانب سے اذیتاں لگ رہی ہیں۔ اس لیے ان کے آگے جانے کا وقت بھی مقرر نہیں۔ وہ بہت سیدھی طبیعت کی مالک تھیں کسی کی کریم نہیں مٹھیں۔ بلکہ ان کے آنے سے بدل بدل گیا تھا۔ حدن سے نرپا وہ اذیتاں آتی تھیں وہاں تھانے کو کچھ آگے سے بعد وہ بائیں فری ہوتا تھا۔ چھوڑی بہت دیر تک چمکا رہا تھا اور باقی کا وقت ان ہی کے ساتھ گزارا اور باہر چلا جاتا۔

عدن ایک چوڑی کھوکھلی جگہ تھی۔ وہ اس کے لیے دل سے رشتہ نہیں لیکن قارن نے
 سے بوجھ تھا۔ چونکہ اس نے وہ عجب کی طرح شہر کی ایک کھوکھلی جگہ پر رہا اور اس نے وہ
 نوکری چوڑی دی۔ اتفاق سے اسے ایک سکول میں اکاؤنٹنٹ کی جاب مل گئی۔ کئی وقت زیادہ رہی اور کچھ کم مگر اللہ کا
 شکر ادا کرتے ہوئے اس نے جمن کر لیا۔

تب ہی ایک اشتہار اس کی نظر سے گزرا۔ وہ بین کے اشتہار کے لیے آئے اور خود بصورت پرکشش چہرے کی ضرورت تھی۔ دونوں بھائیوں اور سدرہ کی فہم بھی ادا کر سکتی تھی اس نے وہ ایڈ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر مل گیا تو وہ ضرور کرے گی۔

وہ سطر چاروں کیس پر پہنچا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی اس کے گرد ایک گیس کا چہرہ لگا ہوا ہے۔ وہ بھی کہیں زیادہ پرکشش تھا۔ اسے کسی کی ذہنی مدد نہ تھی۔ وہ جلد ہی چاروں کیس پر پہنچ گیا۔ وہ دوسرے کے قدموں سے ان کے آفس سے نکل گیا۔

حالات اس کی ذہنی توجہ کو کم کرنے لگے۔ وہ پہنچ گیا۔ وہ دوسرے کے قدموں سے ان کے آفس سے نکل گیا۔

حالات اس کی ذہنی توجہ کو کم کرنے لگے۔ وہ پہنچ گیا۔ وہ دوسرے کے قدموں سے ان کے آفس سے نکل گیا۔

حالات اس کی ذہنی توجہ کو کم کرنے لگے۔ وہ پہنچ گیا۔ وہ دوسرے کے قدموں سے ان کے آفس سے نکل گیا۔

☆☆☆

آخر اشتہار کا وقت آپہنچا۔ ڈائریکٹر اس چہرے کی پہلی کچھ اس انداز سے کرنا چاہتے تھے کہ سب لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ جائیں۔

اور میک اپ درم میں مدد کی ہے جتنی بھی تھوڑی بہت جتنی چاہی ہو۔ وہ اس سے پہلے اس طرح کے حالات سے گزر چکی تھی اب بھی اس کی مجبوریاں اسے اس مقام پر لے آئی ہیں۔ اس سب کے باوجود اس نے اپنے آپ کو بہت عجا کر دکھا ہوا تھا۔ اس کا کردار اندھرائیں ہوا تھا۔ اس کا ضمیر زندہ تھا۔ اچھے برے کی تیز فہمی اس کو اب بھی اختیار قیادت کا حق نہیں بھول چھی۔

وہ سوچوں سے بچھا بھڑاتے ہوئے آنے والے وقت سے خوفزدہ تھی جب اس کا شوٹ چلے گا اور لوگ دیکھیں گے اور اس کی پہلی یہ سبوح کراں کی دھڑکنیں گے قابو ہو رہی تھیں۔ وہ اس تصور سے لرز ماری تھی کہ وہ اتنے

لوگوں کے سامنے کس طرح شوٹ دے سکے گی۔ میک اپ میں اس کا میک اپ کر رہا تھا۔ ہنجر ڈرمس بالوں کو سنوار رہی تھی۔ ڈرمس ڈیزائزر بار بار آگے پیچھے ہو کر اس کے لباس کی ڈھنگ دیکھ رہی تھی لیکن عدنان اس سب کی موجودگی سے خبر اس ایٹم کے خیال میں ابھی ہوئی تھی۔ جو اس ایک ٹی ٹی وی ٹی لکھن کے روپ میں بغیر ڈائلاگ بولے دیتا تھا۔

”پہلے میم صاحب۔“ اسٹنٹ ڈائریکٹر میک اپ روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے پولا۔

"شوٹنگ کا وقت ہو گیا ہے۔"

ہو گیا۔

مردان کے گھسے جبرائیل میں اٹھا اور وہ اٹھ مہری ہوئی۔

[illegible]

جیسے کہ وہ میٹ پر پہلی اسب سے پہلے انڈیانا صاحب نے اسے دیکھ ہی کہا۔
"میٹ آف لک۔"

وہ خاموشی سے کن اور دیکھ رہی تھی اور ان لٹائوں کو دیکھنے کی جن کی تیز روشنیوں ایک ساتھ اس پر پڑنے لگی تھیں۔
ان روشنیوں کو دیکھ کر اسے کچھ اطمینان بھی ہوا کیونکہ ان کی تیز چمک میں اسے اپنے آرزو کوئی اور تصور نہ آ رہا تھا۔

”آر پوریڈی۔۔۔۔۔؟“ ڈائریکٹر صاحب کی آواز سنائی دی۔

”کیس“ اس کے غم سے مری مری ہواواز لگی۔

پھر اسے آواز سنائی دی اور اسے رہبر مل کرنے کو کہا۔

اور نہ جانے اسے کیا ہوگا۔ جیسے ہی فوٹو گرافرز اور برصغیر کی گرائیونڈ سے اس کی تصویریں کھینچنا چاہیں اسے ہنسنے کی بجائے ہونے دوڑیں اور قبول کر لیں۔ پھر وہ ایک شہر دوپہا کی طرح اپنے ہاتھ اس کے چہرے کی طرف بڑھا کر اسے تو دیکھ بیٹھے کسی فلمی دہلی سپر سٹار کی طرح۔ ان کے ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔ مگر انہوں نے اسے قہرمان کی بجائے گولی کی کسی نہ جھنم کی ہوئی۔

کیونکہ یہ سب سین کا حصہ نہیں تھا مگر پھر بھی انچرل سین لک رہا تھا۔ سو خاموش تھے۔

کہو۔ اسے میرے جیون میں چاندنی بکھرنے دو۔"

۱۱۱ کے ساتھ ۱۱۲ کے آؤں میں اور اس کا جواب دے۔ آؤں میں اور اس کا جواب دے۔

ڈائریکٹر کے حکم پر وہاں موجود ایک لڑکی اسے لے کر میک اپ روم میں آگئی۔ اس نے ڈائریس پہنچ کرنے کی التجا کی کہ وہ ڈائریکٹر کو ملے۔ ڈائریکٹر صاحبہ نے آکر اسے دیکھ کر کہہ دیا کہ اسے کمرہ منتقل کر دو۔

163 ستمبر 2016

کئے۔ اس نے ان سے طبیعت ٹھیک نہ ہونے کا کہا نہ بنایا اور کل کا وعدہ کر کے وہاں سے فرار ہونے کا کہا نہ بنایا اور کل کا وعدہ کر کے وہاں سے فرار ہونے کا راز مہر چایا اور کل وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوئی۔ اسے کل تو کیا زندگی بھر اس عمری کا رخ نہیں کرتا تھا۔

وہ اپنے خدا کا بھتیجا بھی قرار دیتی تھی۔ وہ خود کو کوئی بھلی آدمی نہ دیکھتی تھی۔ وہ ذاتی طور پر بہت خوفزدہ اور پریشان ہو گئی تھی۔ جس وقت اس کے آواز سنائی دی تو اس کی آنکھوں کے سامنے باپ کا چہرہ آگیا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ ان سے نظریں چما کر ایسا نہ کر سکی تھی۔

☆☆☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ لیکن آیان گھر نہ لوٹا تھا۔ عدنان کو سخت حیرت تھی کہ آج آیان خلاف معمول اتنی رات گھر تک گھر کیوں نہیں آیا تھا۔ اس نے کئی بار سونے کی کوشش کی مگر ہر بار آیان کا خیال اس کی تیز میں منسلک ڈالنے لگا۔ اس نے کئی بار اس خیال سے بچنا چھڑانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

وہ انہی سوچوں میں کمر بستہ رہی کہ عدنان نے اسے کتنی تنہا ہی اور بھانے والا دکھانا ہی بھول گیا۔ وہ جلدی سے اٹھی اور رات کے کئی طرف بڑھی مگر پھر یہ سوچ گزری کہ آیان کے پاس تو ایک چابی ہے اسے کتنی بھانے کی کیا ضرورت تھی۔ کس کوئی اور نہ ہو۔ اور یہ خیال آتے ہی وہ کچھ خوفزدہ ہو گئی۔ اور دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے کئی ہول سے بھاننا ضروری سمجھا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دروازے کے باہر گئے ہوئے زرد لمبے کی روشنی میں آیان کو دیکھا کہ آیان دروازے کے پاس کھڑا مسلسل کتنی کاٹھن دبائے جا رہا ہے۔ اس نے جھٹکا کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور اس پر برس پڑی۔

”یہ کیا بندشیری کی ہے۔“

”بندشیری کی؟ کبھی بندشیری؟“ جھٹکی ہی تو بجا رہا ہوں۔ آپ دروازہ کی نہیں کھول رہی ہیں۔ آیان نے کچھ بھاری اور بھاری ہو کر آواز میں کہا۔

”نیکل دیجیے کی کیا ضرورت تھی، کیا جانی نہیں ہے آپ کے پاس؟“

”ارے اسے بال جانی تو میں بھول ہی گیا۔“ آیان نے جھپٹوٹے ہوئے کہا۔

”سوری دوسری سوری، یہی ہے آپ کی بندشیری ہوئی۔“ کہا وہ دروازے میں داخل ہو گیا۔

عدنان چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اسے آیان کی چال میں لاکھڑا ہوت کی نہیں محسوس ہوئی بلکہ اس کے من سے جھپٹ کی بدبو بھی آئی۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے آیان کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا دیکھ رہی ہیں، میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟“ آیان نے رکتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھالنے ہوئے کہا۔

”یہ دیکھ رہی ہوں آج آپ کے رنگ دھتک ہی نرا لے لیں آپ۔“ اس نے فیسے میں اس حرام چیز کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا۔

آیان نے چند لمحوں سے شرمندہ لگا ہوں سے دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر ہوتے ہوئے بولا۔

”مجھ سے آج بھول ہوئی، معافی چاہتا ہوں۔ آج پہلی بار۔“ کہتے ہوئے اس نے عدنان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”دراصل۔۔۔ وہ۔۔۔ میرا۔۔۔“

کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

عدنان کا دل اس کی حالت دیکھ کر خوف سے ہڑکنے کا قیام تھا۔ اتنی کم عمری کی کسی سے اس کی اس حرکت پر ڈانٹ بھی نہ کی تھی۔ اس نے سبے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنا چاہا تو آیان کی آواز پر اس کے اٹھنے قدم ٹھک گئے۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے لوٹ آیا تھا۔

”سنو۔۔۔ آیان نے اس کی طرف آتے ہوئے کہا۔

”میں نے شراب پی لی ہے۔ اس لیے مجھے برا محسوس ہو رہا ہے۔ میں روزِ محمودی پیتا ہوں۔ آج سے پہلے کبھی نہیں پی اور نہ ہی آج پینے کی ہمت ہے۔ لیکن آج میں وعدہ کر رہا ہوں کہ کبھی نہیں پینے دوں گا۔ کبھی نہیں۔“

عدنان نے دیکھا یہ دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اور وہ اس کی چٹائی کے کنارے تھے۔

اب عدنان کی ہمت لوٹ آئی اور کچھ حوصلہ ملا تو اس نے تخت لکھنے میں کہا۔

”اور اگر پھر کبھی پی کرے تو وہ دھاری دینے والے کا آخری دن ہوگا۔ جیسے ہی آپ اندر داخل ہوں گے میں اپنا سامان لے کر باہر نکل جاؤں گی۔“

عدنان نے یہ کہہ کر تانت بھرتی نہیں کی تھی۔ اسے دیکھا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دھڑ سے دروازہ بند کر لیا اور لاکٹ آف کر کے کچھ دیر اندر حجرے میں کھڑی رہی۔ اسے اس وقت آیان کی اس حرکت سے زبردست دھکا لگا تھا۔ وہ اس کے بارے میں اسیسا ہونا بھی نہ سکتی تھی۔ اپنے بستر سے پھٹنے سے پہلے اس نے دروازے کی جھری سے بھاگ کر دیکھا وہ ابھی تک اسی جگہ بند تھا۔ شاید وہ اپنے کمرے پر واقعی شرمندہ تھا۔ عدنان کو دکھ محسوس ہوا۔ وہ بڑی دیر تک اسی جگہ کھڑا رہا۔ اسے احساس میں اپنے کمرے کے باہر کھڑا اور باہر چڑھ کر گئے ہوئے قدموں سے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

عدنان بیٹھی رہی۔ آنکھوں سے غبارِ عجب ہو گئی تھی۔ اسے یہ خوف گھبرے ہوئے تھا کہ اسے ایک دھڑکنے سے لپکے ہوئے کمرے کی حالت میں۔ اور اپنے حواس بھی کھو سکا ہے۔ صبح بھر کی اذان تک وہ جاگ رہی تھی۔ پھر نازک کے لیے آئی اور کچھ دیر کے لیے سوئی۔ آخر اسے اندر دھکے کے لیے جاتا تھا۔ وہ وقت سے پہلے اٹھنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

وہ اندر دھکے کے لیے جاری تھی اور دنگن کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی آٹھ کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ پریشان کی نظر میں دوڑا رہی تھی۔ ایک گاڑی جو اس کی نظروں کے سامنے سے گزر کر گئی تھی وہی ریوین ہوئی اور اس کے نزدیک آکر کی۔ دھڑکنے میں کچھ کرتے ہوئے ایک ایشی چہرے نے اسے پکارا۔

”آپ جاہیں تو لفٹ لے سکتی ہیں؟“

اس نے گہری نظروں اس کے نازک سے سر اٹھ کر خوب صورت چہرے کو لگا ہوں میں سوتے ہوئے کہا۔

”بہت شکر یہ مسٹر مجھے کبھی نہیں جانا۔ آپ اپنا رستہ ہے۔“

”مسٹر نہیں۔۔۔ افغان۔۔۔ اس نے عدنان کے سینوں اور دل میں دھڑکنے سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”آپ نے مجھ پر ہنسنا ایک تینک میں جانا ہوں۔ جہاں آپ کسی کی ڈاپ کر رہے ہیں۔“ افغان نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

وہ اس کی طرف سے رخ پھیر کر کھڑی رہی۔ کچھ دیر ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر انان نے اس خاموشی کو توڑا۔

”کھیں انٹرویو دیتے جا رہی ہیں کیا؟“

اس نے انان کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔ سامنے سے دھن آتی دکھائی دی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھنے لگی۔ اتفاق سے اسے جاگ بجا لگی تو اس نے شکر کا لہر پڑھا۔

جب وہ آئیں میں داخل ہوئی تو پی اے نے اسے ہال کی طرف بھیج دیا جہاں انٹرویو دینے والے لوگ بیٹھے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچی تو حیران رہ گئی ایک سیٹ کے لیے کوئی سو سے زیادہ لوگ بٹھ گئے اور اس سے زیادہ کو بیٹھا تھے۔ امید ہو گئی۔ وہ دھڑلے سے انداز میں بائیں سر کی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ ہال کے داخلی دروازے کے سامنے بیٹھی تھی ہر آنے جانے والے کی نظر وہاں میں آ جاتی۔

وہ اپنے خیالوں میں بھیجی تھی کہ اس نے سامنے سے آتے محض کو دیکھا ہی نہیں۔ وہ اپنے خیالوں سے جب چوکی جب ایک آواز اس کے نظر پر پڑی۔

”اوہ تو آپ یہاں انٹرویو دینے آئی ہیں۔“ اس نے بولیں کہ اس میں اس کی سہرا تھی۔

وہ چند لمحوں میں بچکانہ گھبراہٹ سے انان تھا جو یہاں پہنچنے سے تھوڑا وقت پہلے اسے مناب پر لٹک کر پیش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جاگوار کی تاثرات ابھرے تھے لیکن وہ سنبھل کر کھڑی ہوئی۔ کون ہے۔ کھیں انٹرویو لینے والا ہی نہ ہو۔ اگر کام بنائی تو نہیں ہو گا۔

”ہی۔“

”آپ کو شاید اچھا نہیں لگے۔“ وہ اس کی جاگوار کی محسوس کرتے ہوئے بولا۔

”کیا؟“

”میرا آپ سے سوال کرنا۔“

”نہیں۔“ اس نے جبر کرتے ہوئے کہا۔

”اگر اس میں بھی دشمنی ضرورت ہو تو اس کے جزل میں سیرافا قاتی میرے خاص دوست ہیں۔“

”آپ کے؟“ عدنان نے عجیب کا اظہار کیا۔

”جی جی زمانے میں وہ میرے باپ تھے۔“

”اوہ۔“ خیر انٹرویو ہو جانے دیتے۔ اگر سفارش کی ضرورت ہوئی تو ضرور آپ کو تکلیف دوں گی۔“

”اس میں تکلیف کسی۔ اگر میرے دو بھائیوں سے آپ کا کام بن جائے تو میرا کیا جاتا ہے۔“

”شکر ہے۔“ میرا کام نہ بنا تو ضرور تکلیف دوں گی۔“ اس بار بھی اس کا انداز لگنے والا تھا۔ وہ اپنے آپ کو آزما چاہتی تھی اور جلدی کا احسان لینے کی عادت بھی نہیں تھی۔

”نہیں آپ کا نام۔“

”عدنان۔“

”انٹرویو کے بعد ملنا چاہیں تو پی اے کی لاؤنج میں مل سکتی ہوں۔“

”نہیں آپ کی میزنگ۔“

”وہ تو دو گھنٹے میں ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد میں اکثر پانچ سے چھ بجے تک وہیں بیٹھا ہوں۔“

”اوکے۔“

”بیت آف کل۔“

”تھیک ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس رخ دوسری جانب پھیر لیا۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے۔ کوئی کسی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

انان نے ایک خاص انداز سے ہانے کہا اور انٹرویو کے ساتھ ملحقہ روم میں چلا گیا۔

لوگ انٹرویو کے لیے جانے لگے اور بائیں چہروں کے ساتھ دھڑلے آ رہے تھے۔ اس کی بہت ٹوٹنے لگی اور بے بس نظروں سے ادھر سے ادھر دیکھنے لگی۔ ابھی آدھے لوگ دھڑلے ہوئے تھے جب بچ بریک کا وقت ہو گیا اور امید والوں کو ایک بار پھر طویل انتظار کرنے کے لیے کہہ دیا گیا۔

لوگ مجبور تھے بیٹھے رہ گئے۔ بچ بریک کے بعد انٹرویو شروع ہوا اور تھوڑے سے لوگ بٹھ گئے تھے کہ یہ کہہ کر باقی لوگوں کو وہاں سے جانے کا مسئلہ مل گیا۔

”صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ آپ لوگوں کو دوبارہ زحمت دی جائے گی اور جلد ہی کال کر دی جائے گی۔“

وہ تو پہلے ہی بائیں ہو چکی تھی اور اب تو یقین کی ڈھیریں اس کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے وقت دیکھا چار بج رہے تھے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پی اے کی طرف روانہ ہو گئی۔ حالات ایسے بن گئے تھے کہ اسے ملازمت کی اشد ضرورت تھی۔

عدنان جب پی اے کی لاؤنج میں داخل ہوئی تو شام کے ساڑھے چھ بج چکے تھے۔ اس نے ہال میں بیٹھے لوگوں پر ایک سرسری نظر ڈالی اور اپنا ایک ایک کھانا اس کی نظر پھرنے لگا۔

وہ ایک کونے میں بیٹھا سرگرمی سے کھانا کھا رہا تھا۔ جو کھانا پانچ سے چھ بجے تک لاؤنج میں بیٹھا تھا شاید اس کے انتظار میں آج وقت گزر جائے گا۔ بعد بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ کر عدنان کے دل میں عجیب سا احساس پیدا ہوا۔

اور عجیبہ چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھی۔ وہ اخبار پڑھتے میں مصروف تھا اور اس کی سرگرمی کے پیش نظر وہاں نہ تھا۔ عدنان اب اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی چند لمحوں تک اسے چند نہ ہوئی۔

”السلام علیکم۔“ ایک سرگرمی اور ڈانک آواز پڑا۔

سگریٹ اس کے ہاتھوں سے پھل کر گود میں جا گری۔ اس نے جلدی سے سگریٹ اٹھائی اور دامن جھاڑتے ہوئے گوی نظر دے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”آپ۔ آپ۔ آؤ۔ ایک سیٹ رکھی ہوئی ہے۔“

عدنان اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور پی اے میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”انٹرویو کیا سارا؟“ انان نے چند لمحوں کے بعد خاموشی کو توڑا۔

”طویل انتظار کے بعد جواب بھی نہیں مل گیا۔“

”کہو تو سفارش کروں آفاق سے؟“

”میرا خیال ہے ہمارے درمیان ایک کوئی رشتہ نہیں جس کی بنا پر آپ ٹپک کریں مجھ پر یا تصدیق۔“
 ”ابنا نہیں ہے۔ انسانیت کے نامے، اور سب سے بڑا رشتہ انسانیت کا ہوتا ہے۔ آپ کو مرانا گوری۔“ وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اور وہ چند لمحوں میں رو گئی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور اس کا ذہن سوچوں میں ڈوب گیا۔

ابراہیم نے دل میں عدنان کے لیے الفاظ فکر کنوں کو پیش کرنے لگے۔ حالانکہ ابراہیم کو نہیں کہا تھا اس نے لیکن آج ان کو عجیب سا اطمینان کا احساس ہوا تھا۔ وہ اس کے بارے میں سوچا سوچا کہ فتنہ کی میں ڈوب گیا اسے پتہ چلا۔ عدنان نے ایک پپ چائے کے ساتھ چٹکٹک کھائے اور لیٹ گئی۔ وہ دیر کی تھی ہوئی تھی جلدی سو گئی۔

☆☆☆☆

اگلی صبح ٹپک مقررہ وقت پر عدنان ان کے آفس پہنچ گئی۔ اپنے انداز سے کہیں زیادہ بڑا اور شاندار دفتر دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دفتر میں داخل ہوئے جہاں اس نے عدنان کا کھانا کا ڈر۔ ٹیبلٹ لڑی کو دکھایا تو لڑی نے فوراً اس کو پر انٹان سے بات کر کے عدنان کو لے کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

عدنان نے دروازہ کھول کر دیکھا کہ عدنان ان کے سامنے تھا۔ ان کے چہرے پر بچوں کی جیسی معصومی مسکراہٹ چھیل گئی۔ وہ کہہ چھوڑ کر اس کے اسٹیشن کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گویا ہوا۔

”میں تمہارا اخیال گزار کر رہا تھا۔ آفس تلاش کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی؟“ وہ آپ سے تم کا فاصلہ میں ملے کر گیا تھا تھوٹے دکان سے محض تو کیا لیکن نظر انداز کر گئی۔ یہ کاروباری لوگ آپ جناب کے چکر میں کب پڑتے ہیں۔

”کی نہیں۔“ اس نے کمرے کی دیکھ بھال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

اس وقت لی ایسے جیسے وہ دکان کے لیے اندر آیا اور دونوں کے سامنے ایک ایک دھک کے باہر چلا گیا۔ عدنان نے جب عجب سے ان کو دیکھا تو رونا ہوا۔

”گرمی کا موسم ہے یاں لوگ ہی جاتی ہے۔“

اس نے نظر دور کی طرف مڑے ہوئے کھائیں سائیز پر رکھ دیا۔ اس وقت ان کے میز کا دروازہ کھول کر ایک لفافہ لٹا لٹے ہوئے عدنان کے سامنے ہیر پر دھوا۔ عدنان نے ہاتھ پھینکے سے چل پڑے ہوئے اس لفافے کو دیکھا۔ وہ دیکھ کر کہتا جانتی تھی کہ وہ بول پڑا۔

”میں نے تمہاری ملازمت کے لیے ایک فرم میں بات کی ہے اور یہ ای کا لیٹر ہے۔“

”میں آپ کا شکریہ کس زبان سے کروں۔“ وہ لڑائی آواز میں بولی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ اسے جاب مل گئی ہے۔

”شکریہ کیا۔۔۔ انسان، انسان کا کام نہ آئے تو کون آئے گا؟ اور شاید میرے ویلے سے تمہارا کوئی کام بننا تھا کہ تم سے مراد وہو گیا۔“

”آپ انسان نہیں فرشتہ ہیں۔“

”ارے، نہیں، نہیں مجھے انسان ہی رہنے دو۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

”جواب کیا ہے؟“

”میرے غری کی ہے۔ تنخواہ اچھی ہے۔ سال میں چار مہینے کے پونے، پراؤنٹ فنڈ، اور دیگر سہولیات وغیرہ

وغیرہ۔۔۔“

لیکن وہ بھی کہیں مسر آفاق صاحب کی طرح۔۔۔ اس نے اپنا منہ ڈھکا ہر کیا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ انان نے اس کی بات کا دل اور سکرستے ہوئے بولا۔

”میں نے کہا تھا کہ کچھ اچھا نہیں ہوگا۔“ انان نے اس کی بات کا دل اور سکرستے ہوئے بولا۔

”آج کے دور میں نوکری کا ملنا مشکل ہے۔“

وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو انان نے کہا۔

”کل سے تم جہاں کر سکتی ہو۔ کوئی براہ نہیں ہوگی۔“

وہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

دروازہ بند ہوتے ہی انان نے ایک خطی سانس لی اور سامنے رکھا ہوا جوں کا گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں غرافٹ لی گیا۔ اس نے پھر اس بند دروازے کی طرف حیرت سے دیکھا اور دل میں سوچنے لگا نوکری کے بدلے یہ سودا میں کیا ہیں۔ اور یہ نوکری تو صرف جانا ہے۔

اس کے لیوں پر بڑی شینٹ مڑا ہوا ابھری تھی۔ وہ کمری کی پشت سے ایک کمرے میں دھک کر لیت گیا۔

☆☆☆☆

آج ان کی جاب پارٹنر نام میں ایک جگہ ہو گئی تھی۔ اسی خوشی میں وہ ایک نے کمرے چلا آیا۔ اس کے دل میں خواہش ابھری وہ یہ خوش خبری سب سے پہلے عدنان کو سنانے کی تھی ان کے درمیان وہ گفتگو ہو رہی تھی۔

وہ یہ خبری اس کو سنانا چاہتا تھا۔ لیکن گھر پہنچ کر اسے اپنی کا سامنا کرنا پڑا۔ عدنان ابھی تک نہ کوئی تھی۔ اس کے جذباتوں پر اس کی بڑائی اس نے کچھ سوچا اور اپنی دھمکیوں کیلک کا لیے ہوئے باہر آؤنی کے فکرت کی طرف چل پڑا۔

تیل بیچنے والی انہوں نے دروازہ کھولا اور آج ان کو سامنے دیکھنے کی خوشی سے نہال ہو گئیں۔

”آج ان جیتا ہے۔“ اس نے آج میرے بیٹے سنان کا ہاتھ لے لیا۔

”بہت مبارک ہو۔“ آج ان نے سنان کو اس کے پیچھے پیچھا ہوا دیکھا۔

آج ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سنان نے دیکھا کہ عدنان ایک بڑے سے ایک پر بھی ہوئی اس پر موسم تیاں لگا رہی تھی۔ اور کچھ بچے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو دیکھا کہ عدنان کو کچھ اس باہر ہو گئیں۔

”بھڑے ہونے کے ساتھ باوا دشت بھی تھک کر رہ گئی ہے۔ سب کو بتانا بھی گئی۔ پھر کوئی نہیں ملا تو بچوں کو پکڑ لائی۔ عدنان کو بالائی اور باہر اتنا اتفاق سے آگے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔“

باہر آؤنی نے ایک ہی سانس میں سب کو دیکھا پھر آج ان نے شاید کچھ سنا ہی نہیں۔ کیونکہ وہ تو اس وقت اس سوچ میں کھویا ہوا تھا کہ عدنان کو اپنی جاب کی خبر کیے سناے۔ اس کی کچھ میں کچھ نہ یاد تھا تو اس نے وہ ایک کا ذہن باہر آؤنی کو

دی دے دیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

”ارے تم کو کیسے معلوم ہوا آج میرے سنان کی سالگرہ ہے؟“

”اوہ گڈ۔ مگر یہ سالگرہ کا گفت نہیں ہے میری پارٹ نام میں جاب ہو گئی ہے اسی خوشی میں۔“

”ج۔۔۔ عدنان اس کی بات فخر ہونے سے پہلے ہی بے ساختہ بول گئی۔

”بہت بہت مبارک ہو چیتا۔ آج کا دن ہی خوشی کا ہے۔“ باہر آؤنی نے آج کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں وہیں تسلیم نہیں کرتا۔ کچھ درد اے ہوتے ہیں جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہماری نظروں سے ابھل ایک ایسی دنیا بھی ہے جو ہمیں کسی انسانوں کے لیے ایک کڑا امتحان بن جاتی ہے۔

ایک نوجوان کی کتھا جو آتشیں معلوق کے جنگل میں پھنس گیا تھا



بہت طویل ہے قصہ مری محبت کا
ساتھ چاہوں تو خود کو سا نہیں سکتا

ایک دن مجھے ایک خبر ملی کہ میرا ایک دوست کافی عرصے سے ایک بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہے۔ تو میں تیار ہو کر اپنے دوست کے پاس چلا گیا۔ تاکہ اس کی خبر نہایت دو چار میں بہت پریشان حال میں ہے۔

اس کے فوراً بعد ہی کک کا گیا۔ ہاجرہ آئی نے کک کا کھلوا کر کھلایا۔ آبان نے بھی کک کا کھلوا اٹھا ہے ہوتے ان کے منہ میں رکھ دیا اور پھر ڈبہ عدن کی طرف بڑھا دیا۔
”ایسے نہیں“ انہوں نے آبان کا ہاتھ روک دیا اور مسکرائی ہوئی بولیں۔
”تم اپنے ہاتھ سے کھلاؤ عدن کو۔۔۔۔۔ اس سے پیار بڑھتا ہے۔ تم دونوں کا پیار دیکھ کر خوش ہوگی مجھے۔“
عدن یہ سن کر حیرت سے سمجھی ان کو اور بھی آبان کو دیکھنے کی۔ ان کی بات پر اس کے دل کو چھکا لگا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جو انہوں نے ایسی بات کہی تھی جو وہ تو وہ اوپر آئی تھی جس میں انہیں اور ایسا اتفاق بہت کم ہوتا تھا جو وہ دونوں ان کے پاس ایک ساتھ آکر بیٹھتے۔

”آپ ہماری بڑبگ ہیں اور ہاں کی جگہ۔۔۔۔۔ آپ سب سے پہلے آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔“ اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا اور ان کے ہاتھوں کو ہاتھ سے چمکایا۔ وہ مسکرائیں اور انہوں کو ایک قصہ کہنے لگیں۔
”پچھلے شہر کرنے لگے۔ ایک دوسرے سے بچتے ہیں کہ کک کھانے لگے۔ بچوں کے شور وغل ہاجرہ آئی کی خوشی اور ماحول میں دل کشی میں عدن اور آبان کو سب سے پہلے اپنے دل میں چوری چوری اسے دیکھتا ہوا مسکراتا رہا۔ ہاجرہ آئی کی طرف سے آتے ہی عدن نے اسے مبارکباد دی۔ آبان کو حیرت ہوئی۔
”کیا ہوا۔۔۔۔۔“ اس نے آبان کی کھلی آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا۔
”آپ نے مجھے مبارکباد دی۔ اس کی امید نہیں تھی میرے خیرات ہو رہی ہے۔“ اس نے عدن کے چہرے کا گہری نظر دلا سے چاڑھا لیا۔

”وقت اور حالات کا تقاضا ہے اور دیے کہیں بھی کسی بھی وقت کی بات کی بھی جاسکتی ہے۔ بعض اوقات بہت کچھ ہماری توقعات کے برعکس نہیں ہوتا۔“ اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ چمک پڑا۔
”شکرا۔“ وہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے بولا۔
”کوئی ایک ایسی ہیبت کی باتیں ہو سکتی ہیں۔“
”بہر حال زندگی گزارنے کے لیے محبت چھوڑنا پڑتا ہے اور اچھی آپ کی مری بھی ہے اور بہت بھی۔ آج کی محنت آنے والے دنوں میں آرام دے گی اور یہ ایک اچھا آغاز ہے۔“

”ایک بات کہوں۔۔۔۔۔“
اس نے سوالیہ نظروں سے آبان کی طرف دیکھا۔
”میرے ذہن میں آپ کا کردار اُبھا ہوا ہے۔“
”کیسے۔۔۔۔۔“ عدن نے اسے غور سے دیکھا۔
”گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔“ اس کے لبوں کی تاثر میں مسکراہٹ تھی۔
”میرے لیے آپ ایک تپیلی بیٹی ہوتی ہیں۔“
”تپیلی تپیلی نہ رہے تو اچھا ہے۔“ عدن نے گہری پیچیدگی سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف آگئی۔
آبان حیرت سے اسے دیکھتا رہا اور سوچنے لگا۔ وہ عدن ایک ایسی تپیلی ہے جسے کبھی اس کے لیے بہت مشکل ہے۔
(باقی آجیہ)

تھیں گئے۔ سر کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ تو میں نے تھک کر گزارا دیا اور سو گیا۔

وہ عشاء کا وقت تھا جب میں نے نماز عشاء ادا کی اور اس کے بعد میں قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ میری یہ ایک عادت تھی کہ میں کبھی کبھی نماز عشاء

کچھ تاخیر سے پڑھتا تھا اور بعد میں قرآن مجید میں سے چند خاص سورتیں کبھی پڑھتا تھا۔ اپنی والدہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لیے جن سورتوں میں سورہ بقرہ کی آخری آیات، سورہ یٰسین، سورہ ملک اور سورہ مزمل آج کی رات بھی میں نے یہ سورتیں تلاوت کیں اور اپنی دعا پڑھ کر پلٹ کر کمرائی کر گئے۔

مجھے ابھی طرح سے یاد ہے کہ میں جاگ رہا تھا لیکن مجھے اچھی محسوس ہوا کہ میری کمری آٹھویں بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن میں نے اس بات پر دھیان نہ دیا۔ یہ کچھ گڑبگڑ ہو سکتی تھی۔ خیر! وہی ہو۔ میں پھر ذرا گہرائی میں مشغول ہو گیا۔ اچھی جدوجہد کی نذر سے تھے کہ ایک بار پھر ایسا ہوا اس بار پیسے کی طرح حرکت کچھ الگ کی گئی۔

میں نے اپنی آنکھوں پر کسی کے ہاتھوں کی موجودگی محسوس کی اور پھر جب میری آنکھیں بند تو ہو گئیں لیکن میں جاگ رہا تھا۔ میں نے بند آنکھوں کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکا اور نہ ہی اپنی آنکھیں کھول سکا۔ میرے اندر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور کچھ دیر بعد میں تیزی کی آواز میں دھڑکا جاتا گیا۔ پھر جب تیز آواز میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا۔

خواب میں میں نے دیکھا کہ میں ایک ویران جگہ پہ کھڑا ہوں اور اس ویران جگہ پہ ایک بڑا سا درخت ہے اس درخت کے نیچے میرے سامنے دو درختوں کی میری طرف دو کچرے ہیں۔ میں بھی ان کی طرف دو کھینے لگا۔ وہ دو درختیں تھیں جن میں ایک نہایت بڑی عورت جی جیکہ

نہیں تھی۔ یہ میرے لیے ایک تیراگی والی بات تھی کیونکہ جب اس جگہ بیٹھا تھا تو بیٹھے سے پہلے میں نے کسی سے دونوں ٹانگوں کی ہوا چپک کی تھی۔ ایک ایک ٹانگ سے ایک ایک ہوا کا ٹکڑا جانا سوچنے والی بات تھی کہ ہوا کس طرح غائب ہو گئی۔

اب باقی ستر بیٹھے پیدل چل کر پورا کرتا پڑ گیا۔ میں نے سائیکل کو تھام لیا اور پیدل چلنے لگا۔ جیسے جیسے میں اس درخت اور اس جگہ سے دور ہوتا جا رہا تھا تو میرا دل اس ہونے لگا اور میرے دماغ میں نہ جانے کس نے خیال پیدا کر دیا کہ عابد یہاں سے دور مت جاؤ۔ اب کسی نہ کوئی جگہ اور ایسی خوشی چھادیں پھر جس میں کسی بھی نہیں ملے گی۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے ایک بار سڑک اس درخت اور سڑک کی طرف دیکھا تو اس وقت میری جیب سی کیفیت ہو گئی تھی اور میرے دل نے مجھے پھیر کر کہیں دیکھ کر ایک جگہ پہ چلا جاؤں پھر میں نے یہ سوچا کہ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے اور اوپر سے گرم دھوپ گرم کر رہی ہے۔ تو اب جب جلدی ہو چکی ہے تو کھینک پھینک سکوں۔ اب میں ایک پچھوڑی پہ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ذریعہ گیا اور اس ذریعے میں موجود ایک دوست سیم کی چھادیں سے چار پانی پے لیا ہوا سڑک گھٹنے پہنچے میں مصروف تھا۔ دور سے دیکھتے ہی اس نے آواز دی۔

عابد! ابھر آ جاؤ میرے پاس کچھ دیر آرام کرو اور پھر بھی اپنی ٹوئیں سے یہی سوچا اور اپنے اس دوست کی طرف چلا آیا اور سلام کرنے کے بعد وہ کئے گا عابد عابد خیر تو ہے۔ تم پیدل کیوں چل رہے ہو حالانکہ تہا کے پاس تو سائیکل بھی ہے۔ پھر جب اس نے سائیکل کے پیچھے گاڑ کر دیکھا تو خود ہی کہنے لگا۔ اچھا تو یہ مسئلہ ہے ناڑ بچھو ہو گیا۔ لیکن میں نے اس کو بتایا کہ ناڑ بچھو نہیں ہوا بلکہ پراسرار طور پر ہوا خود گئی ہے۔

باقی ستر میں نے سائیکل پہ بیٹھے کیا اور اپنے گھر

سکون سے سائیکل چلا رہا تھا جب میں نے کافی سفر طے کر لیا تو میں نے سوچا کہ اب میں یہاں کی درخت کی چھادوں میں بیٹھ کر کچھ دیر کے لیے آرام کروں پھر باقی ستر طے کروں گا۔

میں نے ایک درخت کے پاس سائیکل کو روک کر پہلے تو میں نے سائیکل کے دونوں پہیوں کی ہوا چپک کی۔ کیونکہ اکثر کبھی کے موسم میں ہوا ٹانگوں سے ٹکرائی جاتی ہے۔ اگرچہ ناڑ بچھو نہ ہی ہو۔

دونوں ٹانگوں میں ہوا پاگل ٹھیک تھی۔ اس کے بعد میں اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا یہ ایک ٹھیک جگہ بہت ہی پرامن درخت تھا اور اس درخت کی شاخیں تو بہت کم تھیں لیکن چھت اکیز بات یہ تھی کہ اس کی چھادوں نہایت خوشی اور سکون لگ رہی تھی۔ وہ نہیں کر رہا تھا کہ میں اس جگہ سے اٹھ کر کہیں اور چلا جاؤں۔ یہاں تک کہ سکون کی وجہ سے مجھے نیند آنے لگی تھی۔ ایک دو پار میں نے وہاں سے اٹھنے کی کوشش بھی کی لیکن میں اٹھ نہ سکا۔

میں سوچنے لگا کہ نہ جانے ایسا کیسی غاصبت اور کشش ہے جس کی پرانے کمرے کے درخت میں جو کچھ اپنے سے دو گنا بڑے کھڑے اور ہوا میرے دل میں اپنی بہت بڑھ کر رہا ہے۔ میں نے غور کیا تو مجھے یہ درخت کچھ پراسرار محسوس ہوا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس درخت اور جگہ سے میرا بہت پرانا رشتہ ہے۔ میں نے کئی بار وہاں سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار مجھے میں کام رہا۔ خدا جانتے ہیں کہ میں کیوں ایک پرانے درخت کی محبت جگہ سے لے رہی تھی۔ مجھے اب تو یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ میں نے تو اپنے گھر جانا تھا اور یہاں بیٹھے ہونے مجھے کتنی دیر ہو چکی ہے!

یوں میں نے بڑی ہی مشکل سے بہت کی اور اپنے گھر جانے کے لیے اس جگہ سے اٹھا اور جب میں سائیکل پہ سوار ہوا تو سائیکل کے پیچھے ناڑ میں ہوا بائیں

سلام دعا کے بعد میں اپنے اس دوست کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ بیٹھ آئے والے مشکل حالات جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات بتانے کو تیار نہیں تھا۔ جب میں نے اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی اس مصیبت کے بارے میں مجھے ضرور بتائے تو مسکے۔ میں اس کی مدد نہ سکوں۔

تب وہ بڑی مشکل سے سب کچھ بتانے پہ راضی ہوا اور میرے اس دوست عابد نے اپنے ساتھ ہونے والے تمام حالات پوری تفصیل سے بتائے جواب میں آپ کی نظر کر رہا ہوں۔

میں نے ڈر دینے سے امید سے میرے دوست عابد کے مشکل ترین حالات پر غور کیا۔ کبھی اس کے لیے دعا ضرور کر رہے گا کہ اللہ پاک اس کو ان مشکلوں سے نازد فرمائے۔ (آمین)

عابد نے مجھے طلب کرتے ہوئے کیا قاسم بھائی! ہمارے ساتھ والے گاؤں میں میرے ایک عزیز دوست کی اہلی بیوی کی اور ان کے اس کے ختم شریف کا دل کا تھا میں نے ختم شریف میں شہادت اختیار کی اور پھر اپنے عزیز دوست سے اجازت لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوست کے گاؤں سے کل کر جب میں نے دو گھنٹہ کا سفر طے کر لیا تو میں نے سوچا باقی کا سفر میں دو میاں والے ان رستوں سے طے کر کے پہنچوں جو میرے گاؤں کی طرف ہیں۔

لہذا یہی سوچ کر میں اپنی سائیکل کا روٹ اپنی جگہ سڑک کی طرف موڑ لیا یہ جگہ سڑک ایک بڑی تہر کے ساتھ تھی۔ تہر اور اس جگہ سڑک کے کناروں پہ کافی تعداد میں پرانے درخت بھی موجود تھے جن سے اس جگہ سڑک پر چلتے ہوئے کچھ سے فائدہ ہو رہا تھا کہ کبھی بھی ان درختوں کا سایہ میرے جسم پہ پڑ جاتا اور میں گرمی کی شدت سے کچھ تک نہ تھا۔

اس دن گرمی بھی بہت تھی میں بڑے آرام اور

دوسری نو جوان اور بہت زیادہ خوبصورت لڑکی پھر یوزی عورت کے ساتھ کڑی نو جوان اور حسین لڑکی نے میری طرف دیکھا اور سرکار کر یوزی عورت نے کہنے لگی۔

ای بی بیاراسا لڑکا کون سے یوزی طرف دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر وہ یوزی عورت کہنے لگی۔ بیٹا بیٹی کیا تو اسے نہیں جانتی ہے وہی لڑکا تو ہے جو آج دن کے وقت ہماری رہائش والی جگہ پر آیا تھا۔ وہ وہاں بہت دیر تک بیٹھا بھی تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک شرارت بھی کی تھی تاکہ وہ وہیں بیٹھا رہے اور گھر نہ جائے میں پھر دیکھ لیکن وہ وہاں نہ رہا اور اسے گھر چلا گیا۔ میں پھر دیکھ کر کہنے لگی۔

میں بھی اس کے پیچھے جاتی ہوئی اس کے ساتھ آئی اور اس کا گھر میں سے دیکھ لیا کہ یہاں رہتا ہے۔

بیٹا بیٹی اب میں تجھے اپنے ساتھ آئی ہوں اس کے ساتھ آ کر بیٹھ جیسا کہ دیکھا ہے بہت اچھا لگا ہے اور میں نے اسے تو میرے لیے پسند کیا ہے۔ اب تو بتا بیٹا میں کیا لیا ہے۔ پسند آیا پھر یہ سن کر ساتھ والی نو جوان لڑکی افس کر کہنے لگی۔ ای بی بی لڑکا تو بہت پیارا ہے اور میں اچھا ہے۔ ای بی بی تم نے بہت اچھا کیا جو اس کو میرے لیے پسند کیا ہے۔ اس میں اور ہم میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ یہ لڑکا تو فخر اور آقا ہے جتنے والا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک مسلمان لڑکا ہے اور ہم تو مسلمانوں سے نترتے رہتے ہیں۔ پھر یہ لڑکا اس طرح میرا ہوگا۔

لڑکی کی بات سن کر یوزی عورت کہنے لگی۔ بیٹا بیٹی تو فکر نہ کر ہم اس کے ہم اور دامع کو اپنے قابو میں کر لیں گے تو یہ ہماری مرضی کے مطابق ہمارا کام بنے گا۔

نو جوان لڑکی اس کی بات سن کر حیرت سے کہنے لگی۔ ای بی بی یہ ہو گا کس طرح یوزی عورت نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ بیٹا بیٹی ابھی دکھائی ہوں کہ یہ اس طرح ہوگا۔

خدا سے بڑگ برتر کی ذات جانتی ہے کہ یہ ایک

خواب ضرور تھا مگر جو اس خواب میں میں دیکھ رہا تھا کہ بالکل حقیقت تھا یوزی عورت نے اپنا ایک ہاتھ میری طرف بڑھایا اور اپنا ہاتھ میرے سینے پر دلی کی جگہ پر رکھا تو میں نے دل میں شدید درد اور گہرا ہمت ہونے لگی۔

خوف کی وجہ سے یہ ایک ذور دار چنگ مار کر اپنی جگہ پر پانچ کر بیٹھ گیا۔ مجھے یوں لگا تھا کہ میں نے اپنی کمر میں میرا دل پکڑ کر دیا ہے۔ میری پٹائی کی آواز سن کر میرے ابو اور بہن بھائی کی ڈر کر جاگ گئے اور ابو نے فوراً مجھے اپنے سینے سے لگایا اور پوچھنے لگے۔ عابد بیٹا کیا ہوا کیوں ڈر گئے کیا کوئی ڈراؤنٹ خواب دیکھ لیا۔ لیکن میں کچھ بھی نہ بول سکا۔

مجھے اپنے گھر سے خوف آ رہا تھا لیکن رہا تھا کہ اس طرح میں ہزاروں خوف کا بلا نہیں ہیں۔ جو مجھے مارا جاتا ہے اس میں میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے میرے ہم اور دامع میں ایک عجیب سی حرکت ہونے لگی تھی میری رگوں میں خون کی جگہ کڑے دھڑ رہے ہوں اور ہم میں چشم بھی میں کئی میری حالت دیکھ کر اب کہنے لگے۔ عابد بیٹا جلدی لٹاؤ کیا ہوا کیا کوئی ڈراؤنٹ خواب دیکھ لیا لیکن میں نے ابو سے کہا کہ ابو کو مجھے اسے مجھے اس گھر سے کس دور لے جانا مجھے اس حرکت سے ڈر لگ رہا ہے۔

ابو نے مجھے اپنے ساتھ تھا لیا اور مجھے میرے باپ کے گھر لے آئے وہ لوگ بھی مجھے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیوں ڈر گئے تھے۔ لیکن میں خوف کے مارے کچھ بھی نہیں بول پایا تھا۔ میری زبان اور میرا جسم ہی میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ابو ان کو لے کر گھومتا ہے لگے کہ اچھا ہوا ہوا فخر آقا ہے۔

قرآن پڑھ کر سو گیا تھا۔ شاید اس نے کوئی ڈراؤنٹ خواب دیکھ لیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ڈرا ہے۔ لیکن اب میں ان لوگوں کو کیا بتاؤں کہ میں خواب میں ڈرا ہوں یا حقیقت میں میں تو اب کچھ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ ڈراؤنٹ خواب کی وجہ سے وہ لوگ یہی سوچ کر مطمئن ہو گئے کہ اس نے

کوئی ڈراؤنٹ خواب ہی دیکھا ہے۔

سچی مجھے کہنے لگے کہ عابد ایسا ہی پڑھ کر سو جاؤ اللہ خبر کرے گا۔ ایک بات میرے ذہن میں بار بار خوف ڈال رہی تھی کہ میں نے سونے کی کوشش کی تو میں پھر ڈر جاؤں گا۔ میں تو اب عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔ میں نے دل میں ابو کو یاد کیا کہ یا اللہ میری مدد کر میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ تقویٰ دیر بعد میں لوگ سو گئے سوائے میرے۔ چند منوں بعد مجھے اپنے پاس کسی کی سوجھ بوجھ آدھاس ہوا۔ میں نے خوف سے اپنے سامنے کی طرف دیکھا مجھے ایک عجیب قسم کا سایہ نظر آیا وہ سایہ میرے قریب سے دور گئی کی دیوار کی طرف جانے لگا اور پھر جب وہ جگہ پہنچا تو وہاں میرے پاس پہنچا تو وہ سایہ ایک لڑکی کی صورت میں میں بدل گیا کہ جس کی یہ صورت کئی بدشت میری آنکھیں برداشت نہ کر سکیں اور میں ڈر کر پھٹنے لگا اس کے ساتھ میرا جسم پھیلنے کی طرف بڑھ رہی تھی میں تو شرع ہو کر کھڑکی سے نکلی۔

خدا کی پناہ مجھے لگ رہا تھا کہ مجھے دینا جہاں کا ڈر اور خوف میرے جسم و جان میں عاید ہے۔ حقیقت میں مجھے اپنے قریب موت نظر آ رہی تھی ایسا بدامنی چیزوں کی آواز میں اپنے گھر میں دیر سے سونے والے کئی لوگوں نے بھی نہیں سنا اور وہ گھر ہمارے پاس چلے آئے۔ پریشان اور حیران ہوئے ہوئے کہ مجھے کیا ہوا ہے۔ پھر جب ابو نے انہیں ساری صورت حال بتائی تو وہ لوگ کہنے لگے۔ عابد سے پوچھو کہ آج کہاں گیا تھا اور کس جگہ پر بیٹھا تھا جبکہ کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں آج کے دن کہاں کیا اور کس جگہ پر بیٹھا تھا۔ میرے لیے کتنے افسوس کی بات تھی کہ میں اس مصیبت میں سب کچھ بھول چکا تھا۔ مجھے یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں تو خود حیران تھا بی بی یہ کس پھر ان پوچھنے والے لوگوں کو کیا بتاؤں۔

جب میں نے کچھ نہ بتایا تو وہ لوگ کہنے لگے یہ ضرور کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہے جہاں کسی جن اپنی چٹائی کی رہائش کی اور اب وہ اس کو ڈرا رہے ہیں۔

ابھی وہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ میں نے ایک ایسی آواز سنی جو بہت ہی سریلی تھی وہ آواز مجھ سے ہی خطاب کی تھی اور وہ آواز کسی مومنین بلکہ ایک عورت کی آواز تھی۔ مجھے کچھ دیر ہی عابد کی کو کچھ مدت بتانا کہ تم کہاں گئے تھے اور کس جگہ پر بیٹھے تھے اور نہ جانیں ہو گا۔ یہ آواز سن کر میں اب یقین کر چکا تھا کہ میں سچ میں کسی بولی تھوکی کی قید میں آچکا ہوں۔

میری رات گزرتی لیکن میں اک مل کے لیے بھی سو نہ سکا۔ ساری رات خوف اور ڈر میرے جسم کے ساتھ چلتا رہا جسے اس کا میرے ساتھ کئی جنوں کا رشتہ ہے۔ دوسرے دن کچھ لوگ مجھے ایک صبر صاحب کے پاس لے گئے۔ ابھی میرے پاس سے تھے کہ میری زبان سے خود بخود طبعی طبع کا درد جاری ہو گیا۔ میرے ساتھ والے لوگ بھی آہستہ آہستہ طبعی طبع پڑنے لگے اور پھر چند منوں کے بعد مجھے کچھ میرے جسم میں کوئی اور وجود بھی بڑھ گیا میرا ایک درد تھا جس کا درد بڑھ گیا اور وہاں پھر صاحب کے پاس لے گئے۔ بات کہی کہ عابد میرا صاحب کے پاس جاؤ۔ عابد میں آپ کو اب سب کچھ بتا دینی ہوں کہ کون کون ہیں۔

عابد میرا نام پتا ہے اور میں جنات میں ہوں۔ تم مجھے بہت اچھے گے ہو۔ اس لیے اب میں تمہارے وجود میں آئی ہوں۔ عابد جس تم سے محبت کرتی ہو۔ تم میرا صاحب کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا۔ ہم بہت طاقتور ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ عابد رات کو تم سے نہیں اس لیے ڈرایا تھا کہ تم نہیں اپنی آمد اور اپنی طاقت دیکھا سکیں۔ ہم چاہتے تو تمہارے

کر کے اپنی نماز اور قرآن کی عبادت مکمل کرتا۔ جس میں مجھے بڑی اور طرح طرح کی مشقتیں کرنی پڑتی۔

ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے یوں لگا جیسے کوئی مجھے منہ پر پتھر مارنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کا ہاتھ میرے منہ کے قریب سے گزر جاتا ہے۔ میں نے وہ مجھے پھڑپھڑانا چاہتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں سکھا اور وہی تھپتھپ کا خوف میرے دماغ میں ڈال کر میری قیادت توڑ دانا چاہتا ہے۔ لیکن میں نماز میں مشغول رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں نماز نہیں چھوڑ رہا تو ایک میری طبیعت میں ایک عجیب سا دلاؤ پیدا ہوا اور میں نے خود ہی نماز توڑ دی اور میرے منہ سے عجیب قسم کی کایاں نکلتی گئیں۔

میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عبادت نہیں دی ہے اور یہ صرف جو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ خدا کی پناہ اللہ بجز چاہتا ہے کہ وہ نماز میں نہ لیں بلکہ اس جتنا جانی جن سے میرے جسم میں آ کر توڑ دلائی۔

لیکن اس کو نماز اور عبادت پناہ دیتی ہے جب میں نماز اور قرآن پڑھتا تھا تو میرا جسم گرم ہوتا شروع ہو جاتا اور میرے دماغ اور جسم میں کسی کے تھوکنے اور رونے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جس کا مطلب تھا کہ ذکر خدا سے اس پاک اور ناپاک دنیا کی کوئی تکلیف ہوتی تھی۔

اب وہ طرح طرح کے نماز پڑھنے والی ایک لڑکی جتنا میرے وجود میں آ کر کہنے لگی عابد میں تم سے بے نیاز ہو جاتے ہو تو نماز نہ پڑھا کر اور تم قرآن پاک کی عبادت کیا کر رہے ہو مجھے تکلیف دیتے ہیں کیونکہ ہم مسلمان نہیں تم یہ سب کچھ چھوڑ دو یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ کبھی کبھی انسان یا جن کا کوئی حساب نہیں ہوتا جس یہ دونوں مخلوق پیدا ہوئیں ہیں اور اپنی زندگی پوری کر کے تم کو جاتی ہیں۔ تم کو ہر دم کا کرنا ہے جو تم کو اچھے اور جو بدی اچھے لگے۔ میں کر میں سے جتنا بھٹی سے کہا ہے تمہاری بھول ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے

لیے پیدا کیا ہے۔ وہ ضرور حساب لے گا تم سے بھی اور مجھ سے بھی اس لیے تم بھی اللہ اور اس کے پیارے سے نیچے ایمان لے آؤ وہ آپ کو جو اسے خیر عطا کرے گا۔

لیکن جتنا میں نے سب کچھ کر رکھا ہے اب بھی اس کی عبادت میں عابد اب میں اور زیادہ تکلیف نہیں برداشت کر سکتی کہ تم نماز اور قرآن پڑھ کر مجھے دکھ اور آگ میں نماز اور قرآن کی عبادت کی تو میں اللہ اور اس کے نبی کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہی۔ اور یہ سب کچھ تمہارے منہ سے ہی نکلاؤں گی کیونکہ تمہارا جسم تو میرے قابو میں ہے!

مجھے یہ سن کر حیران ہوتا چلا گیا کہ وہ مجھ حاصل کرنے کے لیے کس حد تک گھبراتا جانتی تھی یہ اس کی کسی عبادت میں اور میری مخلوق سے یعنی انسانی مخلوق سے۔ اب میں سوچنے لگا کہ کیا کروں اگر نماز اور قرآن چھوڑا ہوں تو اللہ اور پیارے سے آقا براش ہوں جسے اور اگر نماز اور قرآن پڑھتا ہوں تو اللہ اور پیارے سے نبی کی شان میں غلطی کرتا ہوں۔ میں نے وہ دنوں میں سے کون انہم سے میں نے اللہ کو یاد کیا کہ اللہ مجھے بہت عطا کر کے میں اب اس بارے میں کیا فیصلہ کروں۔

میں سوچ رہا تھا تو میرے دل نے گواہی دی کہ عبادت ضروری نہیں اللہ اور اس کے نبی کی شان و عزت سے اللہ اور نبی کا احترام عبادت سے زیادہ اہم اور فضیلت والا ہے۔ اللہ عبادت کو معاف کر دے گا کہ اپنے نبی کے خلاف کوئی ایک لفظ نہیں معاف کرے گا۔ اب اللہ اور اس کے نبی کی عزت پہنچا دینا ہم سب مسلمانوں کا اہم فرض ہے چاہے اس کے لیے ہزاروں جانیں قربان کرنی پڑ جائیں۔ اللہ ہر مسلمان کے دل میں اپنی اور اپنے نبی کی عزت و شان بلند کرے۔ (آمین)

میں نے جتنا غصہ اور غم کرتے ہوئے کہا تھا اب آپ کی بات منظور ہے۔ لیکن جہیں بھی ایک وعدہ کرنا پڑے گا وہ خوش ہوتے ہوئے کہنے لگی ہاں عابد تم دوست

ہو یو کیا وعدہ کروں میں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نماز اور قرآن میں ہر صوبوں کا لیکن میرے نبی اور میرے اللہ کو کبھی نہیں کیوں۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگی کیوں نہیں میں ان کا احترام کروں گی اور نہ اب تم کو تکہ کروں گی لیکن تم اپنی بات پر قائم رہنا۔ میں نے کہا کہ مجھ سے جتنا میں بھی وعدہ ہوا تھا۔

وہ اب بہت خوش تھی اور میں سمجھ کر رہا تھا کہ میرے جسم میں بھی اب سکون کیوں ہوتا جا رہا تھا۔ چہرہ مجھے غصہ غلظت کر کے کہنے لگی اچھا دوست عابد اب میں جا رہی ہوں۔ اپنے گھر پھر آؤں گی میں نے کہا کہ ایک ہے اب تم جاؤ اب یہ کہانی جا رہا تھا جب وہ میرے جسم سے جا رہی تھی۔ روز تو وہ جب سے مجھ پر قابض ہوئی تھی وہ ایک پل کے لیے بھی میرے جسم سے جدا نہیں ہوتی تھی۔

میں نے اس وقت رات کو کوئی تین گھنٹے سوچا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا خواب میں ایک خوبصورت لڑکی میرے پاس کھڑی تھی مجھ سے کہنے کی عادی تھی کیوں گہری نیند میں غصے ہوئے ہوئے۔ کب سے تمہارے جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔ اب اٹھ جاؤ آنا اور میرے ساتھ چلائی جاؤ گی۔

میرے دل کو سکون لے اور آؤ میرے جسم سے لپٹ جاؤ۔ میرا جسم تمہارے قریب آئے گا سے خوب رہا ہے۔ میں فوراً اس لڑکی کا ہاتھ میں رہا تھا اور یہ کہنے کی کوشش کرنے لگا کہ لڑکی کون ہے کیونکہ اس کیسے وہیل لڑکی کا چہرہ جانا چھپکا سا لگا رہا تھا۔ جب میں نے ذہن سے چھوڑ دیا تو مجھے یاد آ گیا کہ وہ لڑکی ہے جو ایک رات مجھے خواب میں نظر آئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایک بڑی عورت بھی تھی اور اس لڑکی کا کام بیٹا دینی ہے۔ ابھی میں امی سوچوں میں تم ہم سب سے دیکھ جا رہا تھا تو اس نے اپنا خوبصورت ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر کہا عابد کیا سوچ رہے ہو اور

اس کا ہاتھ میرے کندھے سے رکھتے سے میرے جسم میں کچھ عجیب سی سہانہت ہو رہی۔

میں نے آہستہ سی آواز میں کہا تم جیتا ہو کیا وہ مسکرائی اور کہنے لگی ہاں عابد میں جیتا ہوں۔ تمہاری دوست تم ڈرو نہیں اور یہاں آؤ مجھے گلے کاؤ۔ لیکن میں اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر ٹھوکر پیچھے ہٹ گیا اور اسے کہنے لگا کہیں رہتے دو یہ اچھی بات نہیں میں کسی اجنبی لڑکی کو کیوں اپنے جسم سے لگاؤں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آئی اور میرا ہاتھ چمکتے ہوئے کہنے لگی عابد میں ابھی نہیں ہوں۔ تم تمہاری اہمیت ہوں تم سے بے نیاز ہو جاتی ہوں۔ لیکن وہ میرے چل کر آئی ہوں۔ تیرے پاس تمہاری محبت میں میں رہی ہوں۔ اب تم مجھ کو جاننے کی کوشش کر رہے ہو یہ کہہ کر اس نے مجھے ہتھیارے جسم

کے لایا تو میں اٹھارے کر کے ایک کب اور پر لطیف سی کشش تھی۔ اس کے سمندر سے جسم میں جتنا مجھے گلے کر چوتھے لگی۔ وہ اس قدر مدھوش ہوئی کہ وہ دست ہو کر چوتھے لگی تھی اور اس کے خوبصورت ہونٹوں سے آہستہ آہستہ ایک ہی بات نکلتی رہی تھی جا میرے جسم کی چاہاں۔ تمہارے خدا کے لیے تم کو رب کا واسطہ ہے۔ میں جلی رہی ہوں تیری قربت میں۔ میرے جسم کو اپنے جسم کی خواہش ہے۔ تمہارے۔

حیرت کی بات ہے جتنی کہ میں بھی اپنے ہوش و حواس کھوئے لگا تھا۔ وہ مجھے جس طرح مسخ کر رہی تھی کسی بے جا چیز کی طرح اس طرف جھومتا جا چلا رہا تھا۔ اک عجیب سا سرور دل رہا تھا۔ میرے جسم و جان کو شہد دیکھ رہا تھا وہ حد سے آگے پہنچی چلی جا رہی تھی۔ لیکن میں اس کو روک کر نہیں جا رہا تھا۔ بس اب ایک آخری حد رہی تھی کہنا عظیم کی جودہ جانتی تھی کہ وہی ہم کر گزریں۔ آخر اس نے یہ حد کرنے کے لیے مجھے کہہ کر دی لیکن میں نے اسے انکار کر دیا کہ میں یہ گناہ نہیں

خلوق کا ہر قسم سہولہ کا گھر اور تیرے پیارے آقا کا
دانش گاہی نہیں چھوڑوں گا تو میرے ایمان کی حفاظت کر
بے شک تو ہی سچ اور جھوٹ میں انسان کو فرق دکھاتا ہے
اور تو ہی دکھ اور سکھ انسانوں کو دیتا ہے۔ آزمائش کے
لیے اگر میرے لیے کوئی آزمائش ہے تو تو مجھے اس
آزمائش میں ثابت قدم رکھ بے شک میں کمزور انسان
ہوں اور میرا حیات بندہ ہوں پر شاید میری دعاؤں کے
قبول ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا اور مجھے ان غلاموں
کے دکھ اور سہتے تھے۔ حتیٰ تکلیفیں سہرا تھا یہ تو اللہ
ہی بہتر جانتا ہے۔

میں دانتے الگ ہو کر رہ گیا تھا۔ اپنی بیچان
بھی بھول گیا کہ کس کون ہوں میں نے اس دنیا میں
کیا کچھ کرنا ہے۔

آخر کار ایک دن میں بھول ہو کر پہلا ہوا اس درخت
کے پاس چلا گیا جہاں میں کچھ دیر کے لیے بیٹھا اور
وہاں بیٹھ ہی رہا ابھی تک جھگڑ رہا تھا۔ میں نے
درخت کے پاس جا کر اپنا کمر بٹھا لیا اور اپنے ہاتھ جوڑ کر
کہنے لگا۔ اے اللہ کی مخلوق مجھے چھوڑ دو تمہیں ان خداؤں
کا واسطہ ہے حق کو اللہ کے سوا ہے۔ تو میں انسان
ہوں میں کیوں تجھ سے قسم کر رہا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔

اپنا تک درخت کے قریب سے آواز تم جس اللہ کو
رہ مانتے ہو تم اس کو چھوڑ دو تو تم آپ کو کھینچا دیتی
گے۔ ہماری دشمنی صرف خداؤں تک ہی رہ گئی ہے تم
ہمارے خدا کو مان لو تم کیسے اللہ پر یقین نہ کریں کہ وہ رب
ہے وہ تو ہمیں کبھی نظر نہیں آتا اگر ہے تو ہمیں بھی دکھانا
جبکہ ہمارے ہونامان کی تصویریں بھی ہیں اور بت بھی جو
بڑے بڑے مندروں میں موجود ہیں۔ بس ہمارا ہونامان
خدا ہے۔ جو ہمارے سامنے ہے۔

عابد تم ہمارے ہواور تم تمہارے ہیں تم ہی بھول جاؤ
کہ تم نہیں چھوڑ دیں گے۔ اس لیے بہتر ہے ہماری
بات مان لو اور اپنے رب کو چھوڑ دو تو ہم آپ کو بھی سرا

محبت غلاب کی صورت

نرہت جبین ضیاء

خوبصورت چہرے کے اچھے نہیں گئے
مراس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان اپنی
بدصورتی کو جواز بنا کر اللہ کی منتوں کی ناشکری کرنے لگے۔

ایک لڑکی کا فاسانہ جو خود کو دوسروں سے کتنو سمجھنے لگی تھی



جنا جو محبت میں ہوتی ہے وہ بنا ہی نہیں
سم نہ ہو تو محبت میں کچھ حرا ہی نہیں

ہے۔

لہٰذا نئی نور اپنے کمرے میں بیٹھی اپنے دلے سے
حسان کا انتظار کر رہی تھی۔ دل عجیب عجیب خیالات کی
آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ عجیب سے داپے تھے۔ حیرت اور
تعب کی بات تھی کہ تین ماہ قبل اس کے لیے حسان کا رشتہ
آیا تھا اور فوراً ہی یہ بھی پتہ نہ تھا کہ حسان کیسا ہے؟ گمراہ
ہے؟ کالا ہے؟ قد کتنا ہے؟ یا پھر دیکھنے میں کیسا نظر آتا

ہے ساتھ اس کی نظر سامنے لگے ہوئے ہے۔ آئیے
پڑی جاؤں گی سوچوں کا سین گواہ آئینہ قد۔ وہ کہاں
کس کے کوئی بات پوشیدہ رکھتا ہے۔ صاف اور بچی
کھری بات کرنے والا وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔
خاموشی حالت بیان کرتا ہے۔ واقعی ہماری شرابے،
بہترین اور ماہرانہ باتوں سے بکے گئے میک اپ اور جتنی
جیواری سے اس کے ہمدے، گہرے سانوں اور اے
روشن چہرے پر کوئی خوشگوار اجڑتی نہ لائے اس نے
خضنی سانس لے کر آئیے۔ گئے تھیں چرائیں۔
دل بڑی طرح دھڑکنے لگا تھا۔ حسان کے بارے
میں مختلف سوالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ کیا
ہوگا؟ جانے کیا رہی؟ انکس ہونے لگا تھا۔ ہوا میں
تخلیل نہ کر رہے تھے۔ ان کی پشت سے لگی تھی۔

ہلا ہلا ہوا

نور نے طویل آنکھوں کے زمرے سے چادر کھسکا کر
اور مندی مندی آنکھوں سے نیرے کے سر کو دیکھا۔ وہ
شکر تھا کہ وہ ابھی تک سو رہی تھی ورنہ آج بھی بائیں سنی
پڑتی کرتی جلدی کیوں جا، جلدی سے چادر پھینک کر
وہ اٹھ کر نکل خانے کی طرف چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر
چہرے پر چائے پانی کا رسا اور آٹا کوٹھہری بھی لگے نیرے
بھی اٹھ کر آئی۔ جب تک نور نے ہاتھ نہ دئے نیرے
نے رات کا سامان گرم کر لیا۔ پتے اور صداقت بھی اٹھ
گئے تھے اور شفاعت نے لی دی ان کر لیا تھا کسی پہلیں
یہ شاید پرانے گانے لگے ہوئے اور نہ چاہتے ہوئے
بھی نونہ نہ جانے کھوئے لگی تھی۔

یہ چاند سا روتی چہرہ زانوؤں کا رنگ سنہرا
یہ چیل ہی گہری آنکھیں کوئی راز ہے ان میں گہرا
تعریف کروں کیا اس کی، جس نے تجھے کیا
اس کو چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں اداسی نمایاں تھی۔
پراٹھے کے پڑے بناتے اپنے سیاہاٹوں کو دیکھا
ذرا بھی کشش نہ تھی گہری رنگت اور بے روش چل چلی

الگیاں، اس پر سنیہ سفید ناخن۔ تعریف بہت اچھی تھی
کوئی میری بھی تعریف کرے گا۔ اللہ پاک تھوڑا سا
حسن مجھے بھی دے دیتا۔
"نور! دیکھو تو پراٹھا تو بے پریل رہا ہے۔" نیرے کی
آواز بڑھ چکی۔
"تم ای دیکھ رہی ہوں۔" سر جھک کر وہ بارہ سے
پراٹھے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ ٹوری کیفیت نیرے سے بھی
نچی اس نے غور سے اپنی ہتھی کو دیکھا اور خضنی سانس
بھر کر پلٹ میں سامان لگا لگی۔

صداقت اور نیرے اٹھے پہلے گورے صحت مند اور
اچھی صورت شکل کے تھے۔ تین تھے نور بھر شفاعت
اور اور طویل شفاعت اور طویل دونوں گورے پتے اور
خوب صورت تھے مگر نہ جانے نور کس پر تھی گئی۔ وہ تو
ان کی اولاد ہی نہیں تھی۔ گہری سانوں رنگت، پھیلی
ہوئی ناک، چھوٹی پھولی سی آنکھیں، چڑا دہانہ وہ سب
سے الگ تھی۔ بس اس کی آواز اور ہل دونوں
اٹھے تھے باقی تو کچھ بھی ایسا نہ تھا۔ کوئی اسے پسند
کرے۔ کوئی دلکشی اور مہمانی نام کی چیز نہ تھی۔
جب تک وہ چھوٹی سی اتھا اسان نہ ہوتا تھا مگر
جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اسے اپنی صورت شکل کا
شریت سے احساس ہونے لگا تھا۔ خاص طور پر وہ جب
باہر نکلتی جاتی۔ پوری فکری کے ساتھ کہیں شادی میں کسی
تقریب میں۔ رشتے داروں اور جاننے والوں کے پاس
جب کوئی بھی حیرت سے نیرے سے سوال کیے جاتا۔

"ہائے نیرے بھی تمہاری بیٹی ہے؟ تمہاری یہ
بہنیں کس پر چلی گئی؟" نیرے تمہارے گھر میں سب
کو سب سے خوب صورت ہیں نور کی بیوی کے لیے ج
میں نور تو تمہاری بہن ہیں کبھی سے بھی نہیں گئی۔ یہ نور سب
سے الگ کیوں ہے؟ مختلف لوگوں کی زبانوں سے مختلف
پتے، کہیں کہیں کاٹ اور طرزی بات کر لگتے تمہاری پہلی
میں ایک نظر تو سچ و سچ اللہ نے، یا نور پیدا ہونے سے

پہلے کیا کھاتی تھیں یعنی جلی یعنی چیزیں۔ کھاتی تھیں
کیا؟ ایسے جتنے کراس کا ٹھکانا دل ٹوٹ جاتا۔
وہ ہونٹ کاٹ کر بے بسی سے اپنی ماں کے پیچھے
چھینی کو کشش کرتی کہ کوئی دیکھے اور نہ ہی اس کا تاش
اس کی ساتوں میں نہ پڑا تھیں۔

نیرے بھی اواس ہو جاتی اب بھلا وہ کیا جواب دیتی ہے
تو سب اللہ پاک کی دی گئی۔ بھلا اس میں کسی انسان کا
کیا عمل دخل ہے۔ کتاب کچھ تھا مگر کھانا پاک ہے اس
کو آواز بہت اچھی دی تھی۔ سر بھی چھنی اور دل میں اثر
جانے والی آواز تھی۔ وہ ہمیشہ سے بڑھتی ہی ابھی رہی
نیچر سے پسند کرتی تھیں۔ دت کے ساتھ ساتھ کچھ
جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اسے اس کا شرب بھی تھی۔

صداقت کا خاندان اچھا تھا۔ بڑا بڑا۔ بھائی بیٹیں
اور ان کے بچے سارے تقریباً اچھے اچھے گورے تھے۔
لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی جب وہ نور خاندان کی کسی بھی
شادی میں جاتی تو طرح طرح کے ٹھکانے ڈانے والے
جتنے اور طرزی تھے اس کی رونج چھنی کرنے لگتیں۔ بھی
اس کی ڈریسنگ کو لٹانے لگتا جاتا تو کچھ بچوں کے گھڑو کو
اف نور کو کیا سوچی تھی خوف، ڈر تھا مگر چڑا جہان کا
دیکھو تو سیاہ رنگت اور داغ بوبی ہے۔ اسے تو ٹھکانے اور
پینے چائیں بکے گھڑو میں تو بے سی سانوں کے ساتھ چھنی
کا لگتے ہیں۔ "چھوڑو بھی ہمیں کیا؟" دوسری آواز
آتی۔

افوہ دیکھو دیکھو نور کو تو دیکھو تو یہ گرین گل بہان
کر آگئی ہے پہلے اکی کالی ہے اوپر سے یہ کٹر بھینا لیں
اللہ نے صورت شکل اور رنگت دی تو کم اور عقل کا
استعمال کر لیں۔ زور دار تعجب کے ساتھ بھی تقریب میں
اس کی ساتوں میں یہ جملہ اڑا رہا جاتا۔

اف وہ جب کب کر نیرے کے پیچھے چھنی کا کام
کوشش کرنے لگتی۔ گھر آ کر وہ رات کو کچھ میں منہ چھپا
کر بے آواز آسہ پاتی۔

نور کا بیٹا آج بھی تپا تو طویل سے لے کر بھی
رشتے آگے نہ تھے۔ کوئی بھی نہ تھا جنور کے لیے رشتہ
دیتا بھلا کو آج کل معمولی شکل اور گہری رنگت والی
لڑکی کو اپنا پسند کرتا ہے۔ آج کل تو صرف ظاہری خوب
صورتی کو اہمیت دی جاتی ہے۔ وہ کھڑے، ٹیک شریف،
ذہین اور پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ برکھانے سے ابھی کم۔ وہ
چیز جس کا مارا نہ تھا طلب کار تھا اس چیز سے عزم تھی۔
بہن اس کا قصور تھا۔

وہ بھی جب ڈراتے دیکھتی، فہمیں دیکھتی پاؤا جھٹ
پڑتی تو کچھ کھوں کے لیے وہ کسی اور دنیا میں پہنچ جاتی۔
کی وی اسکرین پر چھین سے حسین بھروں کو دیکھتی
افسانوں اور ڈانوں میں بھیر ڈول کی خوب صورتی کا
خشہ جب پڑتی تھی بیرونی دھڑکیاں بھیر ڈول کی شان میں
قصیدے دیکھتی اور تپا تو اس کے دل میں
ہو جاتی تھی۔

دل ہی دل میں سوچتی رہ جاتی کیا یہ سب میرے
ساتھ ہو سکتا ہے؟ کوئی مجھے بھی ایسے ہی پسند کرے
گا۔ میرے کاٹوں میں ایسے ہی انکوں کی پھر بھی
ہرے کی۔ کوئی میرے کے لیے ایسے لفظ بول پائے
گا۔ اور اس کے سارے دواوں کا جواب اسے آئینہ
دے دے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ڈھیر سارے
آنسو آجاتے۔ دل بڑی طرح ٹوٹ جاتا۔

اپنی تمام تر اچھائیوں کے باوجود بھی وہ منف
خلاف کے لیے کوئی افریقن کا باعث نہیں بن سکتی تھی۔
خاندان میں شادی تھی۔
"اسی میں شادی میں نہیں جاؤں گی۔" نور نے کارڈ
دیکھ کر فیصلہ سنایا۔

"بہن تمہاری چھوٹی بیٹی کی شادی ہے اور تمہارے
بابے مجھے خاص طور پر تم کو لیں کو پڑے بنوانے کے
لیے پیسے دیئے۔ ان کے گھر کی پہلی شادی ہے اگر تم
نہیں جاؤ گی تو تمہارے لہا بڑا میں گئے۔" نیرے کی بات

پراس کے لیوں پر تن مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسی چاہے میرے لیے کیسے کپڑے خرید لو، چاہے ستنی جیتی چیلری پہن دو میں رہوں گی تو ایسی۔ کالی گولی اور بدھن۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

ارے نہیں نہیں ایسے نہیں کہے بھلا ایسا بھی کیا ہے تم میں اپنے سے کم تر لوگوں پر نظر ڈالو دیکھو تو دنیا میں کیسے کیسے لوگ پڑے ہیں معذور اور اپلاچ، ذہنی معذور، لنگڑے اندھے اور جاتے کیسی کیسی مہلک بیماریوں کا شکار ہیں تم باپ کا شکار اور کروڑوں لوگوں اور کسی قسم کے جسمانی عیب سے پاک بنایا ہے تمہیں عام فوٹوں کے مقابلے میں ذہن بڑا نام پر پڑھائی میں اتنی اچھی ہو یہ سب بھی تو اللہ کی طرف سے ملے۔ ایک کی کوئے کے رات کی ماری تو ازراش کو لیوں بھول جاتی ہو تم۔

نہیں اس کے بچے بھی چہرے کی طرف دیکھ کر اسے سمجھا۔

شادی والے دن وہ لوگ پاپے پر طرف دیکھیں آج کل لہرا رہے تھے خاندان کی ساری لڑکیاں اور لڑکے جو صورت کھلی اور رنگ دوپ سے اچھے تھے مزے خود کو جاکر سنبھال کر ہنسنے لگے رہے تھے۔ کئی مذاق چھیٹے پھیر چھاؤ اور ایک دوسرے پر ہنسنے بازی ہو رہی تھی۔ کتنے ایسے کرز تھے جن کے آئین میں رشتے ملے ہوئے تھے۔ سب لوگ ایک دوسرے میں کتنے خوش باغی تھے۔

کس بخوار تھے۔ سیلفیاں لے رہے تھے۔ ملوینے بھی اپنی ہم عمر کرز کے ساتھ اٹھائے کر رہی تھی۔ ایک نورجی جو اماں سے چٹکی میٹھی تھی۔ جیز اور جیزری یہ ساری چار چندا اورنگ دونوں کا سیلاب سے بگڑے دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔ انکی جیبوں پر جا کر وہ خود کو بے وقت اور غیر اہم سمجھتی۔ کیوں کہ نہ کسی نے کھلتی پھلتی تھی ہاں اٹھ کر ادھر ادھر عام لڑکیوں کی طرح کھو کر تھی۔ وہ جیزری تقریباً آئینہ کر کے گھر آ جاتی۔ لوگوں کی نگاہیں،

جیسے ہوئے جیسے اندر تک دبی کر دیتے۔
”نور تم بھی آج پر جا کر کہیں کے ساتھ تصویر بنوا لو۔“ اس کی بات نے کہا۔

میں اس وقت پھوپھو کی دوسری بیٹی وہاں پر اپنا بیگ اب تازہ کرنے آئی تھی۔ ارے نہیں نہیں ممانی انکی نہیں پہلے ہم لوگ یکس بغا میں۔ میں نہیں بیک پر شہر کرنی ہے۔ ہم بغا نہیں تو پھر نور کو بھیجے گا وہ بخوالے کی آبی کے ساتھ اگلی پک۔ اس نے منہ ہکا بختی سے منع کیا اور جاتے جاتے ایک احسان کر گئی۔

”نور یہی طرح شرمندہ ہو گئی یوں حکم رکھا احسان دلانا اتنی تکلیف دو بات تھی۔ دل پر منوں بوجھ آ پڑا تھا۔ ایک تو جیسے ہی وہ پزل پزل رہتی اوپر سے یہ اتنی سی دی اور دھڑلے باغی میں اسے مزے سو گوار کرتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اس کا گھر بچپن کا آخری سال تھا۔ امتحانات ہونے سے پہلے کالج میں اینزل فکشن رکھا تھا۔ جس میں گانے کا مقابلہ بھی تھا۔ ایک دو بار اس کی کالج کی دوست نے اس کی آواز کی خوب صورتی محسوس کی تھی۔ اس نے فوراً پورہ ڈالا کہ وہ بھی اس مقابلے میں حصہ لے۔
”نہیں! میں نہیں کا سکتی۔“ نور نے گھبرا کر جھٹ سے منع کر دیا۔

”ارے نور آ تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟“ اللہ پاک نے تمہیں اس قسمین آواز دی ہے تو کیوں اس کی ہنسی کر رہی ہو اپنی صلاحیت کو سب کے سامنے لے کر آؤ ناں۔“

تایندہ نے زبردستی کی نور کے لاکھ منہ کرنے کے باوجود تایندہ نے اس کا نام کھوا دیا۔
”تایندہ! چلیز اٹھنے کوئی پرکس نہیں ہے۔ میں اس مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتی۔ اتنی کوئی فزٹ نہیں ہوں کہ آج پر جا کر اتنے سارے لوگوں کے سامنے

سکوں۔“ نور نے عاجزی سے کہا۔

”آجائے گا کوئی فزٹ بھی تم کو شش ہی نہیں کرتی ہو۔ دیکھو تو لڑکیوں کو کتنا جوش و کھاری ہیں مجھے دھول جیسی آواز دی لے کر کتنے اندازے ہم سب کے ہاں آج کا سنا کتاں کر رہی ہیں۔“ تایندہ کی بات پر اسی آگئی۔

پھر بادل خواہتا اس نے گانے کا فیصلہ کر لیا۔ تایندہ کا گلوں اس کے ساتھ تھا۔ نور ایک ہفتے کی کڑی محنت کے بعد آخر کار اس روز اپنا نام پکارے جانے پر آج پر آ گئی۔ وہ جب انداز میں حشر کر رہا تھا۔ ایک جھجکی سی آواز آ رہی تھی۔ پھر اس نے غصے کی غول اشارت کی۔

کیا تباہ کر مجھے تھے موت کیوں ہے؟

میرے محبوب اٹھنے چہرے کی ضرورت کیوں ہے؟

اچھا میں اس کی نظر سامنے میں بیٹھے لوگوں پر پڑی آگئی وہ میں ہی ججز کے ساتھ بیٹھا وہ لڑکا اشارت اور دھبہ سا اپنی خوب صورت شخصیت کے ساتھ سیدھا دل میں اتر گیا۔ وہ پوری توجہ اور لڑکا نہک سے سن رہا تھا۔ ایسے خوب صورت چہرے پر کتنی کھم رنگے بلک جیت اور ادب اور بلیک لائیک کی شہرت میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے زاوے تباہ کرنے کے وہ اس وقت نور کی آواز کے سر میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔

بے دھیانی میں مسلسل وہ تالیاں جھپکا رہا تھا۔ سارے ماحول پر مکمل سکوت طاری تھا۔ برہو کی نور کی خوب صورت آواز لب و لہجے اور اتار چڑھاؤ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس انداز سے نور نے غزل کا اشارت لیا اور غم کی وہ بہتر سن رہا تھا۔ تمام تالیاں سے گونج رہا تھا۔ وہ لڑکا جو حقیقت کج کج کے ساتھ آیا تھا۔ وہ بھی اب تک تالیاں بجا رہا تھا۔

جب الغامات کا اعلان ہوا تو نور کو پہلا انعام ملا تھا۔ نور بے حد خوش تھی۔ جب نور خوشی خوشی فریاد لے کر

گھر آئی تو احساس تشکر سے نیرکی آنکھیں یک گھمیں۔ بہن بھائی اور صدقات بھی بہت خوش تھے۔

فائل ایکٹراس ہونے والے سے نور پوری توجہ کے ساتھ پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔ پڑھائی کے دوران اسے آس پاس کی کوئی خیر نہ تھی صرف اور صرف پڑھائی پر دھیان دیتی۔ یہاں تک کے کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں رہتا۔

اسنے کمرے میں بند صرف پڑھائی کرتی رہتی کون آیا؟ کون کیا؟ کیا وہ رہا ہے؟ اس کی چیز کی خبر نہ ہوئی۔ وہ آخری ہیچہ دے کر آئی تو کمرے سے منوں سنوں بوجھتا رہا ہوا۔

اسنے دلوں کی انتھک محنت راتوں کو جمانا، بیچہ زکی ٹینٹن نے نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ بیچہ دے کر آئی آتے ہی غماز پڑی اور بھلا کھانے کو کھلی تو ایسے سوئی کہ شام تک سوئی رہی۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔ مغرب سے توڑا پہلے ملوینے کے سرے میں آئی۔ اس نے تب ہی کمرہ بدلی تھا۔

”آئی آ جا کر جگ کی ہو تو پھر آ جاؤ جانا بے ہادی ہے میں نے پھر اور ایک خوش تھی بھی ہے تمہارے لیے۔“ ملوینے پر مسکراتے ہوئے کہا۔
”خوش خبری اور میرے لیے۔“ نور نے حیرت سے پہلی پہلی آنکھیں پھلا کر دیکھا۔

”تم آؤ تو۔“ ملوینے بدستور مسکرا رہی تھی۔ اچھا جی وہ کاغذ سے ایک کاکڑی ہو گئی۔ منہ دھو کر نیند کے کمرے میں آئی۔
”نورا مبارک ہو تمہارے لیے اچھا رشتہ آیا ہے۔“ نیند کے اس کو پاس بٹھاتے ہوئے جیت اور خوشی سے کہا۔
”اچھا رشتہ اور میرے لیے۔“ وہ سختی سے بولی۔

ملوینے کے لیے آیا ہوگا۔
”تمہیں نور رشتہ تمہارے لیے ہی آیا ہے۔“ نیند

چاند ٹھہرا جاتی

عابدہ سکن

محبت دکھا اور سکھ کا سن ۱۰۰ آج ہے
اگر غم بن جائے تو یہی محبت مرسم بن
جاتی ہے اور اگر غم بن جائے تو دلوں کو
آسیب زدہ کنڈرات کی طرح ویران کر دیتی ہے۔

معاشرتی ناہمواریوں کی نشاندہی کرتی ایک پُر اثر تحریر



اسے کیے اپنا سمجھیں قتیل
وہ آخر ہوا کب ہمارا ہے
جو دریا کے ساتھ بہہ جائے
وہ تو وہی بحرِ بھرا کنارہ ہے



بات سن کر حریف سوچوں میں گر گیا تھا۔

☆☆☆

اسے راجیل کی بات درست لگی اور صبح وقت پر اس نے فیصلہ کر لیا کہ راجیل کی سکول کی رینجیشن سے زیادہ سکول کے تمام بچوں کے ذہنوں سے اس واقعہ کے نقش ملنا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس طرح کا کوئی واقعہ پھر سے ہو اور شاید اس کی دہائی کی ہی سزا ان بچوں کے لیے سبق بن جائے اور ایک سال کی محنت ضائع ہونے پر شاید وہ تحصیل جائیں انہیں اپنی فطرت کا احساس ہو جائے۔

حالا کہ دل کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ہرگز ان بچوں کا ایک دن بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کبھی کبھی ہماری فطرت ہمارے نہیں کے لیے اس نئی سے نہیں بہتر ہوتی ہے جو انہیں غلط اور صحیح کا فرق نہ بتائے۔ جو دماغ کی مانتے ہوئے اس نے فیصلہ لیا تھا۔

مگر اس واقعہ نے اس کے اندر کا ایمان بالکل ختم کر دیا تھا۔ یہ سکول اس کا خواب تھا اس کی خواہشوں کا مظہر تھا اس کے لیے وہ کوئی تھوڑی سی سرکشا تھا۔

اس نے ایک ہفتے کے اندر اندر سکول کا تمام سیٹ اپ بدل ڈالا تھا۔ اساتذہ جنہیں اس کے ہم قدم اور ہم خیال تھے کچھ کو استعفیٰ دیا۔ ان میں زیادہ کوئی اس طرح فطرتی نہیں دیکھا جاتا۔ سو جو بچے کہ وہ سمجھے۔

”میرا ایک سوئس مدی ہے۔“
”امدی کوئی بھی ہو اس کے کوئی فرق نہیں پڑتا ہم یہاں سیٹ لگی تیر کرتے ہیں سکول بنانے کا مقصد ہمارا یہ ہی ہے کہ نہ صرف تعلیم ہمیں ان کی تربیت بھی ہے مثال کریں۔“

”کلاسز کہاں ہونے سے کیشین بڑھتا ہے مگر گڑ اینڈ ہاؤز ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے شدید محنت کرتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کو ہمارا اپنی اسلٹ محسوس ہوتی ہے۔“

”اور کونجیشن میں بچوں میں کاغذیض جلد آپ

”میں بھی یہ ہی مانتا چاہ رہا ہوں تجھے کیونکہ مجھے بھی بہت سے لوگوں سے باتیں سننے کوئیں ہیں۔“

”میں نے ان دونوں نیچر ڈو اسی وقت سکول سے نکال باہر کر دیا تھا جب مجھے تمام حالات کا علم ہوا ہے اور ان بچوں کے تھرس کو بلا کر وارن بھی کر دیا ہے۔“
”وہ تمام تفصیل راجیل کو بتا رہا تھا۔“

”حسن پار تجھے صرف وارن نہیں کرنا چاہیے۔ بچوں کو بھی اسی وقت سکول سے باہر کرنا چاہیے تھا۔“
”بہت زیادہ دونوں میٹرک کے اسٹوڈنٹس ہیں ان کے کیریئر پر اس کا کتنا گہرا اثر ہو سکتا ہے۔“

”اور تیری بیٹی کی عزت کا جو چار چاند لگے اسے ان بچوں نے دہ یار حسن تم خود ہی تو لوگوں کو باتیں بنانے کو مقصد دے رہے ہو۔“
”کیسے؟“

”حسن اس قدر اچھا ہوا تھا کہ راجیل کی آسان سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔“
”اگر کل کو باقی اسٹوڈنٹس کے پیش آجئے کہ ہم نے آپ کے سکول میں بچوں کو تیش پڑھانا۔ یونیورسٹی

”حسن یہ پاکستان ہے۔ اور ہمارے پیارے وطن میں ایکٹیل بن جائے تو اسے خوب اچھا لگتا ہے۔“
”ہیر بڑی طرح کھینچتا ہے۔ یہ تو ہم پاکستانی بھی ہیں اپنے ہم وطنوں کو ڈی کر کے اس وقت ہاتھ سے جالے نہیں دیتے اور وہ بھی ایسے انڈیز پر دوڑے۔“

”اس سے پہلے کہ تیرے سکول سے چلنے والے کوئی تیر چھوڑیں تم پہلے ہی انکیشن لے لو۔“
”یار ایکڑام بالکل سر پر ہیں اور پھر بچوں سے زیادہ قصور تو ان نیچر ڈو کا ہے جنہوں نے ان کے ذہنوں میں یہ خرافات بکھریں۔“

”تیری مرضی ہے یا۔ مگر سوچ لے۔ یہ ڈی سی ڈن تجھے مہنگ پڑ سکتا ہے۔“
”راجیل نے اس کا ٹکڑا ہرچہرہ دیکھا۔ جو اس کی

راجیل اس کے برابر آ کر بیٹھا تھا۔ حسن نے سر ہٹا
”وہ یار ایم سوری یاد نہیں رہا۔ چل پھر کبھی میں بھی آج صبح زیادہ ہے۔“
”تجلی حشتر زیادہ ہے۔ یا کسی کی یاد کی شدت۔“

راجیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
”کیاس آرائیاں نہ کیا کر۔“
”تیرے دل کے موسم کا اندازہ مجھے تیرے کمرے

کا ماحول سے ہی ہو جاتا ہے۔“
”راجیل نے اس کا سر جھکا وہ بھی ہولے سے منکرا رہا۔ یہ کاو تھا اس سے کچھ چھپاتا۔ جب ہر جہ سے وہ واقف تھا۔“

”تیرے تیرے سکول میں کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوا ہے۔“
”راجیل نے موضوع بدلتا چلایا۔“
”ہاں یار۔“

”حسن نے کمری سانس خارج کر کے ذہن پر دھرسے پوچھ کر کمرے چاٹا تھا۔“
”اس واقعہ کے رپ سیٹ ہوں۔“
”مجھے لگتا اس طرح کے واقعات اگر سکول میں ہوں گے بچوں کے لیے ذہنوں پر کتنا غلط اثر پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے راجیل اس واقعہ میں۔ میرا کوئی دوش ہوگا۔“
”اسے محسوس ہوا راجیل اسے یقین کر رہا ہے۔“
”یونیورسٹن ضیاء تم اس سکول کے اونر ہو پڑھیں بھی۔“

”بہت سیب میرے ہانچ میں نہیں تھا۔“
”راجیل کا طرے انداز اسے برا لگا تھا۔“
”خود میری رینجیشن کس قدر غراب ہوئی ہے تجھے اندازہ بھی نہیں ہے۔ شہر کے بہترین سکولز میں شمار ہوتا ہے میرا سکول اور۔“

جنوری کی سرد شام تیزی سے پاؤں پھیلا رہی تھی اور آتی ہی شدت سے سردی میں کھٹکنا شروع ہو رہا تھا۔ آسمان پر چند کاراج تھا۔ جس کے باعث اندھیرا زہر سو جلد ہی پھیل گیا تھا۔

”خائستہ ہوا کا جھوکا کدم اس کے چہرے سے نکل گیا تو اسے سن کر دینے والی اسٹنڈرٹ احساس ہوا۔ ورنہ وہ کب سے باہمی سے بڑی کٹنگی یادوں کے لاؤ میں دھک رہا تھا۔ کھڑکی بند کر کے وہ پتلا ہوا صوفے پر آن بیٹھا۔“

کیونکہ وہ ان یادوں سے خود کو آزاد کرنا کر چکا تھا۔ گورنر ہاؤس میں جلیں اس کے دل و دماغ سے ان یادوں کے نقش ملنے میں تاجام ہو چکے تھے۔ زندگی کی مصروفیت ان یادوں پر پگھلی فراموشی کی دھول بھا بھی دیتی تو پھر سے کوئی ایسا واقعہ سامنے آ جاتا جو اس کے دل کے پوچھ کر دیتا۔

حالا کہ اب وہ نے ان ”فسانہ“ ہاتھ نہ کاغذ لائف کی وہ مونیج تھی تھی وہ دوست تھے نہ بے غمگی، وہ لائف میں سٹنڈرٹ تھے۔ لیکن لائف کا آواز چکا تھا۔ ذمہ داری کیا ہوتی ہے کچھ چکا تھا۔ زندگی میں جو حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اب اسے حاصل تھا۔

”جس کو سانس لگنے کی خواہش تھی وہ نہیں تھے پانا زندگی کے کول میں شامل ہی نہیں تھا۔ اس خواہش کی تک کیوں تھی میں۔“

جو یادیں اس کے دل پر بو جھیں انہیں تو اس نے کبھی اس نے سنجیدہ لیا ہی نہیں تھا۔ پھر اب کیوں؟
”حسن۔“

دروازہ ٹاک کر کے راجیل اندر آیا تھا جو صرف اس کا سیٹ فریڈ تھا اس کی باہمی سے بڑی بریاد سے واقف بھی تھا۔

”کیا یار۔ تو نے آج میرے ساتھ جانا تھا

”ہاں۔“

دور حکومت

استاد نے شاکر سے پوچھا: "تاؤ اکبر بادشاہ نے کب سے کب تک حکومت کی؟"
"جناب! صفحہ نمبر 30 سے 35 تک۔" شاکر نے جواب دیا۔
(یائیں، کراچی)

میں بھی انہیں میں فون کے ذریعے ان کے رہتے ہیں بلکہ اہل صاحب اور باب بھی بچوں سے ان کے رہتے تھے۔

پاپی اداکار سے اونچا دو چکا تھا اور وہ بے خبر رہا۔

حالانکہ اب تو تمام معاملات سبٹ ہو چکے تھے مگر وہ پھر بھی بے حد حسرت تھا۔ یہ سکول اس کا خواب تھا اور اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے اس نے بہت محنت کی تھی۔ اور وہ اس طرح اپنی محنت اور ایمان واپس کرے حروف برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اس کی عمر اتنی نہیں ہے جس طرح کی وہ حرکت کرنے لگا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بچہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ راضی رہائی آپ کو چھوٹ کر سکتے ہیں میری۔ چودہ سال کی عمر میں اس کے ہاتھ میں سائن فون اور مگس میں اس نے ان کی خبر موجودگی میں اس کا فون چیک کیا تو بہت سی خرافات دیکھیں۔ بلکہ راضی رہائی بھائی آپ کو چھوٹ کریں۔ مجھے اس کے سکول کا ماحول اچھا نہیں لگتا۔ اس کے فریڈز اچھے ہیں اتنی کم عمری میں بھی ان کی گفتگو ان کی نظریں بہت ادبیات ہیں۔

ہیں۔
راضی خاموشی سے اسے ایک سانس میں بول دیکھ رہا تھا اور پھر سر اڑا دیا۔

"ایم سواری سر۔۔۔ احمد صاحب نے مجھے انعام کیا ہے۔ میں بچوں کو کھاناؤں کا۔۔۔ انشاء اللہ آئندہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں بچوں کے والدین کو بلا کر انہیں اس معاملے میں انوکھا کرنا چاہیے۔"
"سر۔۔۔ مجھے لگتا ہے اس سے سکول کی رپورٹیں خراب ہوگی۔ جبکہ ابھی بات اتنی خاص نہیں ہے ہم بچوں کو پیار سے سمجھا سکتے ہیں۔"

سر احمد نے بات کرنا چاہی تھی مگر سر اہل نے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"دیکھیں اہل صاحب آپ خانت لیتے ہیں۔"

اسے لگا بچوں کو ایک موقع دینا چاہیے۔

"تھی سر۔"

"احمد صاحب آپ اہل کے ساتھ مل کر یہ معاملہ اپنی عمرانی میں حل کریں گے اور مجھے بہت بات سے انعام کرتے رہیں گے۔ احمد صاحب پر ہل کر رہ گئے۔
یعنی اس نے اہل پر اعتبار کر کے اچھا نہیں کیا تھا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد ہی وہ سکول کی چمت کا معائنہ کرنے گیا تھا۔ ڈسٹری سٹو سے پورا تھا اور خود اپنی تعلیم بھی کرنا چاہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ دونوں بچے چمت کے سرے پر کھڑے تھے۔ لڑکے کے بڑا رویہ جس میں اس نے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

کر چکے تھے۔ دیکھا تھا اور وہ درجہ کر کے تھے۔
خود خدا کا وہ سچ کا نام پڑا تھا۔ نہ تو مگر بھری کا تاخیر بھی قیامت میں پائی۔ بچوں کو اس نے نصیحتیں سنیں وہ دونوں ہاتھ لگائے تھے۔ سر احمد نے جو فیصلہ انہیں دیں اس کے دو گئے کھڑے کرنے کے لیے کافی ہے۔

"میں یہی آپ کو بتانا چاہتا تھا مگر سر اہل نے بات کر کے آپ نے پھر اس مسئلہ میں آخرت نہیں لیا۔ بچوں کے ذہن خراب کرنے میں کس رباب اور اہل دونوں کا ہاتھ ہے سر۔ صرف سکول نہیں مگر

بچے گھس گھس کر اس کے ذہن اور دل پر گہرا اثر چھوڑ گئیں۔"

☆ ☆ ☆

سب کچھ ٹھہر گیا تھا۔ مگر اس کے دل میں ایک گہرا احساس چھوڑ گیا۔
شاہد نے میری لاپرواہی کے باعث ہوا۔ اس کے ذہن میں ہزاروں سوال ہزاروں سوچیں جنم لیتی تھیں۔
کاش میں سر احمد کی بات پر ہی وقت انکسین لے لیتا۔ سر اہل کو یہ معاملہ پٹل کرنے کا نہ کہتا۔

واقعہ سے کچھ نہ مل کر سر احمد (جو کہ اس کے سکول میں انچارج کے فرائض انجام دیتے تھے بہت ذمہ دار اور ایماندار انسان تھے) اس کے پاس آئے تھے اس وقت وہ بہت بڑی تھا۔

"تھی احمد صاحب کوئی خاص پر اہل ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ آپ کو دکھانے تھے۔"

انہوں نے گئی وہی اس کے سامنے ٹھہر کر رہ گئے تھے۔ اس نے کچھ سے لگاؤ ہٹا کر وہ سچ دیکھے جنہیں پڑھ کر اس کی کشادہ دہائی پر ہل فرمایاں ہو گئے۔
"یو لائیو۔۔۔ کیا وہ بات حرکت ہے۔"

"یہی معاملہ آپ سے دیکھنے کرنے آیا ہوں سر۔"

یہ 10th کلاس کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ سدرہ اسلم اور عدلیہ رحمان میں کوئی دن سے ان کی ایکٹو نیچر پر قہر دے رہا تھا۔ اور رزلٹ آپ کے سامنے ہے۔
"10th" کلاس کے انچارج سے بات کی ہے

آپ نے۔
"تھی سر۔" اہل صاحب سے میری بات ہوئی ہے مگر ان کا خیال ہے کہ بچے ہیں۔ اس عمر میں ایسی حرکت کر دیتے ہیں۔"

"ابھی بلا میں اہل صاحب کو۔"

سر احمد نے سر ہلایا تھا۔ کچھ دیر بعد اہل بھی اس کے دروازے تھے۔

"آپ کی کلاس میں یہ کیا ہو رہا ہے سر اہل۔"

ہوتا ہے۔"
"لیکن اس طرح کے مسائل بھی جنم لیتے ہیں جیسا کہ ہمارے ہاں ہو چکا ہے۔ یہ ایڈوانس دور ہے۔ میڈیا نے بچوں کو وقت سے پہلے بڑا کر دیا ہے۔ بچوں کے کپے ڈھنوں میں وہ اشتہار برپا کیا ہوا ہے کہ انہیں سچ لگلا کا اعزاز نہیں ہوتا۔ انہیں لگتا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں وہی ٹھیک ہے باقی سب لٹلا ہے۔"
"اور کچھ ہمارے نزدیک خود بھی کسی کسر پوری کر دیتے ہیں۔"

"دوست کہا۔۔۔ جب سے وہ تیرہ سال بچوں کی خودکشی کی خبریں اس قدر بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے اس عمر کے بچوں کو اتنی کچھ نہیں ہے۔ ان کے خیال میں یہ ہی محبت ہے۔ اور بچے جیسے پیر انجائی خود کو کہتا ہے آج کل۔"

ان کے سکول کے سینئر ٹیچر نے اظہار خیال کیا۔
بے شک ان کی بات سچی تھی۔
"مجھے لگتا ہے سر آپ کا فیصلہ بالکل درست ہے۔"

"بٹ سر۔"

"مگر سر میرے اعراض کی کج فہمی سے اس شہر میں بہت سے سکول ہیں جہاں آپ کی خاموشی کے مطابق ایکشن دیا جا رہا ہے۔ آپ اپنی کج فہمی ہیں۔"

وہ جب کوئی فیصلہ لے لینا تھا تب پھر اس نے کسی کی سی ہی نہیں تھی۔ وہ بدلی گئی کی حد تک صاف گو تھا۔

سوس کرن کو خاموش ہونا پڑا۔ آزاد خیالی اپنی جگہ مگر یہ صواب اس کی ضرورت تھی اور اتنا اچھا کیجیے اسے بہت کم سکول میں ملتا تھا۔

راضی نے اس کے ذہنی اور ایمیری شید کیا تھا۔ کچھ دنوں میں ہی یہ تمام باتیں وقت کی گرد کی طرح

”آپ میری باتوں کو غیر عقیدہ لے رہے ہیں
 ناں۔۔۔“ اس نے منہ بسوا۔
 ”تمہیں بلکہ مجھو نے بھائی کے لیے تمہاری محبت پر
 خوش ہوں۔“

”آپ جانتے ہیں ماما! نے کتنی اچھی تربیت کی ہے ہماری مگر اسے اچھے خوش اور بہتر میں گھریلو ماحول ملنے کے باوجود بھی وہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔“

”ڈونٹ ڈری..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”میں اسے کسی اور سکول میں ایڈمیشن کرانا چاہتی ہوں۔“

”ہوں۔۔۔۔۔“ پلو دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔ بات اسی سے
 پہلے تمہیں اس کے سکول جا کے پرہیز سے بات کرنی ہو
 گی۔“

”کر چکی ہوں بھیا۔۔۔ وہ کہتے ہیں اگر آپ
ہمارے سکول سے مطمئن نہیں تو کہیں بھی ایڈمیشن کرا
دیں۔“

بہرہ کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گیا۔
 "کل تیار رہنا، ہم سیر کو بہترین سکول میں ایڈمیشن
 کے لیے لے کر جاؤں گے۔"

وہ بہت مشکور تھی۔ راجیل نے مسکرا کے اس کا سر تھپکا ہوا اسے سارہ کی طرح عزیز تھی۔

☆☆☆
دو کب سے راحیل کا ویٹ کر رہا تھا۔ سر احمد کو
بھی اس نے روکا ہوا تھا کیونکہ راحیل نے ایڈمیشن کا ذکر

کیا تھا۔ سٹول آف ہوئے بھی پندرہ منٹ ہو گئے تھے۔ وہ اب اسے فون کرنے والا تھا کہ راجیل پہنچ گیا مگر وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ سمیر اور.....؟

آکھوں کو لاکھوں میں بھی پآسانی پہنچا سکتا تھا۔ تبھی غیر ارادی کسی وہ ساکت سا کھڑا ہو گیا۔ کچھ یہی حالت

ستمبر ۱۹۸۸

els.blogspot.c

els.blogspot.c

کشمیر جل رہا ہے

کشمیر کی وادی پہ ہو بھارت کا تسلط
یہ بات کسی طور گوارا نہ کریں گے

کشمیر میں ہر مقام پر ہوں ظلم کے پورے
ہر آن فضاؤں میں رہیں خوف کے سائے
کشمیر کی وادی میں ہوں ہے ہوئے بچے
کشمیر کے بچوں کے انہیں روز جنازے

کشمیر کی وادی پہ ہو بھارت کا تسلط
یہ بات کسی طور گوارا نہ کریں گے

محکمہ کی دواؤں سے ہوں ناکی کی صدائیں
 محکمہ کی بہنوں کی نصیحتیں
 محکمہ کی دواؤں میں عمر بھر چلی ہو
 محکمہ کی بیٹی ولدوز ہوں چھٹی

کشمیر کی وادی پہ ہو بھارت کا تسلط
یہ بات کسی طور گوارا نہ کریں گے

مستحیر ترسے بیٹے جھکے ہیں نہ جھکیں
حق بات کو عام کو دار کھلا کے
مستحیر کی آزمائش کا دوا چل رہے کا
مستحیر کے پردائے سے بچتے رہیں گے

کشمیر کی وادی پہ ہو بھارت کا تسلط
یہ بات کسی طور گوارا نہ کریں گے

کشمیر کی وادی سے انہیں آگ کے شعلے
کشمیر کی وادی سے انہیں خون کے جھینٹے
کشمیر کی وادی میں رہے ظلم مسلسل
گولی کے نشانے پہ ہوں کشمیر کے بیٹے

کشمیر کی وادی پہ ہو بھارت کا تسلط
یہ بات کسی طور گوارا نہ کریں گے

حضرت علیؓ شہداءے نبی ایس منگلا کیٹ

سمیر نے سکول آف شروع کر دیا تھا رائل نے اس کے بارے میں تمام فضیلتا حسن کو بتا دیں تھیں کہ کن کن فنڈوں کا چلن پھر بسر ہے اسے یہاں ایڈمیشن کرایا اور ہارورڈ بذات خود میرے رہنے پر قادر ہو گا۔
جی خصوصی بات کی کہ میرے قریبی رضوی خاندان میں گلاس

ہجرتم کو یوکیک میں گوگاہوں کرتے ہیں اس معصوم کو اس راہ لانے کے لیے ہرجال بچھا تھا۔
”حسن بیٹا کھانا کھا لو۔ کب سے آواز میں لگا رہی ہو۔“
اس آواز سے خواجوں نے آئی تھی۔

کے اچھے سنڈویچس کے ساتھ بٹھائیں۔ اس کی تمام
یکویٹیز پر نظر رکھیں۔ اگر بس نواز نے کچھ محسوس کیا
تو اس میں ضرور کوئی نہ کوئی سچائی ہو سکتی ہے۔

”میرے بابا ماما کی تربیت میرا فخر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں کسی کوئی غلط قدم اٹھای نہیں سکتی۔“

جس دن سے اس نے سنا ہوا تھا۔ بے یمنی سے اسے

پوچھتی تھی۔

”اب صرف شادی ہمس نواز کے دل میں میرے لیے اب صرف نفرت ہو۔ صرف نفرت محبت کا تو جواز ہی نہیں رہتا۔“

”اے! مائی وائس ہمس نواز۔ مجھے یہ سہنے کا جو تم نے قدم اٹھایا۔ تمہیں لگتا ہے۔“

”میرے ماں بھائی۔ اچھی تربیت سے دیکھتا ہے۔“

”وہ اکثر اس رخصت کر جاتا تھا۔“

”جو کہ وہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد تو محبت خود اس سے نفرت کرنے لگی تھی۔“

”بتانا یا ان کی حریت پر ہے اتنا ہی آپ پر بھی ہے۔ اگر محبت کرنا فطری ہے تو کیا آپ بھی میری اس فطرت کو فنا کر ساتے۔“

”تھمارے نزدیک محبت فطری ہے۔“

”مجھے نہیں ہے کیا ہے۔“

پے بھی سے اس کی آنکھیں پھر کھلیں۔ کھنکھاتا ہوا کہ "میں نے تم سے کہا تھا کہ تم نے خود کو اس کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔" اس نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ تم نے خود کو اس کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔" اس نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ تم نے خود کو اس کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔"

[illegible]

”راوی الماں مت ہی میری“

”کچھ نہیں حاصل ہوئے والا تجھے یہ کر کے۔“

کس خوش فہمی میں جی رہی ہے تو اب تک۔۔۔

سارہ کی کٹی پر ہمسرے نے سنجیدہ نظروں سے اسے

دیکھا۔

”نہ مجھے خوش فہمی ہے اور نہ کسی کو حاصل کرنے کی

خواہش۔“

”پھر؟“

”سارہ۔ مرد کی نظر میں عورت کی عزت نہیں

ہوتی۔ تمام مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ چاہے اسن فضا

ہو یا وہ جو مجھے دیکھنے آیا تھا۔ تم نے شاید نوکریاں کیا

مجھے ان لگاؤں کو کھینچا کیا ہے۔ کچھ مختلف تھا۔

وہ ہی شوق لذت تھا جو۔“

”جست اب ہمسرہ اپنی نگاہ سے اسن

فضاء کے ہم کا پیشہ انداز کر دیکھو۔ جانے انہاں تم

صرف انہیں تلاش کرتی ہو ہر مرد میں یہ محض بھانے

ہیں۔ تمہارے۔ ورنہ نہ ہی تمہارے اندر صرف وہ

ہی ہیں۔“

”ہاں ہیں۔ اور وہی رہیں گے۔ انہیں اپنی

سوچ اپنی رائے بٹنی ہوگی۔ ہر لڑکی وہ نہیں ہوتی جو

وہ سمجھتے ہیں ہمسرہ نواز دیکھی نہیں ہے اور نہ ہی ہوگی۔ پھر

کیسے انہوں نے مجھے اس قربت میں لکھوا لیا۔“

میرے کونے قفل سے اٹھار لگایا۔ میرے سے ڈاڑھی

دھیاں اڑانے کی اجازت نہیں دیتی تھی میں نے

انہیں۔۔۔“

وہ بار بار مٹی تھک گئی خود پر نفرت کا سمجھا خول

چڑھاتے چڑھاتے۔۔۔ اسے آج بھی اسن فضا سے

شادی عبت تھی۔ ہاں اگر محبت جرم ہے تو اس نے ناقابل

معافی جرم کیا تھا۔

سارہ دھما دھما سے وہاں سے اٹھ آئی۔ اگر اسن

فضا کو اڑا سے پرسن دیکھتی تو بہت ہنس بہت اٹھ

پاتی۔ مگر ہمسرے کے ساتھ جو ہوا۔ وہ یاد کرتی تو۔

بہت ریمیکٹ کرتی تھی وہ ان کی ہانگن رائل عیا کی

طرح۔ مگر اب وہ مقام نہ تھا اس کے دل میں اسن

کے لیے صرف ہمسری نہیں۔ پھر تو ان کی نظر میں ہر

لڑکی ایسی ہو گئی۔۔۔

اور آج تو اسے اسن بیسار ہی بھر کے غصہ آتا تھا

جب ہی تو ہناسو سمجھے وہ انہیں فون ملا بھیجی تھی۔

”کس نے حق دیا تھا آپ کو اسن فضا ایک محسوس

لڑکی کی زندگی تیار کرنے کا۔ آپ نے لڑکیوں کو

آزمانے کا پریکٹیکل کرنا تھا تو ویسی ہی لڑکی بھی تلاش

کرتے۔ ہمسرہ خود آپ کے پاس نہیں کی تھی۔ آپ

خود چکر لگاتے تھے اس کے گرد۔ کیا نہا ہے آپ کا

لڑکیوں کو کیسے بکھر چکے۔ دینے کا مت بھیجیں۔ محض

ہمسرہ لڑکیوں کو۔“ لڑکیاں آپ کے کمر میں بھی

موجود ہیں۔ انہیں کس پیمانے پر آزما میں کے

آپ۔“

”سارہ آ رہی۔۔۔“

بہت تھی اس نے سارہ کی بات سنی تھی۔

”پاکو تو آپ نے اسے کر دیا ہے۔ جو ہر مرد میں

صرف آپ کو تلاش کرتی ہے ہر رشتہ صرف اس بنیاد پر

ملکوتی ہے کہ اسے ہر مرد میں اسن فضا نظر آتا ہے۔“

”سارہ کیا تم میری بات سنو گی۔“

وہ جان گیا تھا کہ سارہ کیوں بگڑ رہی ہے۔

ہمسرہ جب بھی کسی رشتے سے انکار کرتی تھی وہ ایسی ہی

رہی ایک نکتہ تھی۔ مگر ہر بار اس کے مقابل کے

ٹھانے پر رائل ہوتا تھا لیکن آج وہ ڈائریکٹ اسن

سے مخاطب تھی۔

”آپ بہت برے ہیں اسن بیسار۔“

اس نے اسن کی بات نہیں سنی لیکن اپنی جتنی

رائے دے کر فون کاٹ گئی اور اسے دیکھنے انکار دیا پر

چھوڑ گئی۔ سختی دیر وہ اپنے سئل فون کو دیکھ رہا

سارہ کی لڑکی باتیں اس نے جملے سے کہی تھیں۔۔۔

کیونکہ سارہ صرف رائل کی نہیں اس کی بھی نہیں

کی طرح مزید تھی اسے۔ رائل سے زیادہ وہ اسن کو

لاڈلی تھی۔ وہ رائل اور اسن سے قریب پانچ سال چھوٹی

تھی چونکہ اسن کا شروع سے ان کے گھر آ جانا تھا۔ سو

وہ اسن سے کافی اچھی تھی۔ اور ہمسرے کے معاملے میں

سارہ سے سختی ہمپ کی تھی اس نے کیونکہ وہ دونوں نہ

صرف ہر محسوس کلاں ٹیلور بھی تھیں اور اچھی سہیلیاں

بھی۔ آج سارہ نے اسے بری طرح سمجھوڑ کر رکھ دیا

تھا حالانکہ اسے اعزاز وہ چکا تھا کہ وہ سنی کی ٹیلی کر

گیسا ہے ہمسرہ نواز کو پہچانتے ہیں۔

”چھوڑ چھوڑ۔“

شازدہ نارہی وہی وہی تھا آج جانے کے

لاؤنچ میں آئن بیٹھا تھا کمرے میں تو عجیب ہی افراتفری

پکڑی ہوئی تھی۔ بکشل لیسہ اور اسن ڈائریکٹ کر رہے تھے

اب بیٹھا آگئی۔

”جی فرمائیے۔“

اس نے قفس کر لی آف کر دیا اور بیٹھا کی طرف

موجو ہوا جو اب تک تھا سے کھڑکی تھی۔

”مجھے مسدھ کی بھیجیں آئی۔ مگر کھانا مجھے نہیں

پہنچے پر راضی نہیں ہوتی۔“

اس کی چودہ سالہ بیٹی اپنا ڈکڑا لے کھڑکی تھی۔

”ضرورت ہے بھی نہیں بیٹوں کی۔ آپ بھ

سے یا شاہ میر سے ہمپ لے سکتی ہیں۔“

”آپ دھتیار نہیں ہوتے اور شاہ میر صاحب کو

نہیں تک دینگے سے فرمت لے تب ناں۔“

بیٹرانے انہاں سے اسن کو وہ بات بتادی تھی جس

سے وہ واقف نہیں تھا۔ بیٹرا اور شاہ میر اس کے سب

سے بڑے بھائی کے بیٹے تھے۔ شاہ میر اٹھارہ سال کا

اور بیٹرا چودہ پندرہ سال کی تھی۔

گھر کے تمام بچوں سے اس کا ریلشن بہت اچھے

دوستوں والا تھا۔ اس کے بیٹوں بڑے بھائی شادی شدہ

ہے باقی تو بھائیوں کے بچے چھوٹے تھے مگر چاچے کے

لاڈلے تھے۔ لاڈلا تھا وہ میر بھی تھا۔ مگر یہ بات اب

تک کیسے اس کی ناچ میں نہیں آئی تھی کہ شاہ میر نے

سئل فون لے لیا ہے مگر میں سب واقف تھے جتنا وہ

بچوں سے پیار کرتا تھا اتنی ہی تربیت کے معاملے میں

سخت تھا۔ ”شاہ میر سے سئل فون نہ لیا۔“

اس کے سوال پر بیٹرا گڑبڑا گئی کیونکہ امی نے سختی

سے اس کا تھا کہ چاچو کو پتہ نہ پٹے۔

”چاچو۔“

وہ کچھ کچھ کھڑا سے پوچھنے سے بہتر ہے

ڈائریکٹ بھائی کے بات کی جائے کیونکہ انکوتا کر کے

وہ ہی سارہ کو بگاڑ رہی تھیں۔ اس نے بیٹرا سے

مزید سوال نہیں کیا بلکہ اسے سمجھ بھانے لگا۔

گھبرات میں شاہ میر کے کمر میں بیٹھا تھا۔

”اور شاہ میر سمجھتے فرمت ایڑ کے ہجے ز کی تیار کی کسی

باری ہے۔“

”چاچو کی تو بیچ نہوت دور ہیں۔“

وہ ہار پڑی سے بولا۔

”اوہ۔ ہاں یاد مجھے تو باری نہیں تھا۔ چلو یہ بتاؤ

انہاں سے کس کے فریڈز کی تعداد کتنی ہو گئی ہے۔“

”چاچو آپ انہیں لپ ٹاپ کے پاس جانے بھی

دیتے ہیں۔“

”ہاں۔ مگر میں تو تمہارے سارٹ فون کے

بارے میں بات کر رہا ہوں ناں۔“

”جی۔“

وہ بری طرح گڑبڑا گیا تھا اسن کے چہرے پر

صرف تجذیب کی کجی غصہ نہیں تھا۔

”شاہ میر کمر مجھے بتا دو کہ تو میں جنہیں کچھ

نہیں کہوں گا۔“

اس نے نرم لہجے میں پوچھا ہماری تختی سے بعض دفعہ بچے کبھم کر جوت کا سہارا لے لیتے ہیں۔
 ”ہمارے نے کر دیا ہے۔ میں نے ان سے۔“

”فرمائش کی تھی۔“
 احسن نے اس کی بات مکمل کی۔
 ”مئی چاچو بٹ بیڈی۔ میں نے کوئی غلط یوز نہیں کیا۔ وہ بری طرح ہراساں ہو گیا تھا چاچو کی نچرہ وہ جانتا تھا۔“

”میں نے کب کیا۔“ بچے ہلکا ہلکا ہونے لگے۔
 نہیں ہے ہر خواہش کمر کے حساب سے اٹھی تھی۔
 موبائلز فون ہماری ضرورت تھی مگر ہم ان کی افادیت سے مستحق نہیں ہیں۔ مگر ہماری سِل کو خاص کر آپ جیسے جلی جبر اور بچے ڈنوں کو غلط راہ پر لگانے کے لیے کسی بہت بڑا احتیاطی تدابیر تھا۔ وہ ہے۔
 کتنے بچے برباد ہو چکے ہیں اس فون کی وجہ سے۔ وہ سارے بچے بھارت تھا۔

”آئی نو چاچو۔“ مگر ہماری تربیت بہت مضبوط ہے جو ہمیں کسی غلط سمت جانے نہیں دے گی۔ آئی پراسس ہی چاچو۔ ہم آپ کا اور اپنی پہلی کا فخری ثابت ہوں گے انشاء اللہ۔
 شاہ میر کے الفاظ کتنے خوبصورت تھے۔ یہی یقین یہی غرور تو ہمہ نواز کے لیے اور الفاظ میں چھلکا کرتا تھا۔ وہ بھی یہی سی بات تھی کہ ”تربیت مضبوط ہو تو بچے کبھی غلط قدم نہیں اٹھاتے اور کبھی تربیت بہت مضبوط ہے۔“

وہ شاہ میر کا سر تھک کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

”سیر کو کچھ وقت لگے گا۔ باٹ آئی بیڈ وہ ایک بہترین اسٹوڈنٹ بن جائے گا۔ اور اچھا لڑکا بھی۔“

رائیل کافی دن کے بعد آج سکول ہانگ میں اس سے ملنے آئی تھا سیر کی رپورٹ لینے۔
 ”باقی اسٹڈیز کے بارے میں تمہیں ائمہ صاحب اچھے سے فائدہ دے کر دیں گے۔“

”ہوں۔“ یو فو احسن وہ ڈھین بچے مگر غلط ماحول کی وجہ سے وہ اپنی اسٹڈیز پر توجہ نہیں دے رہا تھا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اب وہ سیف ہاتھوں میں ہے۔“

”ہوں۔“ بٹ رائیل سکول کے بعد سیر کی گیارہ بج گئی تھی اس پر توجہ دینی ہو گی۔“

احسن نے مزید کہا۔
 ”گاؤنٹ نو وری۔“ ہمسارے اس معاملے میں بہت اچھے سے گائیڈ کر رہی ہے۔ سیر اب یوشن کے لیے بھی جا رہی ہیں چاہے اس اور سارا خود ہی اس کی تمام اسٹڈیز میں مدد کر رہی ہیں۔“

”رائیل وہ لڑکا ہے ہم اسے گھر میں باندھ کر نہیں رکھ سکتے اسے باہر جانے سے منع نہیں کر سکتے۔“

”درست تھا۔“ اسے باہر جانے سے منع نہیں کرتے بلکہ اسے اچھے برے دوست کی تفریق کما سکتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جسے ہم سب سے اچھا دوست سمجھتے ہیں وہ واقعی اچھا ہو۔ ہمسارے یہ زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا سکتی ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر یہ چیز کے پتہ ہو گی۔“

شاہ رائیل جان بوجھ اسے آزماتا تھا ایسے لفظ ادا کر کے احسن ہیڈلو کر رہا گیا۔

”اچھا تھا۔“ اب سکول کے تمام معاملات ٹھیک ہیں۔“

”اللہ حمد۔“ سب کچھ ٹھیک ہے۔ میں اب خود اس بات پر بہت زیادہ توجہ دے رہا ہوں۔ اسٹوڈنٹس سے ویک کی بات چیت کرتا ہوں۔ ائمہ صاحب اسٹیبل میں لانا بچوں کو کچھ نہ کچھ اچھا دیا دیتے ہیں۔“

اور کلاسز سمیرٹ کرنے سے ماحول میں بہت بہتری پیدا ہوئی ہے۔“
 ”اللہ پاک جنہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔“ ”آمین“

وہ بڑل سے اس رب کا شکر ادا کرتا تھا جس نے اس کے خواب کو تعبیر کی صورت عطا کی۔ سکول بنانا اس کی خواہش تھی مگر معیاری تعلیم اس کے سکول کی بنیاد تھی سو اس نے پہلے دن سے معیاری تعلیم کا صرف چرچا نہیں کیا تھا تعلیم کا پہلی معیار اس کے ادارے کا نامہ تھا۔ بچوں کی تربیت بھی ان کے ادارے کی خوبی تھی جدید تعلیمی سہولیات کے ساتھ ساتھ بچوں کی اچھی ذہنی نشوونما کے لیے ذہنی کلاسز بھی ہوتی تھیں۔ باج سال مکمل ہو چکے تھے۔ اس کے سکول کو اللہ کی ذات کا کرم تھا کہ آج کا سکول شہر کے بہترین سکولز کی فہرست میں نمایاں تھا۔ مگر پہلے دنوں کے واقعہ نے اسے بلا کر دکھا یا تھا سو اس نے اپنی کوئی غلطی نہ ہو وہ پورا فوکس سکول پر رکھتا تھا۔

”یار رائیل ہماری پہلی شکل ذہانت میں بہت آگے ہے مگر ارمینیا اور کچھ عناصر سے کئی اخراجات کی گئی ہیں۔“
 بچوں کے ذہن پر بھرجی ہے۔ جس دن میں ملتی جلتا ہوں کہ میرے وطن کے بچے اپنے ملک کے کامیاب رہنما بن کر اچھے لکھنوں میں۔ ہماری سِل کو پولیٹ کام چاہیے جو انہیں صحیح رست دکھائے۔“

وہ اکثر اس موضوع پر جذباتی ہو جاتا تھا۔
 ”مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ پلیٹ فارم ضرور ملے گا۔ اگر تم جیسی سوچ والے کچھ لوگ اور تمہارے ساتھ مل جائیں۔“ رائیل جانتا تھا کہ وہ کئی ایمان وادی سے یکدم گھر رہا ہے۔
 ”کاش ایسا ہو جائے۔“

وہ گہری سانس خارج کرتا ہوا بولا تھا۔

☆☆☆

ماں

3 سال کی عمر میں: ہم کہتے تھے ۱۱، ۱۱، ۱۱۔

10 سال: ماں کہاں ہیں آپ

16 سال: اب اے میری اے تیرا کیا کر رہی ہیں۔

20 سال: مجھے اس گھر میں نہیں رہنا۔

25 سال: اب اے بہت بوقت ہیں۔

35 سال: میں اپنی ماں کو کونہ نہیں جانتا۔

50 سال: اپنا سب کچھ نالے کو تیار ہوں، بس کوئی میری ماں کو واپس لے آئے۔

ماں صرف ایک ہی ہوتی ہے، اس کی محبت کو سمجھو۔
 گرہہ دیا ہے پہلی کی توجہ دیتے رہ جاؤ گے۔

(شکون فوید، لاہور)

”بھائی شاید آپ کو پھر راجہ کو ڈانٹا یا کسی کام سے منع کرنا پڑا نہیں ہے۔“

جواب دے گی دن سے بھائی سے کہتا چاہ رہا تھا آج کب دی۔

”تمہیں احسن تمہیں سے اتنا پیار کرتے ہو تو تمہیں حق ہے کہ تمہیں ڈانٹ سکتے ہو۔ غلط کام پر دیکھتے ہو۔“ مگر تمہیں ایسا کیا کیوں۔“

”ابھوں نے پہلے وضاحت کی پھر سوال۔“
 ”رہا مل شاہ میر کو فون۔“

”ہاں وہ۔“ یک دم گڑبڑا کر وہ اس کی بات کاٹ گئیں۔

”احسن وہ۔“ ایک تو شاہ میر ضد کر رہا تھا دوسرا بڑا بھورا ہوا ہے۔ باہر چل جاتا ہے دل پریشان ہو جاتا ہے سو اس نے بھی دوا دیا کہ مجھے اس کی خبر نہ سکے۔ مگر اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ ضرورت سے زیادہ استہان نہیں کرے گا۔“

”جی۔“

اس نے مختصر کہا تھا پھر اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔
 "یہ بدیدہ دور ہے۔ اگر تم سوئس میڈیا پر اکتیو
 ہیں۔ موبائل پر زکرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہرگز نہیں
 ہے کہ تم خراب ہیں۔ ہوتے ہیں اچھے۔ میرے بڑے لوگ
 وہ تو ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کی وجہ سے سب برسے
 نہیں ہو سکتے۔"
 رائل نے بھی اسی سے یہی بھجایا تھا۔
 "آئی فون یا بٹ بٹ لگائے کہ ابھی شہر کی عمر
 کم ہے۔"
 "ایسا تو سچا ہے۔ اب تو بچوں کی کاروبار سال کا ہوتا
 ہے اور اس کے ساتھ میں میڈیا فون اور انٹرنیٹ کی سب
 ٹاپ موجود ہوتے ہیں۔
 "اب بھی تو بچے وقت سے پہلے بڑے ہو جاتے
 ہیں وہی میڈیا کاروبار ہو کر ان کی سیمٹی کر سکتے ہیں
 اور۔۔۔"
 "تو کیا خیال ہے خیرا وہ بچوں کو ان سہولیات
 سے محروم کر دیں۔"
 رائل اس سے متعلق نہ تھا۔
 "یہ کب کہا میں نے۔ مگر انہیں کاغذ کر سکتے
 ہیں۔"
 "آف کورس یار یہ جہاز فرض ہے۔ ہماری
 تربیت کا حصہ ہے۔ یہ جہاز وہ کونسا اور کتنی مہنگے
 باقی کر دیتی ہے ہم ان کی حدود تو مگر کر دیں اس پر
 پابندیاں لگائے سے بہتر ان کے کہیں بائبل کو آج نہ
 دکھا دیں تو اس سے ایک تو بچے کی قدرتی صلاحیتیں کمر
 کر سائے آئیں گی دوسرا وہی طور پر اٹھا اکتیو اور
 پڑھو ہو کر کام کرے گا کہ کسی اور طرف توجہ ہی نہیں
 جائے گی۔"
 "ہاں یہ تو ہے۔"
 رائل نے اٹھ کر کہا۔
 "جہاں میں میں فون رکھتا ہوں۔ سارہ کی غیبت

ابھی نہیں ہے اسے میڈیسن دلوانے جاتا ہے۔"
 "کیا ہوا۔"
 "بھرا ہے تین چار دن سے۔"
 "ابو۔۔۔ اس کے تم اسے اچھے سے چیک کروا کے
 میڈیسن دلوانا چاہت ہوگی۔ اللہ حافظ۔"
 اس نے فون بند کر دیا۔ یقیناً ذہن نشین رہا
 اوقات میں تیار کر دیتی ہے۔ مگر وہ بڑا وحیث واقع
 ہوا تھا۔ ذہن میں جو پچھل بھی آئے جسے بھی بیکار نہیں
 ہوتا۔۔۔"
 اس نے سوچا سارہ عتیقا بہت ہرٹ ہوئی ہوگی۔
 بہت تو وہ بھی ہوا تھا۔ مسمرہ نواز سے اس کا تعلق جیسا
 کسی تھا مگر سارہ تو اس کی بہن تھی اور اس ان سکتے
 تھے اللہ حافظ کہے تھے وہ تو اسے بھی اپنی بیٹی مگر یہ بہن
 قاریہ
 شاید قصور اس کا نہیں تھا وہ مسمرہ نواز کے معاملے
 میں اتنی ہی بھٹی تھی اور جب اسے یہ علم ہوا تھا کہ
 اسن اور مسمرہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو کتنا
 خوش ہوئی تھی۔ کتنے لاڈ سے اس کے گھٹے میں پیار سے
 بانٹیں ڈال کر رکھتی تھی۔
 "مسمرہ! آپ نے میری سہیل سے بڑی
 بے ایمانی عمل کر دی میں کتنا غصہ کرتی تھی کہ جانے مسمرہ
 کی شادی کہاں ہو۔ مگر اب آئی ایم پٹی۔۔۔ وہ تو
 میری بھالی بیٹی ہے۔"
 مگر ان دنوں جانے کی جڑوں سوار تھا اسن ضیاء پر
 اسے لاکھوں بارام میں غم پر اجترقا ہی نہیں
 لاکے تو تھیں ہر دم میں غمٹ کر گئے میں لڑکیاں بھی کم
 نہیں۔ وہ اگر کتنا تھا میں نے ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ
 لڑکی تھی ہی مضبوط کر لے خود کو۔ اندر سے وہ بھی
 غمٹ کر رہی تھی۔ محض جاں بچھنے کی دیر ہے بلکہ
 بعض تو خود جاں بچھنے میں ماہر ہوئی ہیں۔ شاید
 معاشرے کی بدقسمتی تھی یہ۔ اسن ضیاء کی سوچ میں

ہمارے معاشرے کی حقیقت چھپی ہوئی تھی مغرب
 کی اندھا دھند تھیلے نے ہمارے معاشرے کی لڑکیوں کو
 بھی یہی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ نسوئی بھار
 کی پردا کے بغیر وہ محض خود تری یافتہ بلکہ اپنے ذہن میں
 کہاں سے کہاں گئیں ہیں مگر۔۔۔ سوچ بھی چھٹی
 غلطی کہ آپ تمام لڑکیوں کو ایک ہی لائن میں لٹا کر
 دیں میں یہی سوچ اس کی غلطی کی وجہ سے ثابت کرے
 کے لیے جس لڑکی کا انتخاب کیا تھا وہ مگر انہی نہیں
 تھی۔ بلکہ اس کی گردابی مضبوطی اس کی سوچ کی
 پاکیزگی نے پہل میں اس کو آزمائش میں ڈالا تھا۔
 جانے کب اس کے دل و دماغ نے یہ خیال غما
 کیا تھا کہ وہ مسمرہ نواز پر اپنا ہلکا سا غمٹ کرے گا
 اگر اس کی سوچ ابھی ذہن میں ہے تو اسے اس کا خیال
 کا علم اس وقت پہنچا کہ وہ مگر چاہتا تو نہیں اپنے
 مسمرہ نواز کے ساتھ کب کھٹے۔۔۔ مگر اس نے تو
 صرف دل میں ہی سوچ رکھا تھا اور اس کا غمٹ کر گیا وہ
 واقعی مرے لگا اس کی ہر کر لڑکی پر کسی کی غمٹ میں
 قریب چار پانچ سال پہلے تھا وہ۔۔۔
 "راہیل! اس نے ہلکا سا غمٹ کر لیا ہے۔ جس کی ان کی
 دوستی ان کی عمر کے ساتھ تھی کی اور کیا غمٹ کر میں
 بھی وہ لکھنے سے ان کی دوستی کا نام ان کے گھر والوں کو
 بھی تھا اور آنا جانا بھی تھا نہ ہی وہ رائل کی غمٹ
 اپنے مرض کا اور اپنے ہی کو بھی رائل کا آنا جانا تھا
 ہوا۔۔۔ بلکہ جسے رائل کے ساتھ تھا جس سے کتنے
 چھپاؤں میں رائل اپن چھپاؤں میں چھپتے تھے وہ اسن
 کی بھالی بیٹی ہی نہیں تھی بلکہ وہ بھی اسن کے
 کرشمے۔ اسن کی ماں ابھی بہت بڑی بیٹی کی اور سب
 اچھے تھے جبکہ رائل اور سارہ صرف بڑی بیٹی بھائی
 تھے اور اسن کو دیکھ کر ہمیشہ سارہ کو بول لیتے تھے اس
 کے وہ سہیل ہوں سارہ رائل سے چھ سال بھٹی کی مگر
 وہ اپنے سیمیا کی بہت لاڈلی تھی رائل سے بھی سیمیا

بڑے بھائیوں والا عرصہ نہیں بھلاؤ۔ اقبال ہیٹ بہت
 دو تھیں وہ بدیدہ زمانہ تھا۔ ان کے تمام کاموں میں سب سب گنا
 اس کے ساتھ کھینچا تھی کہ وہ کام دیکھتی اس کے
 پاس بیٹھ کر کوئی بھی نہ ہی وہ نہیں اس کی ہر جگہ تک
 رہی۔ میٹرک میں ہی اس کے بڑے بھائی میں فون لگنے کی
 نیلی آکر تھی اور اسے مسمرہ نواز سے ہی ہوتی تھی۔
 اس نے یہی مسمرہ کا بیٹھنا اپنے بھائی میں کیا تھا۔
 اب وہ دن کا تھیں سارے گھر میں اور رائل کی اب
 ایک نہیں دو اپنی بیٹی ہو گئیں۔ میٹرک کے گھر کے
 فرسٹ ایئر میں بھی وہ دو بھائی ابھی ہیں اور غلام میں
 آجائے۔ سارہ تو اس کے ساتھ ہی تھی۔ اسن سیمیا کی
 کے نزدیک مسمرہ اور رائل ہیں ان کی فرق نہ تھا۔ مگر
 اسن کو تو رائل اور رائل اپنے بڑے بھائی کی جگہ ہلاک
 کے لیے جو چاہے کہ فرق تھا جو رائل سیمیا سے نہیں
 تھا۔۔۔ ان کے ساتھ وہ مسمرہ سے نہیں رہتی کی سیمیا
 اسن کی آمد پر وہ غمٹ کر جاتی تھیں ان اپنے بھائی
 لوگوں کا ساتھ کرنا نہ تھیں تھا۔ وہ بڑا چارہ مگر
 رہنے والی لڑکی تھی بہت کم ہی وہ لوگوں کا پہچان کرتی
 تھی۔ اسن کے لیے اس کا وجود ہے حق تھا اور ضیاء وہ
 اس کی ذات سے بے خبر ہی تھی۔ مگر وہ جلد ہی یہ
 فوس کر چکا تھا کہ اس کی موجودگی میں یہ لڑکی کتنے
 جانی لڑکی تھی۔ اسن کی اس کی بگوں میں رائل خیاں
 اپنی ایک دو اب اسن شوشن نظر میں مسمرہ نواز پر مگر
 رکھا تھا۔ جس سے حیرت وہ بڑل ہو جاتی۔۔۔
 ان دنوں اپنی بیٹی کی ہر جگہ مل کر کے اپنے چھپاؤ کو
 تعبیر دینے کا سوچ رہا تھا۔ اس کے اپنے وقت اس کا
 رائل کے ساتھ کرنا تھا۔ خیاں کے یہ وقت وہ اعضا
 کر رہی تھی۔ رائل بھی بچہ کی ان دنوں غلام تھا سو
 سارہ اور سیمیا کی سب کر رہا اور ساتھ ہی وہ اور اسن

انصاف کا نہ ملنا معاشرے کو برپادی کے
گزے میں دیکھ دیتا ہے جس کے نتیجے میں
خون رستا اور پانی ہر گاہ ہوا عام کی بات بن جاتی ہے۔

ایک مظلوم لڑکی کی داستان جو نہ کردہ جرم کی سزا جھیل گئی تھی۔



خدا کرے وہ محبت جو تیرے نام سے ہے
ہزار سال گزرتے پر بھی جواں ہی رہے

میں دور دور تک سنا چھایا ہوا تھا اور گھٹیاں دیران پڑی
تھے۔ بھلی بھلی پادش کے بعد خزاں رسیدہ درخت اپنی
قصیں۔ کسی لمحے آوارہ و کٹوں کے بھونکنے کی آواز آتی تو
ناچنا بیکر خان اور اس کی یوٹی وی سکرین پر گھر گھر جاتے۔
جو دہرے سے تھانے کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ ٹپک

”مجھے خود مطمئن نہ ہوا اور وہ لڑکی میرے حواسوں پر
سوار ہو گئی تھی دن سے تجھے بتانا چاہ رہا تھا مگر
مگر۔۔۔“
سارہ اور ہمد آج غائب تھیں اور احسن نے ہمد
کے متعلق ہی بات کرنی تھی۔
”کوئی غائب ہے۔۔۔“
”میرے لیے تو بہت خاص ہے تیرے لیے ہو سکتا
ہے کہ کب جب ہو۔۔۔“
اور راتیں کے چہرے پر لگا ہوں بھائی۔
”صاف الفاظ میں بات کر یا۔۔۔“
”ار۔۔۔ یہ لڑکی ہے ماں ہمد۔۔۔“
”جیسے ابھی کہی ہے۔۔۔“
”وہ ہے ہی ابھی معلوم ہی کر یا۔۔۔“
راتیں کی بات پر احسن نے اسے کھا جانے والے
اشعار میں گھورنا تھا۔
”یار۔۔۔ اسے دیکھ کر دل کی دھڑکن عجیب ہو جاتی
ہے۔ سن کر تا ہے وہ سامنے بھیجی رہے اور میں اسے
دیکھتا ہوں۔۔۔“
”پاک ہے تو۔۔۔“
”شاید اب راتیں ان کی بات سمجھ گیا تھا۔
”کیوں۔۔۔“ جیسے نہ دیکھا۔
”وہ سارہ کی ہم عمر ہے یا۔۔۔“
”جیسے الہام ہو جاتا ہے۔۔۔“
”ہمد۔۔۔ احسن ہمارے چلی میری طرح ہے۔
”تیری۔۔۔“
”جہیں اس حق کی آمد پر قطعی نہیں ہوتا چاہیے۔“
راتیں احسن کی بکس کو انکھڑے کمرے کو بھجوا رہا تھا۔
”تو احسن کی آمد پر غریب ہو جاتی ہو۔۔۔“
”بھلا
آگے زندگی میں ہزاروں لوگوں سے تمہارا واسطہ پڑنا
کیسے ممکن کر دی سب لوگوں کو۔۔۔ سو فی بریو۔۔۔“
”بھلا کر خود میں۔۔۔“
(باقی آئندہ)

میں "20" سال

بیوی نے اپنے شوہر سے شکایت کرتے ہوئے کہا، "میری سالگرہ کا دن ہر سال آپ بھول جاتے ہیں۔"

میں آپ کی گھر آدھک آپ کی اور سالگرہ کے بھئی کے بھتیخ رہتی ہوں۔"

شوہر نے نہایت محسوس سے جواب دیا۔
"کہا کروں بیچم آج تم تک مجھے میں سال سے زیادہ تنگی کی ہی نہیں، پھر ہر سال سالگرہ کا تحفہ دے کر تمہاری عمر میں اضافہ کیوں کروں۔"
(تحفہ ملتی دیرم ہارخان)

مٹ جاتا تھا۔ پہلے پہل جب وہ چوٹی کی تو ایک مکے دار کے گھر سے دوپہر کے وقت کی لانی تھی۔ پھر جب وہ جوان ہونے کی قربت اور اپنے پن سے مجھے اس بات کا احساس تک ہونے لگی تو دیا۔

مگر پھر بھی زمانے کی ستم گر فطرت کی وجہ سے میں اپنی بیوی کو کہا تھا کہ یہ ایک بھانجہ ہوگی تو اس کا باپ آنا چاہتا تھا اور وہ دہرے کے وقت گھٹ بجی کوئی کے لئے نہ سمجھو بلکہ خوشی پہلی یاد میری بات پر اس نے کافی خوش توجہ دلی اور ایک یا دو دن وہ خوشی لینے پہلی پہلی اور پھر میری بات کو بھول کر گھٹ بجی کوئی بھی بھی بھلا کر دیا۔

میرے دل میں ایک ڈر اور خوف سا پیدا ہوتا تھا کہ میری محسوس اور بھولی بھالی پاک دامن بیٹی پر کسی دندنے انسان کی بھلی آنکھ نہ پڑ جائے اور کہیں اس کی زندگی تاجوہر باد ہو کر نہ رہ جائے؟

ایک دن وہی ہوا جس کا ڈر اور خوف ہمیشہ میرے دل میں رہتا تھا۔ رشید خان کے گھر میں اس کا بیٹا شاداد خان ہوس کا کھڑی بن کر پہلے ہی اس کے عقاب میں بیٹھا اور تھا۔ اس نے گھٹ بجی کو اپنا نشانہ

مگر ہماری زندگی، ہماری دنیا تاجوہر باد ہو کر رہ گئی ہے اور ہم کسی کو اپنا نشانہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہیں۔
وہ سہاوی ایک بار پھر حیرت سے بولا۔
"ابا جی میں آپ کی بات کو نہیں سمجھ سکا یہ سن کر کبیر خان کی بیوی بھلی بار بولی۔

بیٹا جی ہم وہ بد نصیب ماں باپ ہیں کہ جن کے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کا خون ہوا ہے اور ہم اپنی بیٹی کے بچے ہیں اور اس کی لاش رات سے ہمارے گھر میں پڑی ہے اور گاؤں والے کہتے ہیں کہ پہلے قاتلے میں روہت روہت کر رہا پھر ہم اس کی تدفین کا بندوبست کریں گے۔

وہ سہاوی ایک بار پھر حیرت و پریشانی میں بولا۔
"ابا جی میں آپ دونوں کی بات نہیں سمجھ سکا آپ اپنی بیٹی کے قاتل کیوں ہیں اور گاؤں والے اس کی تدفین کا بندوبست کیوں نہیں کر رہے؟"

یہ سن کر کبیر خان آہیں اور سسکیاں لے کر بولا۔
"بیٹا جی میں عرصہ دراز سے اپنے گاؤں میں چھوٹی موٹی ضروری کر کے گز رہا ہوں مگر آج ہر جتن وسکون کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی مگر غرضت اور سخت ضروری نے مجھے جلدی ہوڑا کر دیا تو جوڑوں کا درد اور آنکھوں کی بیٹائی بھی بدلتی چلی۔

جس کے بعد گھر میں قاتلے پڑنے لگے اور ایک آہی ہو گئی تو مجبوراً ڈکواؤ و خیرات پر گز رہا ہر گز پڑا اور زندگی کے دن جیسے میرے گھر نہ رہ گئے۔

ہمارے گھر اور ہماری زندگی کی بدولت بھی تھی جسے دیکھ کر مارے درد مارے غم سے مٹ جاتے اور دل ٹٹو جاتا جو ہماری زندگی کا بہت اہم ترین سرمایہ دل کی راحت، آنکھوں کی خشک تھی اور اسے دیکھ کر ساری نکات حسین ہو جاتی تھی۔

غزاں کی رت میں بھی بہا کر سناں ہو جاتا تھا۔ غرت، مٹلی، بوچھا پے اور بیٹے پن کا احساس تک

مگر اس بد نصیب کو وہ دو گز زمین بھی نہیں ملی تھی اور نہ ہی اس کا جنازہ اٹھانے دیا جا رہا تھا کہ وہ اپنی لہجہ میں جین وسکون کا سانس لے سکے۔ بس اس کی وہی ٹم کے پھاڑ کو لیے تاجوہر خان اور اس کی بیوی دوپہر سے حالت نزع میں قاتلے دار صاحب کے بھتیخ بیٹے کے آگے دی رات کو ایک سہاوی اپنی ڈوٹی دے کر قاتلے سے باہر نکل کر اپنے گھر جا رہا تھا کہ سسکیوں کی کبیر خان اس کے قدموں کی آہٹ سن کر کبیر خان قاتلے اس کے قریب سے کوئی گھڑ کر رہا ہے۔ بھی تو اس کے سامنے ہے اسے اختیار ملتا بیٹائی قاتلے دار صاحب کے وقت اس کے...؟

سہاوی نے حیرت و پریشانی کے عالم میں آگے بڑھ کر سلام کر کے جس سے ہاتھ ملایا تو اس وقت بھی تاجوہر خان کی بیوی آگے بڑھ کر چپک رہے تھے اور وہ اس سہاوی سے لپٹ کر ایک بار پھر بولا۔
"بیٹا جی یہ قاتلے دار صاحب آخر کسی وقت آئیں گے؟"

میں کو سناں بیٹھے بیٹھے آجی رات ہو گئی ہے۔
وہ سہاوی ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت حیرانگی اور سردی سے بولا۔
"ابا جی آپ کے گھر میں کوئی چہری وغیرہ تو نہیں ہوئی؟ آپ یہاں قاتلے دار صاحب سے بیٹھے اس کے سامنے؟"

اس سہاوی کا سوال سن کر کبیر خان اور اس کی بیوی بیوی ایک بار پھر زار و قفلار رونے لگے اور پھر کافی دیر کے بعد ان کی آنکھوں سے ہوتے ہوئے اشک بہہ کر ان کی چپکوں پر آ کر ان کے رخساروں میں جذب ہو کر درد کی خوببو بکھیرنے لگے اور تم کا سمندر خائیں مار کر زار ساہر سکون ہو تو کبیر خان بڑے اسوس اور غم سے بولا۔
"بیٹا جی ہمارے گھر میں کوئی چہری وغیرہ نہیں ہوئی

لگتے بہت اوس اور رنجیدہ بیٹھے تھے اور ان کی پریم آنکھیں قاتلے دار صاحب کی راہ دکھ رہی تھیں۔ جو بچکے دو ڈھول سے ڈیرہ سائیں کے کسی کام کے سلسلے میں شہر گئے ہوتے تھے۔

عمر بے بی و بھیر اس خطر کی سردی میں کھلے آسان تے بیٹھے تھے اور انہیں اس تاریک رات میں بارش اور برف پاری کا بچکھی خیال اور احساس نہ تھا۔ بس ایک دودھ ایک مکہ، ایک فریاد ایک آس کے لران ساہوادلوں کے ساتھ ان کی بڑھی آنکھیں سہاوی کی بوندوں کی طرح لپک رہی تھیں اور ان کا دامن تر تھا کہ جس دامن میں ہزاروں خوشیاں اور چاہتوں کے پھول تھے کہ ان کی آنکھ کا ہمارا تخت بڑی ہو کر ان کی زندگی کا سہارا بنے کی اور وہ اسے ایک جیسے بیٹا بار اور زندگی کے سناں کو گھٹ دیا گئے۔

مگر جب وقت نے گھٹ بدلی تو ان کی دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا اور وہ بے خواب، ارباب نوٹ کر گھر گئے تھے اور اس غلام سناں کی فرودہ رسوں، دواہن اور جہالت کی تاریکی کی خیر خواہوں نے ان کی وہ خوشی اور زندگی بکھیر دی تھی اور اس مظلم کی لاشیں رات سے منوں میں ختم ہونے کے لیے بہت بے ہمتی تھی مگر وہ لکسی سیاہ نصیب کی کہ اس کے پاک دامن پر کار و کاری کا وہ یاد دہا تھا کہ وہ ہم کو بھی عورت پر لگے تو اس کا مقدر وہ بیک وقت موت ہو جاتی ہے کہ جس کے لیے کوئی آنکھ نہ دلی نہیں ہوتی۔

ننان کا جنازہ آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اٹتا ہے نہ ان کی قبر پر کوئی پھولوں کی چادر چڑھانے والا اور نہ قاتلہ پڑھنے والا ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی قبروں پر ان کے نام کی کوئی گھٹی لگائی جاتی ہے اور نہ انہیں قبرستان کی چادر واری نصیب ہوتی ہے بلکہ وہ قبرستان سے دور الگ جھلک کا درواری کی سیاہ تختی کے ساتھ بڑی خاموشی سے دفن ہوتے ہیں۔

[illegible]

آج صبح ہی ہم لوگوں کے اپنا مکے اور انہیں کہا کہ رات بھر جنت نبی صلاہی ہوا ہے اور کھانے کے اپنی محبت کو لے کر آیا ہے تو میں کہنے لگے ہمارے عزت کو جو بچا ہے اور ہمیں کہنے لگے کہ تمہاری بیٹی تو شاندار خان سے محبت کرتی تھی۔

ابن علیؑ نے کہا میں کو اپنے قہر میں وہ دن ہوں ویں
 کے لئے ہوں اور میں اس کی تفریح کا انتظام کر رہا ہوں۔
 میں چاہتا ہوں کہ یہ باقیوں کے ہر قوم پرستی جتنی
 مرے لئے اور اپنی پاک و امن بنیاد کے لئے اس کا رد دہریہ کے
 علاوہ کسی کو ہدف کرنے کے لئے ہم تمہارے دار صاحب
 کے پاس دوسرے چلے آئے قہر کے دار صاحب تو نہ
 جانتے کہ کیا فیصلے کریں؟

لیے کہتے کہتے کیرخان اور اس کی بیوی کی آنکھوں
سے سب اختیار اسوالم آئے تو اس کے پاس بیٹھے سپاہی
کی آنکھیں بھی نہ ہوتی پٹی نہیں.....

☆ ☆ ☆
گاہوں میں صبح صادق سے ہی گہرا سناں چھایا ہوا تھا۔ ہر زبان خاموش، ہر چہرہ اوداس ہر آنکھ بے چین و قہر ابر، ایک غم، دکھ، افسردگی کی عجیب و غریب فضا چھائی تھی۔ لوگ سب جان کر انجانا رہتے ہوئے تھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ظلم و جبر کی حمایت کرنے پر قائم تھے۔ ایک ڈر، ایک خوف، ایک دہشت نے ان کی دنیا میں بدل کر رکھی تھی۔

تھے۔ یہ جہالت کے اندر سے اور فرسودہ نظام نے انہیں اس طرح قید کر رکھا تھا کہ وہ ایک آزاد ملک اور قوم کے ہو کر بھی ایسے غلام تھے کہ نہ ان کی زبان آزاد ہو سکتی تھی، نہ فکر، نہ سوچ اور نہ قلم و جوا، شرب، انیون، چرس، بے ہودہ فلموں کا نوان اور تاج کالوں کی دنیا میں زندہ لاش بن کر رہی ہوئے تھے اور جو بھی آزاد خیال، آزاد فکر، آزاد سوچ اور علم و ادب کی روشنی میں غلام اور آزادی کی منزل کی جانب نکل پڑا اس کی راہ میں کاسے بچھا کر اس کے قدم روک لیے جیسے یا ان کی زندگی کا رازِ بخدا ہمالہ۔

آج گلبت کی زندگی کا چرچا نہ بجا ہوا تھا کہ اس نے
 تو اس فرخزادہ نظام سے بکارت کے بارے میں کبھی
 سوچ تک نہیں کیا تھا کہ اسے تو غربت، مفلسی، بے چارگی
 نے ہی اپنا تھما اور اس غربت، مفلسی، بے چارگی نے اسے
 جانتے بچتے حضورِ انور کی عزت کو تباہ کرنا اور زمین کو
 تاجدار و بادشاہ بنا دیا۔ جو جہالت کے اندھیروں اور فرہودہ
 نظام کے ماحول نے ایک سو پہنچے مجھے منصوبے کے
 دست بھٹائی دیے۔ اور روزگار، سوا کے اوسے، چوری،
 دھوکے، دھت کرکشی کے ساتھ ساتھ خلیات کے زہر کو
 بھی اپنا ہتھیار بنا کر بے پناہی، بے شری، بے دینی اور
 بے ایمانی کے حلقوں کے لیے اپنا گھر بنے۔

یہ ندامت کے طوق ڈالے گاؤں کی بھجور و بے بس
 گورنمنٹ کنویں پر کھڑی پانی بھر رہی تھیں اور ماسی جنت
 کنویں میں ڈول ڈالتے ہوئے بڑے دکھ اور آنسو
 سے بول رہی تھی اور نیکل میراچی تو چاہتا ہے کہ آج
 میں اس کنویں میں کود کر اپنی جان دے دوں تو اچھا
 ہے۔

اس کے قریب کھڑی خبری بی بی بولی۔ خیر ہے ماسی
آج تو آپ بہت فتنے میں ہیں؟ کیا اپنی بہو سے
کوئی جھگڑا وغیرہ ہوا ہے کیا؟ ماسی جنت ایک بار پھر
بھڑک کر بولی اری خبری بی بی تو بھی یہ نہیں کس دنیا میں

رو رہی ہے..... کیا تجھے معلوم نہیں کہ کل رات سے
 بے چاری بھتکتی کہ لاش اس کے گھر میں پڑی ہے۔
 اس کے ضعیف العمر والدین انصاف کے لیے
 قحانے گئے ہوئے ہیں مگر ابھی تک نہیں لوٹے۔ اگر یہ
 ظلم و ستم جیسی بدحسابا تواریق بجا، انفسے کی طرح ہر گھر کو جلا
 کر رکھ دے گا اور ہم جی در در انصاف کے لیے دیکھ
 کاتے پھریں گے۔ مگر کوئی ششواہی نہ ہوگی۔

شامل مایہ جنت کے منہ سے فرمودہ نظام اور
جہات کے اندر سے یہ دعوت کی بود کہ کون گھر کا
دروازہ میں بولی۔ مایہ جنت ذرا سنبھل کر بات کر کے
ہی کہ دو دروازوں کو بھی کان ہوتے ہیں۔ مایہ جنت
گھر سے میں اپنی ڈالنے ہوئے بولی۔ ہاں شامل بھن
آج دو دروازوں کو کان تو کیا زبانی ہوئی ہے اور وہ
لوگوں پر گرتے پرے لگی ہیں۔ کرم میں یہی ہوں
میش جا جا کیہ خان میں غریب، مفلس اور نادار کی نصیحت

عزت کا جنازہ کیوں اٹھایا جاتا ہے؟ کیا کسی شخص کی بہن بیٹی اپنے کسی آشنا کے ساتھ مل کر رگڑے رلیاں نہیں مٹاتی یا ان کی عزت کو خاک میں ملا کر گھر سے بھاگ نہیں جاتی؟ اب اس شہداء کو خان کو تو دیکھو کہ اس کی دو بیٹیاں اپنے عاشقوں سے ملے ہوئے

پڑی میں مکر اس کے پاؤں پانچ لاکھ روپے کے ناموشی سے چھ لاکھ روپے میں آئی۔ جنوں فرخت کر کے آئیں ڈولی میں بٹھا کر اپنی عزت بچائی اور بائیں لاکھ روپے کا ننگ بھی میں جیٹا اور اس سے ہمیت سے سفید پٹنیں صیغیرے میں چھینا اور اس کی، بھوکہ کٹائی۔ جب سنی گاڑی میں سوار ہو کر گھر سے نکلے ہیں تو چاچا خیر خان کا بھی غریب، مسکین، شریف اور کروڑ لوگ اچھا چکر ان کا بڑی عزت و احترام ساتھ جیکر کا استقبال کرتے ہیں اور آئیں سلام کرے ہیں۔

حب ان کا سر فخر سے اور بلند ہو جاتا ہے کہ وہ ا۔

اقوال زریں

☆ پانی کی چند بوندیں پتھر میں بھی سوراخ کر دیتی ہیں۔

☆ اگر آپ کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں تو
دوسروں کی زندگی کے مقصد کی رکاوٹ مت بنیں۔

☆ کسی کا دل مت توڑیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ

کچھ برائے نام لے۔

پہلوں پر ساق۔

☆ جب تم خوشیوں میں کھینے لگو تو تم تین

اصیلت کو۔

علاقہ کے بہت عزت دار اور معزز شخصیت ہیں۔

خیر بی بی گھڑا اپنے سر پر رکھتے ہوئے بولی ماما

نکھیں مے.....؟ شاعری بھی اپنے سر پر گھڑا رکھ کر

بہنِ خمر بی بی ماسِ جنت بھی توجھ کہتی ہیں کہ

پہٹ سے ان کا ناجائز بچہ ہسپتال سے نکال کر یا

کار و کاری کے فیصلے کرا کر لاکھوں روپے کے لئے،
امیر ترین، شریف اور عزت دار ہو جاتے ہیں کہ ہم۔

مجرم کو سزا دلوانی اور لاکھوں روپے ہڑپ لے لے۔
مگر کسی غریب، مسکین، مفلس کے مجرم کو سزا

کون دلوائے گا.....؟ بڑی خاموشی کے بعد ذرا آہستہ سے

یہ بات تو ہم کو اپنے مردوں سے کرنی چاہیے کہ

2016.....

ہیں؟ آخر کیا کیر خان نے ان کا کیا بکاڑا ہے جو وہ اس کی بیٹی سے اتنی بڑی نا انصافی کر رہے ہیں۔
 یہ سن کر مایہ نیت بیٹے سے ہوئی۔ ہمارے گاؤں کے مزدبے، ہوٹلوں پر گھنٹی ہے ہودہ غلوں سے آزاد ہوں اور مگر ہوش میں ہوں تو ان سے بات کریں۔ ان عورتوں میں سے کوئی بات کرتی مگر گاؤں پہنچ چکا تھا اور وہ اپنے اپنے گھر جا چکی تھیں۔

☆☆☆

خوبی میں بڑی رونق اور لہلہا چلی ہوئی تھی۔ دڑے سے سائیں کی آمد پر اس کے کانٹے اور باڈی گاڑا اور احمد دڑ کر اس کے سر کی قہقہے بول رہے تھے۔

رشید خان اور اس کا بیٹا شامدار خان بہت افسردہ اپنے سر جھکے بڑی دیر سے بیٹھے تھے اور ہاتھ پاؤں پار دانت کر رہے تھے کیر خان اپنی بیوی کے ساتھ قہانے کیا ہوا ہے اس لیے قہانے دار صاحب کے آنے سے پہلے معاملے کو ختم دینا گوارہ نہ تھا شامدار خان کو کھر قید یا سزائے موت بھی ہو سکتی ہے اور سارے گاؤں میں رسوا کی ہوئی۔

دوڑھہ اپنی سچوٹوں کو تالا دیتے ہوئے بولا۔ رشید خان میں نے جو دھڑکنی کرتی مگر یہی محراب اپنی سر سے اوپر گزرتا جا رہا ہے اور میں جھکے بھی نہیں کر سکتا اس لیے بہتر ہے کہ تم شامدار خان کو پھانسی کے حوالے کر دو یا پھر خاتون کے ساتھ یہ گاؤں چھوڑ کر چلے جاؤ ورنہ قہانے دار کے آنے کے بعد ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

پس اس میں بہتری ہے کہ تم ابھی سے کہیں چلے جاؤ کیونکہ کیر خان کل دوپہر سے قہانے دار کے پاس گیا ہوا ہے اور میں نے قہانے دار کو شہر میں روک رکھا ہے کہ قہانے میں نہ آؤ کیونکہ رپوت دروغ ہونے کے بعد تمہارا بیٹا شامدار خان تو حق بھی نہیں سکتا اور اگر یہ

قانون سے بچ گیا تو ہمارا ہی سے بچ نہیں سکتا اور سارے گاؤں والے کاروباری کے اثرات میں شامدار خان کے خلاف آزاد اٹھائیں گے اور معاملہ بہت بگڑ جائے گا۔

رشید خان ایک بار پھر ہاتھ جو ذکر عرض کرنے لگا۔ دوڑھہ سائیں سے شک میرے بیٹے نے گناہ کیا ہے مگر اس کی سزا ہم سارے گھر والوں کو دینا ہم نے پہلے دس ایکڑ اراضی دینی تھی اب کچھ جانور اور ایک مکان بچا ہے بھلا ہم یہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

پس آپ ہم لوگوں پر دم کی نظر ڈالیں! دوڑھہ سائیں اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اگر آپ یہ گاؤں چھوڑ نہیں سکتے تو شامدار خان کو پھانسی کے حوالے کر دو نہیں قہانے دار صاحب کو فون کر کے جانا ہوں۔ یہ سن کر رشید خان اور اس کا بیٹا شامدار خان آگے بڑھ کر ان کے پاؤں پر گر پڑے اور اس کی منہیں کرنے لگے کہ وہ قہانے دار صاحب کو نہ بولا کریں۔ ہم ابھی ابھی کسی شہر چلے جاتے ہیں۔

پس ان کو دڑے سے سائیں نے اپنے پاس کھڑے دو پاؤں کی گاڑی کو ٹھکڑا کر دوڑھہ رشید کے ساتھ جاؤ اور ان کو گاؤں سے بے خوفتہ کسی شہر لے جاؤ جہاں یہ جانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد اس کے مال موٹی اپنے ساتھ میراں لے آؤ اور ہاں رشید خان کے گھر کی چابیوں اس کی لینا نہ بھولنا۔

دونوں پاؤں کی گاڑی رشید اور شامدار خان کے ساتھ چلتے چلتے دوڑھہ سائیں کے سر کی قہقہے بولتے ہوئے بولے حاضر سائیں جیسے آپ کا کام؟

اس کے بعد وہ چاروں خوب سے باہر نکلے اور رشید خان کے گھر کی جانب روانہ ہوئے۔

☆☆☆

خوبی کے ڈھل بیڑہ دم میں قہانے دار صاحب بڑے آرام کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر تھے اور فون کی ہتھکڑی

کاٹی دیر سے بیٹھ رہی تھی۔ اپنا ک فون کی ہتھکڑی کی آواز نے قہانے دار صاحب کی نیند آزادی تھی اور وہ دوڑھہ سائیں کی خوبی کا فہرہ دیکھ کر گہرا کر گھڑ بیٹھا اور ریسور اپنے کان پر لگا کر بیٹھ گئی تھیں۔

حاضر سائیں، جی سائیں۔ حاضر سائیں کہنے کے بعد وہ جلدی سے بستے سے اٹھا اور چار ہو کر گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ تقریباً چار گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ قہانے دار صاحب کو پڑھا دینا کیر خان اپنی ضیف العمر بیوی کے ساتھ افسردہ بیٹھا ہوا تھا۔

کیر خان قہانے دار صاحب کی گاڑی کی آواز سن کر تھوڑا سا پر سکون ہو گیا اور جب سائیں نے ان کے قہانے دار صاحب کے سامنے پیش کیا تو ان دونوں مایہ بیوی نے اپنے غم کی داستان اسے سنائی تو قہانے دار صاحب سب کچھ جان کر بھی اس سے الٹے سیدھے سوال کرنے لگے۔

اچھا بیٹی آپ کا کیر خان ہے اور آپ کی زوجہ کا نام سہا ہے شہر ہاؤس ہے۔ کیر خان اپنے ہاتھ میں قہانے دار صاحب کو اپنے دھول کے قریب رکھتے ہوئے بولا۔

جی ہاں قہاندار صاحب پر ہم کیر خان رشید اور میری زوجہ کا نام شہر ہاؤس ہے اور ہم ایک گھر بنا کر آئے ہیں۔ اس پر ذرا غور کیا جائے تو آپ کی بیوی کو بھی ہوگی قہانے دار صاحب ایک فاصلے کے درمیانی علاقے

ہوئے بولا۔

بابا جی تم غور بہت اچھے طریقے سے کریں گے مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ دونوں نے اپنی بیٹی کو قہقہے کر کے بہت بڑا جرم کیا ہے اور اگر آپ دونوں کے خلاف رپورٹ درج کی جائے تو آپ دونوں جیل کی کال کوٹھڑی اور عدالت کے چکر کا کھاتے دم دریں گے یا پھر آپ دونوں کو قہقہہ یا سزائے موت بھی مل سکتی ہے۔ مگر میں آپ دونوں کی غربت اور بے چارے دیکھ کر کوئی کارروائی نہیں کر رہا ہوں۔

بڑھا کیر خان اور اس کی بیوی گڑگڑا کر روتے ہوئے قہاندار صاحب کی منہیں کرتے ہوئے کہنے لگے۔ قہانے دار صاحب اللہ پاک آپ کا بھلا کرے کہ ہم لوگوں نے بہت بھجور ہو کر اپنی بیٹی کو زہر دیا ورنہ کون اپنے بچے کو اس طرح موت کے گھاٹ اتارتا ہے؟

قہانے دار صاحب بڑے دعب سے بولا۔ بے شک آپ اسے مار کر بھی گڑھے میں دفن کر دیتے یا کسی غریب میں بھا دیتے۔ مگر یہاں آنے کی غلطی بھی نہ کرتے۔ کیر خان اور اس کی بیوی اسے ہزاروں دعا مانگتے دیتے ہوئے کہنے لگے۔

بیٹا جی اللہ پاک یہی ارادہ کرے کہ تو ہمیں اس بیوی نصیب سے بچا کر اپنے گھر آج ہم لوگوں پر یہ احسان بھی کر کہ ہماری بیٹی کی زندگی کا انتقام ہو جائے اور ملے والے ہمارے ساتھ قہاندار کے کے اچھا سلوک کریں۔ قہانے دار صاحب ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور اپنی بیوی پر مگر کوئی اپنے سر پر تاج کی طرح سجا کر اور اپنے ہاتھ میں لاٹھی اٹھا کر روانہ ہوا تو اس کے قریب پہاڑی بھی اس کے کان میں بولے ہوئے باہر آئے اور اس کی گانے کے پیچھے اپنی رائفل کو سنیاں کر بیٹھے تو کیر خان اور اس کی بیوی بھی گڑگڑاتے ہوئے قہانے دار صاحب کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆☆☆

کیر خان کے گھر میں اس کی جوان سالہ بیٹی محبت کی لاش ایک ٹوٹی پھوٹی چار پائی پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ایک بڑھی خاتون افسردہ اور غمگین بیٹھی ہوئی تھی۔

قہانے دار صاحب کے پیچھے ہی ایک بھجم سا ہو گیا اور لوگوں کو اس کے پاسی اور احمد کرتے ہوئے اس کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ قہانے دار صاحب نے چار پائی کے قریب غمگین لاش پر جا کر بیٹائی تو اس کی بے کراہہ آنکھیں کھری تھیں سو ہوئی کی اور اس کے

کہانیاں زندگی (مختصر کہانیاں)



خوبصورت ہونوں پر ایک نظر یہ مسکراہٹ تھی اور اس کے منہ سے سفید جھاگ بہہ کر اس کے گلے تک آئی ہوئی تھی۔ اس کا بیڑھا ہوا پت بھی صاف دکھائی دے رہا تھا کہ جس میں شاندار خان کا گناہ چل رہا تھا۔ حقانے دار صاحب نے قریب کھڑے لوگوں کو دور کر کے محض میں ایک اور دھڑکی چار پائی رکھوائی اور اپنے ایک اہلکار کو اپنے پاس بیٹھا کر کہا کہ وہ رپورٹ درج کرے اور رپورٹ میں یہ درج کرے کہ رات کسی بات پر بھگت کا اپنی ماں سے جھگڑا ہوا جس کی وجہ سے اس نے پیش میں آ کر زہر کھا کر خودکشی کر لی۔

حقانے دار دھڑکی آئی۔ گھرانے کے قریب کھڑے لوگ یہی پرکھ رہے تھے کہ ان کے قریب کھڑے لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے اور منہ سے کچھ نہ نکالا کچھ دہرے کے بعد حقانے دار صاحب معاملے کو دفع کر کے جب واپس چلے گئے تو کچھ شریف انہیں ملے دار بھگت کی تدفین کے لیے قبرستان گئے اور وہاں اس کی قبر کھودنی شروع کی تو کچھ شریف لوگ آ کر شہر پرانے کرنے لگے کہ چونکہ بھگت کالی (کاری) ہے اس لیے ہم اس کو قبرستان میں کی صورت میں دفن ہونے نہیں دے گے۔

یہ سن کر وہ بے چارے ماسوئے سے ہونٹے اور معاملے کو مزید بڑھانے سے بچنے کے لیے بھجورا قبرستان سے دور ایک گوشے میں بھگت کی قبر کھودنی لگی اور اسیے سات ماہ کے بیٹے کے ساتھ سڑکوں مٹی سے دفن کر دیا گیا۔ جسے اپنا عالم دنیا میں آنکھ کھولنا نصیب نہ ہوا اور نہ اس نے اپنا مجرم، گناہ گار باپ، اپنی مظلوم پاک دامن ماں، بھجورو دے بس بوڑھے تانیا نانا اور ضعیف اصرہرائی کو دیکھا اور نہ ان معزز سفید پوش لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اس کے خاندان والوں کو نہ انصاف دلا یا۔ نہ ان کی عزت رکھی اور نہ ان کی ضعیف اصرہرائی کا غریب کا احساس کیا بلکہ اس کی پاک دامن ماں کو قبر، قبرستان میں بنانے دی اور نہ ہی اس معصوم سے بچے کو یہ خبر تک

☆☆☆

عید ملن

عابد خمار

میں نماز عید پڑھ کر مسجد سے باہر نکلا۔ دوستوں کو گلے ملا، عید مبارک دیتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ خوشی رشتہ و دل میں جگہ بناتی لیتی ہے۔ عید کا دن قاتر چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ بزرگ اپنے بچوں کو لے کر نماز عید کے لیے آئے ہوئے تھے۔ نوجوان ٹیولین کی شکل میں شرارت بھری مستیاں کر کے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

مذہب سے جس قدر قدم دور پائیں ہندی میں جیسا کہ
ان حیرت و دیاں کی خاموش تصویر بنا لوگوں کو دکھا رہا
تھا۔ کسی بھی ملک کی اندرونی سکورٹی کا انحصار کنگ
پلیس پر ہوتا ہے۔ ان کے چہرے پر خوشی کا نام و نشان
نہ تھا۔

میرے اندر درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ لوگوں کی
یہ حس پر دل تھلا اٹھا۔ کوئی بھی اسے عید ملے نہیں
لیا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ
مئی ہمارا اپنا تھا۔ مسلمان ہے۔ ہمارا نہیں تو کم از کم

کسی ماں کا لخت جگر تو تھا۔ جو اپنی ماں اپنے باپ،
مائی، بہن اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر بیماری حفاظت پر
مور تھا۔

میرا صبر مجھے بری طرح چھوڑ رہا تھا۔ جب کوئی
میں الٹا فرض کی ادائیگی کرتا ہوا شہید ہو جاتا ہے تو
انسان اس کے عزیز و اقارب کے اور پولیس والوں
کوئی بھی شخص اس شہید الٹا کی میت میں شریک نہیں

میرے ضمیر کی ملامت کا اثر تھا۔ میرے قدم فرط
تذمت و دروت سے بے اختیار اس محافظ قوم مسلمان کی
طرف بڑھے۔ میرے جذبات مجھے دیوانہ وار اس کی
فصلے لے کر جا رہے تھے۔ اس نے مجھے اپنی طرف آنا

دیکھ لیا تھا۔ اس کا چہرہ توڑا سا کھل اٹھا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک دکھائی۔ میں نے دور سے ہی اس کی طرف اسے بازو پھیلا دیئے۔

وہ منکراتا ہوا میری جانب بڑھا۔ خوشی سے میں
بے حال تھا کہ میری وجہ سے اس کے چہرے پر
منکراہت جگمگائی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے
لگایا۔ عید مبارک اسے عجاہد ملت، پاپان، پاکستان،
میرے الفاظ نے اس کے اندر بجلی جگمگادی۔ اس نے
حزب کس کے مجھے گلے لگایا۔ اس نے مجھے عید مبارک
کہا۔ بہت خوش تھے ہم دونوں ایک دوسرے کو گلے کر۔

بھائی جان تھوڑا سا نیچ پڑا۔ اس نے راز دارانہ
 ہنسنے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے دھڑکے سے کہا تو
 میں خوشی خوشی اس کی مطلوبہ جگہ پر سرک گیا۔ وہ بھی
 میرے ساتھ سرک گیا۔

آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے دھڑکے سے کہا اور ادھر ادھر لوگوں کو آتا جاتا دیکھئے۔

۱۰ کیا؟ کون سی بات؟ میں نے مسکراہٹ کے جواب دیا۔

کیا آپ چرس پیتے ہیں؟ ناراض مت ہونا اور جج بتانا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ موجود تھی۔ آنکھوں کی جھلک مزید بڑھ گئی۔

مجھے حیرت کا شدید جھوٹا لگا۔ بھائی جان میں نے
آج تک سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا آپ چرس کی بات کر

اس نے سر اٹھا کر ابرو ابرو دیکھا۔ دیکھیں مجھے
آپ کی تلاش لیا ہر گے۔ کوئی بھی مجرم پیار سے کبھی
اتا ہے جو آپ مان لیں گے شرافت کی زبان سے اس
کے لہجے میں جیسی کڑواہٹ تھی۔ آنکھوں میں غصہ
واضح دکھائی دے رہا تھا۔

بھائی جان میں ایک عزت دار شریف آدمی ہوں

میں نے آج تک چرس دیکھی نہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں چرس پیتا ہوں۔ میں تجھے چرس لگتا ہوں؟ میں قدرے متحکم لہجے میں جواب دیا۔

یہ تو آپ کی حاشی لینے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ آپ کتنے شریف ہیں۔ جب بھی کوئی مجرم کھڑا جاتا ہے تو وہ بھی یہی بکواس کرتا ہے۔ جب اس کی چمچڑول ہوتی ہے تو سب کچھ نکل کر باہر آ جاتا ہے۔ اس بار اس کے لہجے میں طنز، دھمکی اور غصہ بہت نمایاں تھا۔ وہ مجھے مجرم ثابت کرنے پر بضد تھا۔

ٹھیک ہے ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ آپ لے لیں سٹاشی۔ میں غصے میں آ کر سر نہر کر دیا۔

اس کے چہرے پر عجیب و غریب چمک سی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کبھی تلاش لینے لگا۔ اس کے ہاتھ حرکت میں آئے۔ مرنے چاہیے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے مرنے کی کمر بستہ آہٹیا۔ اس کے ہاتھوں میں اب ایک عجیب سی شے تھی۔ اس کے منہ سے عجیب بول آ رہی تھی۔ جیسے وہ رات بھر شراب نوشی کر کے آیا ہو..... ہاتھ اور کمر..... اس نے دھنکی سے

کہا۔ تو میں نے مانا پاجھے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر کر لیے۔ اس نے وقت ضائع کیے بغیر میری ہانپوں

ہوئے مہری دائیں بائیں دونوں سائیڈ جیبوں پر
آکر رک گئے۔

ہاں اہل قسم کی چیز میرے سامنے لہرائی۔
اس نے پرجوش ہوتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔
مجھے کیا پتا ہے کیا ہے؟ میں نے حیران ہوتے ہوئے اس
چیز کی ملکیت سے انکار کر دیا جو میری جیب سے برآمد
ہوئی تھی۔

یہ چرس ہے جو آپ سے برآمد ہوئی ہے۔ اس کے
انکشافات مجھ پر بم بن کر گرے۔ میں گرتے گرتے
بچا۔ یہ میری نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس تھی۔ میں
خود کو سنبھالتے ہوئے مشکل بول سکا۔

تو کیا یہ آسان ہے کہ جیسا کہ میں نے دیکھا
 کہ شرافت سے قبول کر لے ورنہ ابھی قاتل سے
 پولیس کی تقریری یا احوال کا پھر قاتل سے کیا ہوتا ہے تجھے
 ابھی طرح یہ ہے؟ اس نے میرے قریب سرک کر
 ابھی خاموشی دیکھی دے والی۔

میرے ساتھ پریشانہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔
میں بری طرح چپخس چکا تھا۔ میں آپ کے لیے ایک
راہ نکال سکا ہوں۔ اس نے راز دارانہ انداز اپناتے
ہوئے مجھے بتایا۔

وہ کیا میں سے جلدی کے سوال کیا۔ آپ کی جان چھوٹ سکتی ہے آسانی سے اگر تم پاہن؟ وہ ایک آٹھ ہارستے ہوئے ہوا۔ کہ تمنا تو کیا کیے جان چھوٹ سکتی ہے؟ میں تھانے کی چیمبرول سے جان چھڑانے کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔

آپ مجھے پانچ ہزار روپے دیں۔ ورنہ تھانے دار
پچاس ہزار سے کم تو بالکل نہیں لیتا۔ اوپر سے آپ کی
بدنامی الگ ہوگی۔ باقی آپ کی مرضی ہے کہ پانچ ہزار
میں سامنے ہیں یا پچاس ہزار میں۔ فیصلہ آپ نے کرنا

ہے۔ اس نے صاف الفاظ میں رشوت طلب کی تھی۔
لیکن اس وقت تو میرے پاس صرف دو ہزار ہیں۔
میں نے صاف گوئی سے بتا دیا۔

نہیں کا کے! دو ہزار سے کام تو نہیں چلنے والا۔ اس

مونا کی عیدی

قرۃ العین سکندر

”بس میں نے کہہ دیا ہے۔ میری عیدی اس دفتر سب سکیموں سے الگ تھک اور لاجواب ہوئی جاے۔ تو کہہ دے اپنی ماں سے۔ میں نے تو ساری کزنز اور ساری ساری سکیموں کو تار تار کیا ہے۔ اس مرتبہ میری ماں کی دینی عیدی تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا دے گی۔ تو لوگ بس دیکھتی کی دیکھتی رہ جاؤ گی۔“

مونا نے بے حد نخوت سے کہا تو ارمان نے اپنا سر جھٹک لیا۔
”تو تو بلی ہے عیدی تو فقط عیدی ہوا کرتی ہے۔ خلائق اور محبت کے سچے چہرے سے لکھتی ہوئی۔ یہ تو نے کیا لٹ لکھ کر لی ہے۔ سب سے الگ سب سے اعلیٰ عیدی کی۔“

ارمان کو بھی بے حد فخر چڑھ چکا تھا۔ مگر مونا بھی کہہ دے جس سے کہنے کو آتا رہے۔ اس کی ایک ہی ضدی وہ عیدی ہے۔ لی تو خاشا ڈونڈی جیتی اور بھاری گول والی تیرتی کی۔

ارمان کی حال ہی میں کسی جگہ نوکری تھی۔ اور اسی وہ معاشی لحاظ سے اس قدر خود کشیل ہے تھا کہ مونا کے سامنے ارمان پاؤں پر سے کہ سکتا۔ اور پھر ماں تو اس کی پرے دور ہے کی بھروسہ تھی۔ یہ بات نہ صرف ارمان جانتا تھا بلکہ مونا کو بھی آگاہی تھی کہ اس کی ہونے والی ماں مگن گن کر دم خرچ کرتی ہے۔

مگر اب کیوں ہوسکتا تھا۔ ارمان اس سوچ و بچار میں الجھا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہر وقت محبت کا دم بھرنے والی بی بی مچھہ مچھہ میں ارمان کو لاکر کھرا کر دے گی۔

”اچھا تو فون رکھ میں بات کروں گا ماں سے۔“

نے اپنا سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ میرے پاس دو ہزار سے زیادہ فون ہیں۔ میں نے پھر بتایا۔ وہ اپنی ضد پر اٹھیا تھا جس نے بھی دو ہزار کی رٹ لگ رہی تھی۔
کافی منت ساجت کے بعد بالکل وہ دو ہزار میں مان گیا۔ کیا کرتے ہو؟ اس نے دو ہزار بتوڑتے ہوئے سوال دیا۔

میں پرائمری سکول کا چہرہ ہوں۔ میں نے اپنی نوکری بتائی غریب آدمی ہوں اس لیے دو ہزار دوپے رکھ لیتا ہوں۔ ورنہ میں اتنے کم پیسے میں بالکل نہیں چھوڑتا مجرم کو۔ وہ قاعدہ احسان چار جاتا۔
خان صاحب آپ کی بہن اب آپ کے پاس سے کچھ غریب پر اتار کر فرمایا۔

”میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے کاٹے۔ اچھی طرح غائب ہو جاؤ اور خوار ہو جی کو بتایا۔ وہ بار بار حال نہیں سہرتے رہو گے۔
اس نے ایک اور فون کی دانی، ٹینس بیٹاؤں کا خان صاحب کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ میں نے پھر ہر یقین دلا دیا۔ ٹھیک ہے اب تم جانتے ہو۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے رونا دکھاتے ہوئے جانے کی اجازت دی۔ میں وقت ضائع کیے بغیر فلیئر چل دی وہاں سے کھسک گیا۔

میری ناگھیں کانپ رہی تھیں۔ سانس لگنے میں کمی ہوئی تھی۔ اب سانس رفتہ رفتہ بحال ہوئی جا رہی تھی۔ پولیس کے جوان کو بھیٹنے کے بعد دوبارہ عید نہ ملنے کی قسم اٹھاتا ہوا میں تیزی سے جا رہا تھا۔ میں تجویس قدم اٹھانے کے بعد میں نے مڑ کر پیچھے کو دیکھا کہ کہیں میرے پیچھے سی آ رہا ہو۔
چوٹی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سفید کپڑے پہنے ایک شخص دور سے بازو بٹھوئے بازو دھاننا انداز میں عید ملنے پولیس والے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆☆☆☆

ارمان کو مونا سے بے حد محبت تھی اور وہ اس کی آنکھ میں آنسو نہ کھینچ سکتا تھا۔ اس کا ہر قسم اس کے لیے حکم آخر ہوتا تھا۔ اب مونا کو بھی ضد بن کر نے عادت سی پڑ گئی تھی۔ اب اس کی فرمائش پر اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی اپنی ادا دے دے کہا تو وہ قہقہے سے ہنسی لگتی تھی۔

”دیکھ ارمان تیری بی بی نوکری گئی ہے جمع جوڑ کرے گا تو ہی تیرا کہے گا۔“
وہ سن کر ساری جمع پونجی اٹھی سے اس ناخوش پٹی زانو سے گاؤ تھیرے پڑے ہاتھ لکھ کر سوا ڈاڑھ کا قطعہ اور ٹیس سے برا حال تھا۔ اب ادا دے کوئی نکلنے آگیا تھا۔ دوسری جانب مونا کی دوست سدو کی عیدی آگئی تھی۔ سدو نے اسے خاص طور پر عیدی دکھانے کو بلایا تھا۔ دوست بھاری تھی۔

”بے حد قہقہے پل پل کر لگا لگا۔ سوٹ دوسرا لان کا بے حد کھڑے سے کھڑے والا سلوٹ تھا۔ ساتھ میں بیچنگ چپری اور دو جوڑے چپری تھے۔“
سدو نے چہرے پر مسکراتی تھی۔ سسرال کی عیدی تھی۔

اسے تیری ماں کا دل تو بہت ہی پیوستہ نکلا اچھی سی عیدی۔ مونا نے یقیناً اپنی تھیں۔

”اور تیری ماں تو جیسے ٹک بھر کے عیدی لانے والی ہے ناں۔“

سدو نے بھی چٹ کی۔ گہری اور راز دار لکھی ہونے کے باوجود وہ بولتی آگاہ تھی کہ اس کی ماں کا ہاتھ آج کل تنگ ہے۔

”دیکھ میں زبان میچ لوں گی اگر تو نے میری ماں کے خلاف ایک لفظ بھی منہ نہ نکلا تو۔“

مونا نے قہقہے میں کہا اور دم چمک کر اپنی چوکت پر پلٹ آئی۔ دل تھا کہ بے حد اوس ہوتا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ سدو کی عیدی دیکھ کر اسے اپنی عیدی اب تک نہ

ملنے کا قلق اور بھی گہرا ہو گیا تھا۔
آخری عشرہ تھا اور اب اس کی سانس کی آمد متوقع نہ تھی۔
نہ تو وہاں سے کوئی فون آیا تھا اور نہ ہی عیدی کا کوئی تذکرہ ہوا تھا۔ پچھلے سال بھی مونا کو عیدی میں کچھ نہ ملتا تھا۔
جب بھی اس کی سکیموں نے اس کا خوب مذاق اڑایا تھا۔
”ارے بھئی عیدی ہے تیری معنی کے بعد اور ایک دھیلا نہ لگاتے۔“

ارمان کو بھی کوئی جواب نہ سوجھ سکا تھا۔ تب اس نے دل میں ٹھان لی تھی۔ اس مرتبہ سب سے عمدہ ٹرائل حسبِ ممکن ہوئی عیدی سے سب سکیموں کے منہ بند کر دے گی۔

عید الاضحیٰ سے دو دن قبل مونا کی ماں کا فون آیا تھا کہ وہ کل عیدی نے کچھ نہ لگے۔ مونا تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ خوب سچ سچ بیٹھ گئی اور سچ سچ سارے سارے گھر کو بھاگ ڈالا۔ سارا گھر جھجک کر نہ لگا تھا۔ اس نے آنکھوں میں کاہل لگایا اسید کے بکتو تھا۔ وہ درختوں کی سے سانس کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔

تھی اس کی سانس لگ چکی تھی۔ مونا کی والدہ نے بڑھ کر کہیں کوٹھنے سے لگایا۔

وہ بچہ کھانے پر مونا نے خوب اہتمام کیا تھا۔ اس نے دل میں کہہ دیا ہوا میری بھانجی نے شام میں کیا ہوگا۔ جو بڑا ہوا شام پر اس کی ماں تھا۔ سچی سچی۔ ماں نے مونا کے ہاتھ پر پیدار کیا اور مٹائی کا ڈبہ مونا کو بھجوا دیا۔

پھر مونا نے کھانا چن دیا دسرخوان پر اور سب نے کھانا تناول کیا۔

کھانے کے بعد جب مونا ٹرے میں چائے اٹھانے لائی تو سانس نے مونا کا ہاتھ تمام لایا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

”دیکھو بیٹا تجھے عیدی کی چاہت ہے۔ میں بھی

قاتلہ

صباحت رفیق

آج وہ بہت خوش تھا۔

آخر کینہ۔ نیش ہوتا اس کی سالوں کی سخت آج رنگ لے لی آئی تھی۔ اسنے سالوں سے اور نام کر کے جو چیز سکایا تھا وہ بیچ کر کے اپنے ایک دوست کے ساتھ لے کر چار مینے پہنچا لپٹا کاروبار شروع کیا تھا۔ رات کی سخت سے آج اپنے کاروبار کو پرافت پہل بنانے میں کامیاب ہوا تھا۔ چلری سے گھر جانے کی سوچ رہا تھا کہ آج وہ بڑے کچھ مضانی لے جا کے اور اور کو خوشخبری دے گا۔ لیکن دوستوں نے راستے میں ہی گھبر لیا۔ وہ جانتا تھا یہ اُسے ایسے ہی جانے نہیں دیں گے اس لیے میں وہ آئیں لے راستے میں آنے والے ایک چھوٹے سے کینن اچھے اور صاف سحرے ہوئی میں لے آیا۔ اس نے کاؤنٹر پہ انہیں آڈر دیا تو وہ کہنے لگے "سرخ زار کے لیے اوپر اتر چمٹ کی ہوئی ہے آپ ادھر جا کر بیٹھ جائیں ہم آڈر تیار ہونے پہ آپ کو پہنچا دیں گے۔ سوہوار اس کے چاروں دوست اوپر پہنچے آئے۔ یہ ہوئی یونیورسٹی کی بیک سائیڈ پہ تھا۔ کچھ بیٹھ کر ہی کچھ سٹوڈنٹ بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ وہ بھی ایک مالی ٹیکل کی طرف بڑھے۔ وہ دوست ایک طرف اور تین دوست ایک طرف بیٹھ گئے اپنی نشستیں سنبھالے کہ بعد وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگ گئے۔ کچھ دیر بعد ہی تقریباً سارے ٹیکل خالی ہو چکے تھے۔ سوائے ان کے پیچھے کوئے والے ٹیکل کے۔ اسی دوران سامنے بیٹھے عامری نظر اس ٹیکل پہ پڑی۔ اس کے ہنسنے سننے والے انداز میں تھا وہ بے۔ اس کے ساتھ بیٹھے علی نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کرتے جب اس کی طرف دیکھا تو اس نے باتوں کو آٹھ مارتے ہوئے سرگوشی سے آواز میں کہا۔ کیا یار ڈرامو کے تو دیکھو کیا سین ہے۔ ان

کھینچی ہوں۔ سین وہ ہوتے ہیں گھر میں ایک بات یاد رکھنا بھی زندگی میں اپنے جیسے خدا کا دھوکا دے اور ضرور فرائض کے لئے کرکٹ نہ کرنا۔ اس عید کی کو دیکھنے سے پہلے نظر اپنے دل کو بھی وسیع کرلو اور ضرور فرائض کی آٹھ سے دیکھو تو یہ عید بھی کچھ لگے گی۔ اگر چاہت کی نگاہ سے دیکھو تو یہ عید بھی بہت لگے گی۔ انہوں نے شاپر بیڈ پر لٹ دیا تھا۔

"ایک ریشمی سوٹ اور ایک کاش کا سادہ ساسٹ تھا۔ ساتھ میں چینگ چیلری اور گولڈن گولی دونوں سوٹوں کے ساتھ پتی چائی تھی۔

سوٹ نے غصی کی آواز کی تھی۔ اسے ساری کی بات بھی سمجھ آئی تھی۔ اس سے پہلے مال کی کھجائی بات بھی سمجھ آئی تھی۔

"دیکھ میں کچھ بڑے بڑی مشکل سے ہیں اور بکھرے بل نہیں لگتے۔ مینا ہو کہ عید کی شہر میں تو اپنے سہراں سے بھی ہاتھ دھ بیٹھے۔"

مال کی بات پر وہ کھل گئی تھی۔ کبھی اس نے نصیحت بڑی نہیں تھی۔

اس نے بڑھ کر سامری چیلریں ایک ایک کر کے شاپر میں رکھنا شروع کر دی تھیں۔

پھر بڑے مان سے بولی۔ "میں بہت خوش ہوں۔" وقت اور بدلتے ہوئے حالات نے سوہوار کو بھی راضی خوش رہنے کا جہز سکھا دیا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ وہ معمولی سی عیدیں سدرہ کے لیے تھی آخری تھی۔ یہ حد عمارت نے مونا کے دل کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ابھی وہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

"مال میں سدرہ کو اپنی عیدیں رکھا کر آئی۔"

مال نے مونا کے چہرے پر کیلے خوشی کے سچے رنگ کو دیکھا اور طمانیت سے مسکرائی تھی۔ اور مونا اپنی عیدیں سنبھالے سدرہ کے گھر کی جانب چل دی تھی۔

☆☆☆☆

تینوں نے بھی گردن گھما کے پیچھے والے ٹیکل کی طرف دیکھا۔ اس کا لڑا اور لڑی بالکل ساتھ جو کہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اس کی نظر ان کے ہاتھوں پہ پڑی۔ ان کے ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کے ہاتھ میں چسٹ تھیں۔ اور دوسرے ہاتھ سے لڑا اس کی لڑی کو کھانا کھلا رہا تھا۔ وہ لڑی اس کے ہاتھ سے پیچھے لے لے اس لڑکے کو کھانا لے گئی تھی۔ وہ بھی اپنی گردن واپس موڑنے ہی لگا تھا کہ اس کی نظر اس کی لڑی کے نظر آتے چہرے پہ پڑی۔ ڈرامی ذرا اس کے چہرے کی ایک سائیڈ نظر آئی تھی۔ اور اس ایک سائیڈ نے ہی اسے بیٹھوں میں کر دیا تھا۔ اس کے گردن کے پیچھے دھاکے ہوئے گئے تھے۔

اس کا دل کر رہا تھا زمین کینے اور وہ اس میں سا جانے ساتھ بیٹھے رہا۔ کچھ گھڑنے پہ اس نے اپنی گردن سیڑھی کی۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہی سب سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔ اس نے ان سے نظریں پھراتے ہوئے ٹیکل پہ دیکھا تو ڈر کھانا لگے جا بھی چکا تھا اُسے خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ اگر خاموش میں ہوتا تو شاید خبر ہو پائی مگر اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ کھانا شروع کیا۔ پہلا ڈرامی علی میں کانٹنے کی طرح جا کے لگا۔ بیٹھے کچھ کے لیے اس نے پانی کا سہارا لیا کہ کھانا کم ہوئے والا تھا۔ جب وہ دونوں ادھر سے جانے کے لیے اُٹھے تو اس کی اس طرف بڑھتے ہوئے کی بنا پہ لڑی اُسے نہیں دیکھ پائی تھی۔ جبکہ اس کے دوستوں نے ان کے اٹھنے پہ ایک دوسرے کو آٹھ مارتے ہوئے بیٹھیاں بھائی تھیں۔ ان کے بیٹھیاں بھانپنے پہ لڑی نے اپنا ٹیکل میز پر رکھنے والا ہاتھ روکتے ہوئے نو کے ان کی طرف دیکھا۔ اس کی پہلی نظر ہی اس لڑکے پہ پڑی۔ وہ ادھر ہی گویا چکر کی ہوئی تھی۔ اپنے ساتھ جو دل لڑکے کے نکارے پہ بے جاں ہوتے جسم کے ساتھ لڑکھارے

ہوئے میز چیاں اترنے لگی۔ وہ لڑکا بے منت دینے کے بعد اُسے اللہ حافظ بول کے اپنی گاڑی پہ بیٹھے ہوئے روانہ ہو گیا۔ اور وہ لڑکی سفید ہوتے رنگ کے ساتھ یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا میں جا کے گھر جانے کے لیے اپنی دین میں بیٹھی۔ اوپر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ لڑکا خاموشی سے تھوڑا سا کھانا زہر مار کرنے کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ اٹھ آیا۔ بے منت کرنے کے بعد وہ باہر نکل آئے۔ دوست غریب اور ادا کرتے مہارکاوہ دیتے ہوئے اپنے کمروں کی طرف روانہ ہو گئے سوائے رضا کے۔ ان کے جانے کے بعد رضا نے اس کی ککر سے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اُس سے کہا۔ یار کوئی بات ہے جو مجھ سے بچتا رہا ہے۔ میں نے جہیں اتار پڑھاں پہلے کی تھی دیکھا۔ اس لڑکے نے مسکراتے ہوئے اسے دل دیا کہ وہ ٹیک ہے۔ میرا دل اچھے اچھے کیلے بیٹھیں مینا۔ اب بھرتی اللہ اللہ۔

رضیا نے جانا پارا۔ رضا نے کہتے ہوئے اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا اور وہ بھی سر جلاتے ہوئے اپنی بائیک شارٹ کرتے روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کا ذہن کئی سال پہلے چلے گیا تھا۔ اسی نے جوالی کی ویڈیو پہ قدم رکھا ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مال اور پہلی بین کی ذہن واداسی اس کے کندھوں پہ آئی پڑی۔ اچھوڑی رہائی کے ساتھ بھی کبھی ساری ساری رات اور بڑھ کر کہ کھر خرچ چلاتا۔ پھر جاب کے ساتھ اور نام کیا کرتا۔ خود بخود وہ لیتا لیکن اپنی بین کی ہر خواہش پوری کرتا اس کی ضد بھی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی۔ یہ ضد بھی پوری کر دی۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی بین بھی کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرے گی۔ جو اس کے لیے شرمندگی کا باعث بنے۔ وہ کسی نلک کام کا بھی سوچے گی نہیں کیونکہ وہ خود جانتی ہے۔ کہ اس کا بھائی صرف اس کے لیے یوں آدمی آدمی رات تک منت کرتا ہے۔ وہ اس کی تنخواہ اتنی بھی نہ کر سکتی ہے

عید پر بکرے کی قربانی

میں ہیں ایک بکرے کی کہانی
ہوا میں پیدا ایسے گھر
خوب کھاتا، پیتا اور دوڑتا
ماں تھی مجھ پہ مہربان
آئی مجھ پہ بھی جوانی
ٹھک ٹھک کر چلے گا میں
زنگی میں اک غلامو آ گیا
جانوروں کے چلنے کا تھا ساں
نئے مالک کے گھر آ گیا
خوب ہوئی میری آؤ بھگت
عید کا تھا گھر میں چرچا
ان کے گھر میں تھی خوشیاں
سنی اک دن بات انسانی
تو کیا میں قربان ہو جاؤں گا
یہ سوچ کر میں سخت گھبرایا
دیکھا خواب میں ماں چہرہ
دے کے قربانی ہو جا سرخرو
کلی آکھ تو سکون پایا
چاہیے گر زنگی میں آسانی

محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

مکالمات نکل

عفت بھٹی

وہ ادھر ادھر سٹاکٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر
اس کی نظر یورو پر پڑی اس نے برتنے کا خطاب نیچے
گرایا اور دکان پر گئے یورو کی طرف بڑھ گئی۔ یورو پر
بلبل حریف میں لکھا تھا سحری بنگالی بیبا، جادو نوٹا اور
کاٹے طرکی کاٹ کے باہر عجیب آپ کے قدموں
میں گھریلو جاتی ساس بہو کے جھگڑے اور دیگر تمام
محاطات کے لیے رجوع کریں۔ رتیہ نہ دکان میں
قدم رکھا بڑبڑوٹے پرانے سے پردے کے پیچھے ایک
کاؤنٹر بنا ہوا تھا جہاں ایک بڑا سا ڈیہ پڑا تھا، ایک
طرف پانی کا ککر اور اس پہ میلا سا گلاس پڑا تھا
کاؤنٹر کے پیچھے گالا جنگ مونا سا آدی سر پہ ٹوپی
بنائے جیٹا تھا، وہ کپڑا آنے والے کو ٹوک دیتا اور ۵۰
کا پیر وصول کر لے دے میں ڈال دیتا۔ رتیہ نے بھی
دو پلے کے پلے سے سزا خرا پانچ سو کا نوٹ نکالا اور
ڈیہ سے ڈال دیا۔ ڈیہ نے آدی سے اس کو پانچ نمبر کا
ٹوک دیا اور ڈیہ کے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھ گئی
۔ ادھر ایسی ہی ایک دکان کے پارٹیشن بنائے گئے تھے
رتیہ نے وہ جہاں آگے گئے جسے میں داخل ہوئی جہاں
چائے کی گریبان لائن میں لگ ہوئی تھیں۔ وہاں دو
گورنر اس ایک مرد بیٹھے اپنی باری کا انتظار کر رہے
تھے۔ گورنر نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا اور پھر اپنی
پاؤں میں مشغول ہو گئیں۔ سردی تو بڑا اپنے موٹیل پہ
تھی۔ کرپ ایک کرپی پہ بیٹھ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی
استے میں کہیں کا دروازہ کھلا اور ایک مرد باہر آیا، پھر
دونوں گورنر اندر چلی گئیں وہ پندرہ منٹ کے بعد
واپس آئیں پھر سردی کی باری تھی۔ رتیہ نے جینی سے
پہلو بدل رہی تھی مگر سے تو وہ جلدی ہی لگی تھی مگر پھر
بھی اسے دیر ہو گئی تھی۔ سرد باہر آیا تو وہ جلدی سے

آن تین لوگوں کا گوارا ہو جاتا تھا۔ اس کا یقین اتنی بے
دردی سے ملتا سیٹ ہوکا اسے بائبل بھی امانت نہیں
تھا۔ وہ لڑکی اس کی بہن تھی۔ اپنی بہن کا اس لڑکے کے
ساتھ بیٹھے والا سطر اس کے ذہن میں پھر تازہ ہوا اور
آسی وقت موڑ مڑنے اس کی ہائیک تیز رفتار دھڑکے سے
چاگر مانی۔

☆☆☆☆

وہ گھر پہنچنے کے بعد گاڑی پریشان نظر آ رہی تھی۔
اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جو بار
اچھا نہیں ہوا۔ وہ پریشان بھائی کے اسے ادھر دیکھ لینے
پہنچیں ہوئی تھی۔ بلکہ اپنے بھائی کی نگاہوں میں نظر آتی
تھی۔ کسی اور اپنے بھائی کے نوٹ جانے کا درد تھا۔ وہ پھر
کے تین بیٹے والے ہو گئے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک گھر
نہیں آتا تھا۔ ماں میں بھی اپنے بیٹے کے آنے کا
انتظار کر رہی تھی۔ جو وہ بیٹے کھانا کھائے آ جائے
تھا۔ اس لیے کوئی نہ کرنے کے لیے اٹھنے لگی کہ باہر سے
آئی ایڈریس کی آواز نے اس کے قدم ادھر ہی پکڑ
لیے۔

ایڈریس کی آواز میں اسے اس لڑکی کا وجود لرز اٹھا
تھا۔ دروازے پہ ہونے والی دھک پہ اس کی بہن
کے احساس سے دروازے کی طرف بڑھی۔ خون آلود
سفید چادر میں لپٹا بے جان و جھونک میں چلی جا رہی
پہنچے ہوئے وہ لوگ چلے گئے۔ اس لڑکی نے بہن
آنکھوں کے ساتھ چہرے سے چادر ہٹائی۔ اس کا سارا
جسم نکلا جھانکا تھا صرف چہرہ ہی تھا۔ چادر ہٹانے کا یہ
حال دیکھ کے فٹن کھارے کر پڑی۔ اس لڑکی نے اپنے
دونوں ہاتھ اپنے سامنے کیے۔ وہ بائبل صاف سے
ادھر ابھی تک خون کا دھبہ نہیں تھا۔ وہ ابھی ہاتھوں سے
چھین مارتے ہوئے اپنے بال توڑنے لگی۔ کیونکہ وہ جانتی
تھی کہ وہ اپنے بھائی کی قاتل ہے۔

☆☆☆☆

کڑی ہوگی اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا وہ خود کو سنبھالتے ہوئے اعتراف ہی غم شام تک ماحول پر برسرِ اریستہ چھائی ہوئی تھی۔ کچھ لمبے بعد اس کی آنکھیں تار بکی بن گئیں کے دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ سامنے ایک تخت پر ایک عمرہ صورت انسان برابرا تھا۔ اس کی گتے میں موٹے دانوں کی ایک مالا تھی۔ انھوں میں رنگ برنگی انگلیاں تھیں سامنے ایک انجینیئر فاروق میں آگ دیک رہی تھی جس میں بنگالی بابا دھتے دھتے کے بعد ڈال رہا تھا بغض میں لوہان اور پھلنے کی سڑا ہونے لگی ہوئی تھی۔ دیوار پر ایک سوکھا ہوا اوراد کی حوا شاہدہ مرثیہ لٹکے ہوئے تھے۔ ایک طرف مرتبان میں سریشی کے سر، پیچھے اور حلق آتشیں دھکی گئیں۔ رقیہ جھپتی ہوئی بابا کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ بابا نے اپنی سرخ نظریں اوپر اٹھائیں اور کوئی آواز نہیں بولا یا ہو کر چاہنے کی اس آواز سے گھر نہ گیا یا پھانسی ہے ہار دیتے بابا کے پاؤں چھوئے اور وہ آواز تو ہو کر بیٹھنے کی بابا میں بہت دیکھاری ہوں ساس اوروند نے میرا جینا تو بھر کر دکھا ہے شوہر مایوس کا آتشا فشاں دیوار ہے کہ ساری کٹلی اس کے ہاتھ پکڑ دیتا ہے۔ بس بابا بی کوئی ایسا بیٹا تھا کہ وہ میرا ہو کر ہے میری دیوانی بھی آپ کے پاس آئی تھی اور اب وہ انگ گھر میں اپنے میاں کے ساتھ رہتی ہوئے پیسے کی کمی رہی ہیں ہے۔ میری بھی اس ساس نندوں سے جان چھڑا دیں۔ رقیہ کے گلے میں حسد اور نفرت انتہائی در سے کچھو رہی۔ بابا نے آنکھیں بند کر لیں اور مراقبہ میں پلے گئے۔ کچھ دیر نہ من میں بیزاری نے غصے کے بعد ایک دم آنکھیں کھول دیں اور غصی غصے میں بولے میری ساس نے تجھ پر جادو کر دیا ہے مگر ہم اس کا تو ذکر کر کے گمراہ نہیں اس پر عمل کرنا۔ جی بابا جی آپ جو کہ وہی ہوگا۔ بابا نے ایک پتلا کالا

دہاں موجود نہیں تھیں۔ اب تو اس کے حواس کم ہونے لگے۔ وہ خاموشی سے اپنے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کی نیند کھل جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جبکہ اس کی سانس چلنے پر تیار کر رہی تھی۔ اس نے چہرہ طرف دیکھا مگر وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ اسلم کی بائیک باہر آ کر کی سلام کے بعد وہ ہاتھ دھو کے ماں کے پاس پہنچا۔ پتہ کھڑے آجیفار۔ رقیہ نے سانس اور پانی لا کر کھا اس دوران اس کی نیند کھل جانے لگی تھی۔ اسلم بھی سو گیا۔ سانس چھوئے چھوئے کام نہ بنائی رہی مگر کسی ملازم میں جانے کا کہہ کر باہر چلی۔ رقیہ کو بول اٹھ رہے تھے کہ وہ رات کا عمل کب سے کرے گی۔ اسلم نکلتی میں شام ہو گئی اسلم نے جانے اور ماس گے سوئے تک وہ خاموش رہی سانس نے ایک دو مرتبہ بچھا تو اس نے ہوں ہاں کمر کھل دیا۔ بائیک تیار ہو گئی کی وہ دے پاؤں باہر چلی آئی قبر تک پہنچی اور بنگالی بابا کا عمل کرنے کے لیے سر ہانے بیٹھ گئی تھانے گئے ستر کے الفاظ دہرا رہے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ بابا کی اسے کی کراہت سنائی وہی وہی دھڑک چپے مڑی۔ کورن غالب اس کی تاک میں تھا اس نے رقیہ کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔ رقیہ نے خود کو چڑھانے کی بہت کوشش کی مگر وہی گرفت کے آگے اس کی ایک تار بکی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا ایک طرف بے مکان میں لے گیا۔ اب رقیہ کو احساس ہوا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔ کورن باہر سے تالا لگا کر غائب ہو گیا۔ رقیہ اب اپنے کچے پچھتاری تھی۔ ایک گھنٹے بعد قدموں کی چاب سنائی دی اور تالے میں چابی گھومتی کی آواز آئی۔ رقیہ ڈر کے مارے سمٹ کے چھپنے کی کمرے میں ایک چار پائی کے علاوہ کچھ نہ تھا کورن کے ساتھ بابا بنگالی کو دیکھ کر رقیہ دنگ رہ گئی۔ بھراس کے ذہن میں آیا کہ بابا اسے چا سکے۔ وہ بابا کے قدموں سے لپٹ

☆☆☆

کائنات کی کشتی

عامر زمان عامر

زندگی ہر قدم ایک نیا امتحان ہے۔

حالات بھی ایک سے نہیں رہتے ضرورت اس

بات کی ہے کہ جن رشتوں کو ہم دل و جان سے اپنا

مان بیٹھے ہیں وہ ہر قدم پر ہمارے ساتھ نکلتے رہیں۔

ایک قسمت کے مارے کی کتھا جو حالات کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔



ہر سے بچنا کا قصہ ہے

ہر اپنی اپنی کہانی ہے

کہانی سچ اگلی ہے

کسی نہالی سی اک خوبصورت شام کے ڈھلتے ہوئے سامنے

کے آئینہ میں

گنجب کی اک حاضرت پر

میں اپنے دوستوں یا رول سے یونہی ہے سب ناراض ہو کر گھر

کو لوٹتا تھا

تو ایسے مرے بابائے مجھ کو گھوٹیں لے کر کہا تھا:

اُسے مرے بیٹے!

یہ جیون ہے گلوں کی ساج مت سمجھو

چتا کٹ نہیں سکتا

غول خوشیوں کے گھر مٹ میں

مرے بابائے ہونٹوں پر ہوشہ اک تسمہ نقش کرتا تھا

مگر کیا!

کسان بارعب آنکھوں میں یہ آنسو کیوں نکل آتے

ہمیں ایک سو اسی کروڑ کی رقم ملے گی۔

یہاں سے لے کر اپنے پرانے دوستوں اور اچانک اس

وہ اپنے گھر میں آئے اور

5

"فطار آج کو تہارے گھر کی چوکت پر تہارا بڑا بھائی
سولی بن کے آیا ہے، خون کے رشتوں پر زبان ہوتا ہے
اپنے ہی اہل دل کا درد کھینکتے ہیں اس لیے ہم امید کرتا ہوں
میری پریشانی کا حل تہارے پاس ضرور ہوگا؟"

"بھائی صاحب میں سمجھا نہیں آئی آخر کہا کیا چاہتے
ہیں؟ کیوں مجھے نرمندہ رو رہے ہیں آپ میرے صرف
بڑے بھائی ہی نہیں میرے باپ کی جگہ پر بھی ہیں آپ کی ہر
بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے؟"

"فطار میری طبیعت دان ہیں خراب ہوتی جا رہی ہے، میرے
بیٹوں کے کثرتِ تم سے ڈھکے چھپتے نہیں، سانسوں کا کوئی
بجور نہیں ہے آج اپنی سچی طبیعت اجاگر ہوئی ہے آپ کو
سوچنے آیا ہوں اپنی اگلی نئی خوشی کو تہارا ہی ہونا ہے کیا
ہوں؟"

"میں چاہتا ہوں اس سے پہلے کہ مرنسوں کی ملاوٹ باہر سے
اسے تم اپنی بیٹی کا لونا مل کر پہلی مکمل ہو سکے۔ فاضل بھی
اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا ہے کبھی جلدی ہو سکے ان دونوں کی
شادی ہو جائے ورنہ مجھے بھانجروں کے کارناموں کی وجہ سے
اسے کوئی نہیں اچانکے گا، بس یہی خبروں راست مجھے نہیں کی
طرح کھائے جا رہی ہے؟"

"یہ کہتے ہوئے سہرا کا بیٹا بڑا ہوا تو اس کی آنکھوں سے بے
انتہا آنسو نکلتے گئے۔"

"فطار کوئین کو تم اسی طرح کہتے ہو کہی انا اور فاضل وہ
لڑکی ہے کہیں ڈر کے کتھن میرے لڑ بھائی کے لئے
کی سزا اس مصمم کو تھکاتا بڑے میری آنکھیں بند ہونے
کے بعد کبھی باپ کی دہلیز پر بیٹھنے اس کے ہاؤس میں سفیدی
ناظر سے تہارا اس بارے کیا کہتا ہے۔۔۔؟"

"اگر تم میرے بیٹے کی کوئین کو اپنی دہلیز کا لونا تو میرے من
سے بڑھتا جائے گا؟"

"اگر بھائی صاحب کمال کرتے ہیں آپ بھی کوئین صرف
آپ کی ہی بیٹی نہیں ہے مگر کی بات ہے آپ کو گرمند ہونے
کو کوئی ضرورت نہیں آپ جیسا چاہیں گے ایسا ہی ہوگا آپ

"جب چاہیں فاضل کو اپنی بیٹی کا گھر لائے کو تہا ہوں"
"ہمت کھنجر ہمیشہ خوش رو بات کو آگے بڑھانے سے پہلے
ایک ہاتھ فاضل سے بھی اس کی راسے ضرور چبان لیتے تو
اجھا تھا؟"

"بھائی صاحب اس لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور
کیا ہو سکتی ہے۔۔۔ مگر آپ کی سلی کے لئے چلو میں اس سے
بات بھی کروں گا اور بہت جلد آپ کو یہ خوشخبری سناؤں گا اب
آپ مجھے گھر کو گھر جائیے۔"

☆☆☆

"فاضل اور کوئین ایک دوسرے کے ہونے تو دونوں
بھائیوں کے دل کے اکران کی پورے ہو گئے، خوب دھم
دھماکے سے ان کی شادی ہوئی، رشید کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں
تھیں فاضل نے بڑا تھا اس نے فاضل کے ساتھ ساڑھ کا
فرخ بھی ادا کر دیا۔"

"میرے اور رشید بھی ہوت چھوٹے تھے، فاضل اور کوئین
کے بیاہ سے بھی فرخ تھے، سوائے کوئین کے بھائیوں اور
فاضل کے چھوٹے بھائیوں کی فرخ بھی تھی اس کی بیٹی فرخ
جیو کی بیٹی تھی میں چار بیٹی تھی فاضل کی شریک حیات بنے
اسی اسی خوشیاں کا دوا بنے چھوٹے اور بچن سے کی بار دہے
فاضل اور فرخ کی پرکھا جس پر برادری فاضل کی ماں اسے
بیکار نہ دیتی رہی۔"

"تہارے سے بڑھ کر خوش قسمی اور کیا ہو سکتی ہے مگر
اس کی مناسبت موقع دیکھ کر ایک بار میں ذرا فاضل کے لہو
کے کانوں میں یہ بات ڈال دوں تو بہتر ہوگا کیونکہ آخری
فیصلہ تو انہوں نے ہی کرنا ہے۔"

"ہیں کوئی بی جلدی ہے ویسے بھی فرخ ابھی بڑھ رہی ہے
جب تک اس کی بھی پرکھا مکمل ہو جائے گی۔"
ابھی کوئین بھائی کے درمیان یہ بات چل رہی تھی کوئین کے
اوپر رشید کے درمیان سب بچے تھے بھائی فاضل کا مومن منہ
دیکھ رہا گیا۔"

فاضل اور کوئین کی جوڑی کو عزیز و اقارب نے

سر لہا سب رشتہ داروں نے شادی میں بڑھ چڑھ کر شرکت
کی مگر اس کے ہاؤس نے اس رشتے کی شدت پر مخالفت کی
جب بچے تھیں پڑا تو احتجاجا جان کے ساتھ فاضل با بیات کا
اعلان کر دیا۔"

"فاضل نے ماسٹر کے بعد کینسل میں ڈیوٹی نہ کر رکھا تھا،
شادی کے بعد گھر ڈیوٹی نہ داریں گا پھر اس کے کمزور کندھوں
پر پڑا تو اسے قحطی کینسل ملے گئے پھر جگہ جگہ ڈیوٹی
میں ملازمت مل گئی شادی کے تقریباً تین ماہ بعد فاضل کے
والدی صحت خراب ہو گئی طبیعت بگڑتے بگڑتے وہ دوسرے مرگ
پاؤں پر۔"

"فاضل کے لئے وہ وقت کی سختی اس قدر تھی کہ ان کا بڑا
خوش قسمت اور دن رات شقت سے گھر ڈیوٹی نہ داریں گا بڑا
خود اٹھا لیا اس کے بعد کینسل کے لیے طے کر گیا ضرورت
تھی باوجود خوش حال اس کی زندگی نہ کر لیا وہ جس گھر میں رہتے
تھے وہی ان کی کل جائیداد تھی والدی روز بروز بڑھتی ہوئی
بیٹاری کو دیکھ کر مرن اور کوئین کے شہر سے اسے لے کر لپٹا
گھر فرخت کو دیا اور فرخ ایک کرائے کے مکان میں منتقل ہو
گئے وہ اپنے باپ کو بڑے بڑے ہسپتال میں لے گیا
میتھے سے میتھے ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا وہ عیال اس کا
دانی پائی اٹھ چکا تھا رشید ایک نوکرا صاحب کو دنا چھوڑ کر
دارقانی سے چل بسا۔"

"فاضل اور اس کے گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ایک
نی وقت میں دو ڈھم ان کے سامنے آئے اپنا آتشیں اس سے
رہا رشقت بھرا سا بیگ ان کے سر سے ہمیشہ کے لئے اٹھ
گیا اسے چہرہ سوکھپا اندھیرے اور مصائب کے پہاڑ نظر
آ رہے تھے۔"

"غفرتی قتل ہے کہ والدین ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں
رہتے، والدین ایک لڑکا دولت ہیں جس کے چمن گانے کا
دھکے کھاتے نہیں ہوتا یہ وہ عقلمند ہے جس کا کائنات میں
کوئی عدم الہ نہیں والدین کی مفارقت ایشام ہے جو کسی
نہیں خیر تازہ میں میں برقد میں پڑنا کی شوگر کی کھانے سے ہر

رہتا ہے جو انسان کے مرنے کے ساتھ ہی متول قلمی میں دفن
ہوتا ہے، والدین کی ان کی کوئی نہیں پوری کر سکتا۔"

"یہ کون قانون قدرت ہے کہ وہ لذت دور سے آشنا کرتا
ہے تو اس درد کو پہنچے گا صلا طر کا ہے وہ ایک انسان پہ
صرف اتنا ہی پیچھا ڈالتے ہیں جتنی اس میں برداشت کی طاقت
ہوتی ہے یہی اس ذات کا انصاف ہے جس کے سامنے دنیا
کے تمام ماحول ہے بس ہیں۔"

"اس صدمہ نے فاضل جیسے خوش مزاج لڑکے کو دونوں
سایک پختہ انسان کے سانچے میں ڈھال دیا اب وہ محض
ایک بیکار ملازم کا سر اور بھائی نہیں تھا، والد کے رخصت ہونے
کے بعد اس کی اس کا زندگی بڑھتی رہتی، والد کے رخصت ہونے
کا زمانہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا وہ اپنے خاندان کا واحد مکمل تھا
اس نے گھر چیلانے اور اپنی جگہ ڈیوٹی داریں سے عہدہ برآ
ہونے کے لئے اپنے آپ کو بکولے کھل کی طرح دن رات
محنت و لگن کی تھی اور سب کو چھوڑ دیا۔"

"زندگی کے نقشے میں اجات دن رات جھرتے گئے وہ پندرہ
خوش قسمت لوگوں سے آگے بڑھتا گیا اس کا بیٹی شب و روز دونوں
کا شریک تھا قدرت اس پر رحم کیا ہونے کی وہ سوچ بھی نہیں
سکتا تھا کہ کسٹل پر بیٹھنے والے کھوں کے بعد خوشیاں
بھی اس کے گھر نہ مل سکیں گی۔"

"فاضل تیرے بچنے کی بجائے جلدی کر کے آگے گئے۔"
"کوئین سے روز بروز چھوٹے ہی جرنی سے سوال کیا۔"

"کیوں ہی ہماروں کو کھر آنا ہے کیا۔۔۔؟"

"کیا ہم اپنی مرضی سے اپنے گھر بھی نہیں آسکتے جی ہمارا اپنا
گھر ہے ہم جب چاہیں آتے ہیں۔"

"اس نے بڑے پیار سے برآمدے میں اس کے گلے
میں اپنیس ڈالتے ہوئے شہزاد سے کہتے ہوئے اس کی
آنکھوں میں چھانکنا کائنات کا ناموس اور چھوٹوں کی ساری
خوشیوں کے کسی کی حدت میں ڈالتی۔"

"اسے چھوڑ کر دیکھ بھال دے والی نے دیکھ لیا تو
اس نے شر کا آئینہ بند کرتے ہوئے خود کو چھڑانے کے

Primenovels.blogspot.com

ناشتا

ایک میاں کو رات بارہ دھنوں کی محفل میں تاش کھیلنے کی عادت تھی۔ ایک دن حسب معمول رات بارہ دھنوں میں تاش کھیلنے کے بعد صبح چار بجے گھر واپس آئے تو یونی بی بی بھی تھی۔ یونی نے میاں کو بچہ کہا۔

”تجھیں تاش کھیلنے کے سوا میری کوئی کام ہے یا نہیں۔ ساری رات بارہ دھنوں میں گزار دیتے ہو۔“

”میاں چپ چاپ سب سے رہے۔ آخر یونی نے کہا۔ ”اے تم کوئی بچہ کہو۔ آخر ساری رات کے بعد صبح جا رہے کیا کرتے آئے ہو؟“

”ناشتا کرنے کی یونی بلادی ہے جواب ملا۔

”تجھ میں کھانا (مرا بچی)

نہیں ہے مجھے کیا یہ تھا کہ ان کے ساتھ کبھی بھلائی آتی تھی بڑے کی۔

اس کی تمام باتیں بے ہوش ہو کر، فیصلے کے آخری الفاظ اس کے ذہن پر بھروسے کی طرح رہے، جب دھن ختم کرنے کے لئے کاندھات کا پلندہ سامنے رکھ گیا تو کچھ دیر کے لئے اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا۔

”افضل میں سرے اُپار اور رات بارہ دھنوں کے رولاب کہنے سننے کو کچھ بھی نہیں آتی، بچا، تاش طور پر بھی دو گاہوں کی کوٹھی حتیٰ فیصلے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

”مجھ پر بھی تم جیسے بولنے کا موقع تھا تو یہ تم پر ہے مگر وہ نہیں کر سکتے دیکھو ابھی تو تمہارے ساتھ تم نے اعتقاد ہی ہے درختم میں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اصل تو یہ تھا کہ تم جی ان کے ساتھ ملاؤں گے کچھ قید ہوتے اب اس پتہ چھکار دو اور میری نظر اس سیدھے سادے

ایکس نے انکوائری مکمل کرتے ہوئے قائل اس کی طرف بڑھائی۔

یورڈ نے اس کے گذشتہ دو سال کا بیس، واپس جمع کرانے کے علاوہ اس ایک بیورو پرانے اور دو دن کے بعد بنگلہ خانی کرنے کا منصوبہ بھی شریف انسان کے لئے تو جب اور رات ہی کافی تھی اس کے لیکچر پر بھی اس کے نرم کی اپیل کی۔

”سچ کہہ کر آپ جاسیں تو یورڈ کے فیصلے میں میرے لئے کچھ حد تک رعایت کر سکتے ہیں مگر اس شخص پر انسان نے صاف انکار کر دیا اور اسے حقارت سے دھتکارے ہوئے اپنے آپ میں سے باہر نکال دیا۔

اس نے اپنی تمام باتیں بھی اُٹھائی کی مطلوبہ رقم سے پھر بھی کوئی گھر نہیں کچھ دیر پر تھا اس نے دو تیرہ لوٹے پائے دھنوں کے تمام پیسے کاڈز پر رائج میں جمع کر کے رسید لیگسٹ کر کے ایکس کے دفتر ایک کاپی جمع کر کے گھر آیا تو ایک کمرام چاہا تھا۔

میں اس وقتیں میں دھن دھن اور مصروف شہر میں سب کے

جو افضل صاحب نے نہیں کہا“ انہوں نے رات کے بیٹھنے سے پہلے کی طرح بول دیا۔ افضل کو گڑبڑ یاد آیا۔

”یہ جھوٹ ہے۔“ تو جب کیا ہے افضل صاحب۔“ ایسٹن کے بریز فشر مجھ سے بولے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

”جی ہے کہ ان احسان فراموش کو میں نے عمری ضرور کر دیا تھا، میں اس کو دے دے ہوں واپس جا رہے تھے کہ جاتے ہوئے مجھ سے تاش میں ملے تھے انہوں نے کہا۔

”جی، سنی کی دلوں سے مجھ سے ہیں نہیں کوئی کی سخت ضرورت ہے۔“ میں ان کو اپنے پیچھے لے کر گیا انہیں کھانا کھایا اور انہیں کوئی بے گارہی کے ساتھ اس کو اپنے لئے اسٹین کے ساتھ پلے رہا۔

ایکس نے قہر اور نظروں سے ان دونوں کو دیکھا تو وہ افضل کی چٹائی سے صاف ہٹ کر اور سٹائی سے اپنے بیٹان پر ڈالے۔ میں اس کے گھر کا پتہ نہ لگا کر گھر لایا۔

”ہاں آقا بہت جلد کر کے افضل کے کنبے پر بھی بارشوت اور ان کو پیسے دیں۔“ ”مگر وہ میری بولی کو بچا بچا ڈر۔“ ”نیک ہے آقا بہت جلد سے ہو۔“

”ہاں افضل یہ بھی میں نے غلط کہا ہے یا اس کا کوئی جواب ہے تمہارے پاس۔“ ایکس کے تیروں کا رخ ایک بار پھر اس کی طرف تھا۔ قہر کی طرح میری عروں پر بھی تمام گاہیاں اور رات اس کے بے ہوشی کے باوجود اس کے خلاف جارہے تھے، اس نے خود کو بھڑکانے کے لئے ایک آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”یہ بالکل جی ہے کہ میرے کہنے پر ہی اکاؤنٹ لکھنے آئیں پیسے دے دیے مگر خدا گواہ ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے

تیسرے درجے کے ہائیڈروکسیل ہوا جس پر یورڈ کا وقت بڑھتا اور اسے حاضر ہونے کا حکم بدستور تھا مقررہ وقت پر ایسٹن حاضر پیش ہونے کی جیسی کبھی تھی۔

وہ بیٹھے ہوئے دل کے ساتھ ایسٹن میں اس کے گرد گناہ کی سزا جزا کا فیصلہ سننے کے لئے ہاتھ باندھے قیدی بن کر کھڑا تھا اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے ایکس آفری سربراہ میں پر دیکھیں غیر، دستور اخبار پر ایک اسٹنٹ منیجر اور تین فرسٹ پر مشتمل پانچ کی یورڈ تشکیل دیا گیا تھا۔

کاروبار کا آغاز ہوا افضل پر سوائے کی ہو چکا اور دی گئی کئی سال کے عرصے میں ہوتا تھا تو وہ رگڑا رگڑا جاتا تھا ایکس کی کثرت و آواز اس کے دل میں گونج رہی تھی۔

”گنگے پر پانی نہیں مانے گا اور ان تمام دلوں کا اندر۔“ سیکریٹری اسٹنٹ اور ان کا وعدہ ہے افضل کو دیکھتے ہی انہوں نے مصدقہ لپٹائی کی بھٹی گواہی کے ساتھ اس کے مستقبل پر پانی پانی پانی کی دھنوں سے اسے شکت کو غالب کرنا چاہتا تھا ایکس نے افضل کو اشارہ کر دیا۔

”ہاں تو وہ دھن تو اتنا کہ میں سب کچھ پھر دیکھوں گا دلوں سے کیوں اور کہاں سے پڑا تھا؟“

”مہذبیت ختم کر کے واپس جا رہے تھے اسٹنٹ گیت پر تاشی کے دوران لیکچر کی کھینچ لپٹ کر اس پر آ رہے ہوئے ہم پر پڑے گئے۔“

”چھا تمہارے ساتھ اس مشن میں اور ان تاشی سے یا دوسرے الفاظ میں کوئی تہداری سر پر کر رہا تھا۔“ ”جی میں آپ کے منتظر ہوں اخبار میں افضل صاحب ہم۔“

”یہ بڑے چار کران کے حوالے کرتے تھے جن کے بدلے میں کچھ پیسے ملتے تھے۔“ ”یہ سلسلہ سب سے جاری ہے جب سے ہم عمری ہوتے ہیں ہم غریب لوگ ہیں ہر روز گھر میں افضل صاحب نے ہمیں عمری بھی اسی شرط پر دیا تھا کہ ہم ان کے بیات نہیں مانیں گے وہ ہمیں کوئی سے ٹال دے گا تو کسی کے علاوہ ہمارا اور کوئی دلیل نہیں تھا اس نے ہم نے ہماری ہی دیا

برآمدے میں نوٹوں کی قسم کر کے اٹھنے پر دلی تھی کہ تمہیں جانتے دیکھ کر پھر بیٹھ کر اور تمہارے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی تم کو تو اس کے زہر کو تو آرا یاخیز تو وہ ظالم شے ہے جو کانٹوں میں بے سہارے بھی آجاتی ہے مگر جتنا جاگ رہا ہوا ایک ایک کو کیسے تیز آسکتی ہے چلو بیٹا ذخیرہ کرنے کے گارات بہت دینی ہے پلو وکل کے سوچاؤ۔

وہ جی بی بی نے لیٹاں کے الفاظ کو بھی دیکھ کر کانٹوں میں رس کوٹنے لگے۔ گھون کا کٹھ چھاتے اس پر نیند کا گہرا اغار جاری ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

”افضل بھائی تمہارا سامان شور میں سو رہا ہے یہ تمہارا چاہا ہے اس لیے اسے لیٹا ہے یہاں تک کہ کوئی تکلف ہی نہ ہو ضرورت نہیں ہے یہاں جب چاہو آرام سے روکتے ہو، خدا نے چاہا تو بہت جلد تمہارے کسی کوڑی کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔“

بابر اور اس کے گھر والوں نے بڑے غلوں سے اس کا استقبال کیا ان کا پیار اور حسن سلوک دیکھ کر ایک پل کے لئے وہ قہر تو خمد ہو کر گئے انہیں اس گھر میں رہتے ہوئے دو دفعہ گذر گئے تھے ان کو اپنے گھر پر ہاتھ لگا کر دھڑکیاں سے اس گھر میں رہ رہے وہ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھ کر ایک ہی گہر جلد وہاں سے اپنے محل لے گئے ان کے ساتھ خون کا گہرا شہرہ ہو۔

بابر نے کوڑی کے لیے بہت کوشش کی وہ ہر روز اپنے آفس جاتے ہوئے افضل کو دلا سر دے کر جاتا کہ بریشتان مت نہ بہت جلد تمہاری کوڑی کا انتظام کر دیا کہ مگر شام کو جب واپس لوٹا تو افضل کو یہاں سے لے کر دیکھ کر اس کے دہر ضرور ہے اندر نہیں، افضل نے سوچا لیگ تھا اس پر قسمت کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اس نے عجیب اپنے ہاتھوں سے دھڑکے کوچ کا فیصلہ کر لیا۔

”اے مہربانی اور میری بیٹی سیریس یہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔“

☆ ☆ ☆

اس نے لماری سے گھرے نوٹوں کی ایک موٹی گلدی نکال

کے اس طرف بڑھا لی۔

”یہ کدواں بھی ضرورت ہو جاتا۔“

”نہیں بہاں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اے ضرورت ہے پاگل ہے تمہارے لئے نہیں ہے مشکل وقت میں گھر والوں کے کام آئیں گے اب بحث کرو عجیب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔“

افضل کی آنکھ سے چند موٹی ایک کے باہر کے استن پہ کھڑے تھے، وہ اس کے سوا کسی کی اس قدر قہر کا کوڑی چمک چمک کرتی ہوئی کراچی کی حد سے بہت دور لیجائی مگر بابر کے آخری الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

”عجیب بچہ کر لیا پھر ضرور کرنا۔“

”سب کا خیال رکھنا۔“

”گھر مت کرنا۔“

افضل کے ہاتھوں کا بڑی مڑی میں ایک گھر خالی پڑا تھا جو اس نے صفائی کروانے کے لئے سے پہلے ہی تیار کر دیا تھا ایک ہفتے میں بابر نے اپنے گھر کے سامان کو فرنگ کراچی سے مظفر آباد پہنچا دیا وہ ایک باہر بابر کے احسانوں سے خود کو بہت چھٹا محسوس کر رہا تھا۔

انہیں گھر مل جانے سے سر پہلنے کا آزما کر آیا، اسے سر سے زندگی کا آغاز ہو دیا یہاں کراچی کی زندگی کی کرن ان میں جاگ چکی تھی، یہ صرف اس کو بلکہ ہر آدمی ایک کارپوریٹن کوشی میں کوڑی مل گئی محمود میں درامت پیدا ہوئی تو زندگی کی گاڑی نے وقت بچوڑی کچھ دور پہلے کے بعد پھر ایک خطرناک موڑ اٹھایا۔

افضل کولا ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا ایک بار پھر سے مصیبتوں نے اس گھر میں ڈیرے مار لئے یہاں آنے کے بعد ماں کی طبیعت بگڑنے لگی، عدیل اور اس کی کنواں سے تو گھر کا خضرانہ پنبا مشکل گرم ہوتا تھا اس آدمی سے ماں کا علاج ممکن تھا حالات اب اس قدر ہوئے تو شہرام کی پر جانلی کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ پچھلی ماں

☆ ☆ ☆

کے سلاخ کی نظر ہوئی تو عدیل کو اپنی نوکری سے بھی ہاتھ دھو

پڑے۔

افضل کی کنواں سے اس کا سلاخ جاری رہا کچھ دنوں کے لئے اس کی صحت سنبھل گئی جاتی تو پھر وہی حالت گھر میں مسلسل قانون کا سلسلہ لگا جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا چند مہینوں میں نوربت یہاں تک پہنچی کہ ان کا گزر بسر انسانیت کا دور رکھنے والے غیر حضرات کے عملیات پر ہونے لگا تھا پھر وہی دوستوں اور شہرے داروں سے پہلے کے بعد ان کی ضروریات کا خاندان کی دینی نوکری کی رقم سے ہونے لگا۔

افضل نے حالات سے بہت نہ بدلی اور مدت جاری رکھی، کچھ دن بعد ان کے ایک کنبی میں ملازمت مل گئی، گھر کے حالات بھی کافی حد تک سنبھل گئے خوراک سے ماں کا آپریشن باکل مفت ہو گیا، افضل کے بڑے ہاتھوں نے اپنے بیٹے کے لئے تھکا سہا کچھ ہاتھ تو انہوں نے فوراً ہاں کر دی ہاتھوں نے صرف ایک ایک اقسام دیا کر نے میں ان کی مدد کی بلکہ شادی پڑھنے والے تمام اخراجات کی بھی حامی بھر لی۔

خدا نے مریم کی سہولت پر اپنی نعمت سے تو نوازا افضل کو کھڑکی میں ٹھوڑی اور ڈھکی کی کڑی ملازمت بھی اس کی تھکات اور جڑ سے کھٹا دے، کچھ ہی عرصے میں مگر ڈوہچے کو کھٹے کا سہارا بنویم جو پھر سے سکول میں داخل کر دیا گیا سب بچہ بھول گیا۔

مریم کی پیدائش کے بعد نوٹین کا مزاج ان دنوں بدلنے لگا ایک بار پھر شاید قسمت کا ستارہ گردش میں آنے لگا کہ آسمان سے گرا کچھ جڑی اٹکا ”بات بات سے پھٹو، بدلا ہوا اور یہ افضل کی سمجھ سے بالا تر تھا وہ مسلسل گرگٹ کی مانند رنگ بدل رہی تھی، وہ بدلتے ہوئے لہجے کی کہہ جانتے کی کوشش کرتا تو بات اور بگڑ جاتی نوٹین نے ہر اٹھنے سے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا پھر بائیں جانے کے بعد اس سے لیں کوئی خطا ہوئی تھی جس کی اسے اس طرحی دیکھ چھو

☆ ☆ ☆

کے سلاخ کی نظر ہوئی تو عدیل کو اپنی نوکری سے بھی ہاتھ دھو

Primenovels.blogspot.com

☆ ☆ ☆

Primenovels.blogspot.com

پوچھ کر تھک جاتا مگر وہ ایک کان سے سنتی اور دوسرے کان سے نکال دیتی تھی۔ اچانک اس نے شہرام کے سکول پر صاف سے کانٹا لگا کر اٹھلنے لے کر اس کی خوشی کا احترام کیا ماسے بخوشی اجازت دے دیے ہوئے کھڑے۔

"دو ٹیکو سب تو حالات بالکل ٹھیک ہو گئے ہیں مگر میں کوئی بھی پریشانی نہیں ہل کر تم مگر میں بیٹھے ہو یرت کی وجہ سے یا اپنی مرضی سے سکول میں پرانا چاقو ہوتے ہوئے کھنکھنے کو اعتراض نہیں مگر میری تو مرضی بہت چھوٹی ہے نہ ہڈیاں نہیں جھل جائے تو تم شوق سے پر صاف بے چارے جانا"

مجھے تمہارے اجازت مانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کبھی اور نہ ہی میں کسی مشورہ یا نگہ داری ہوں میں نے صرف اپنے فیصلے سے فیصلہ کا گیا ہے۔"

اس نے مجھ پر غصہ کرنے سے پہلے ہی کہا کہ میں کاندھے سے لٹکا یا اور اس کی ہونٹیں سکھ پٹنی کی افضل مال کا اور مال اس کا حیرت سے سنتی ہوئی کہ۔

"بیٹا سائے کتے ہیں اور رت کی مکش مکشوں میں ہوتی ہے تم پریشان مت، تو خود ہی اسے اپنی فطرتی کا احساس ہو جائے گا۔ چارو مری کی فرصت کر میں ہوں تا رہا جاتے کام سے دیر ہو رہی ہے یا یہ اور کچھ۔"

مال کے کہنے پر وہ ٹیکوئی تو آگیا مگر اسے رد کر دیا۔

بات یاد آ رہی تھی کہ وہیں ٹیکو ہو گیا ہے اس نے تو کسی کوئی آواز میں بات بھی نہیں کی تھی اس پر اس کی بیاد سے کا گیا مطلب تھا اس کی کیا سبب ہو سکتی تھی، ہمیں دو گڈ ٹھیکیں کے بھائیوں کی کڑکڑی ہوئی تو نہیں مگر مار کر یا کتے بھڑکے سے بہرور میں اس کی آواز آئی کہ کون جاتا ہو کتے کی بیاد سے اسے اجازت اور نفرت کی یاد آگیا کہ سب کچھ کر دے تو نہیں کے بھائی تو رتوں دل سے ہی اس رشتے سے ناخوش تھے وہ تو ہیں ہی گندی ذہنیت کے جاں، امید کر تو نہیں تو پڑھی لکھی سچی ہوئی سمجھو دھر ہے سمجھو سوچنا چاہیے ہے ہاتھوں سے اپنا ہی گھر کھریں بر باد کرنا چاہتی ہے مال سے اس کا کوئی بھڑکاؤ تو نہیں ہو گیا۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں مال نے تو اسے ہمیشہ ایک بٹی کا یاد دیا ہے نہیں جیسے نہیں ہو سکتی وہ کی بھی نتیجے پہنچ گیا تھا کہ کھڑا گیا۔"

"مال کی فوٹی اور شہرام بھی سکول میں نہیں آئے۔"

اس نے دھڑکھڑکھٹے ہوئے نظر مندی سے پوچھا؟

"نہیں بیٹا شہرام تو سب کا آگیا ہے وہ اور عدل مثلاً بیٹھے گئے ہوں کہ گڑھی کا پچھتوں کہاں ہے؟"

"کیوں وہ نہیں آئے؟ اب تو شام ہونے والی ہے آپ نے پوچھا نہیں شہرام سے کہ اس کی اما کہاں ہے؟"

"نہیں بیٹا میں پوچھا تو نہیں مگر آجائے کی اس نے کہاں جانا ہے ہو سکتا ہے کسی کتے کی گھر کر گئی ہو یا پتے بھائی کے گھر چلی گئی ہو؟ آجائے کی تم سبھ دھولو میں کھانا لاتی ہوں تمہارے لیے۔"

"آؤ کھڑی کھانا کھاؤ۔"

ابھی اس نے نوٹ آواز دیا تھا کہ شہرام اور عدل بھی آگئے۔

"نہیں بیٹا آپ کھانا کھائیے ہو کہ نہیں نی احوال، میں اور چاچو بعد میں کھائیں گے۔"

"بھری۔۔۔"

"بھری پاپی۔"

"بھری آؤ کھائیے آئے ہو، بھر کر کھر کھر رہے ہو۔۔۔"

"نہیں نہیں پاپی۔۔۔ دلی نے کہا کہ کریم کے لئے باز رہے دوڑا دھا۔"

"تمہارا لہا کو سکول سے ابھی تک چھٹی نہیں ہوئی وہ کہاں ہے؟"

"نہیں بیٹا پاپی اما تو چھٹی ہونے سے پہلے ہی سکول سے آگئی تھی شاید ماموں گھر گئی ہوں گی۔"

"تمہارا چاچو۔۔۔ دوڑا دھا۔۔۔ جلدی آتا۔"

"بھڑ۔۔۔"

"تو اس کے کان اس کے بھائیوں نے ہی بھڑے ہیں مطلب یہ اٹھ کر درست نکلا۔"

تھوڑی دیر بعد تو شیمن آگئی وہاں سلام چیکے سے اندر چلی گئی مگر کونج مال کے حوالے کر گئی تھی اس نے اندھی پوچھنا کور کیا کہ کریم کبھی ہے اس کے پچھلکا گیا ہے یا نہیں۔

"تو کبھی میں دوسرے سارا دن میں پکڑتی ہوں، کتنی دیر اورتم واپس میں مت ہو کہ اندر آئی تو جیسے اتنی جی پر دانی نہیں ہے کیا تمہارے پاس اب اتنی فرصت نہیں ہے تم اپنے بچوں پیچھے سے سکول سے ساروں سے سب پچھلک چل رہا ہے قہارے اپنا گھر ہو گیا کیا ہے تمہیں پہلے ہی زندگی رکھوں سے بھری پڑی ہے، پہلے پریشانیں کہ ہیں جو ان میں اور سناؤ کہ رتی ہو تم سے کی کیا اٹھتے تو جانور ہیں جو اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے سب سے شام تک مارے مارے بھڑکے ہیں انکس دھوسوں کی بھیتوں سے بچتے ہیں مانتے ہوئے میرا صبر کیا کوئی سامن ہو جس سے باہر لڑکے یا کتے نہیں شہر خوار ہو گئی ہوں بھول گئی لیکن ان کی بات ہے کہ جس نے تمہیں میرے سمیت بچوں سے بھی دور کر دیا۔"

وہ کچھ نہ بولی اور چپ چاپ بیٹھ کر انکس بڑے کرے لیت گئی وہ بھی مغز ماری کے بعد ہو گیا۔

افضل کی دلوں سے بات کرنے کی کوشش میں تھا مگر مناسب موقع نہیں مل رہا تھا مگر سورے کے کام سے پیش جانا تو شیمن اپنے سکول چلی جاتی اس نے کوئی پوچھ سکتا ہے کسی اسے کیا بات ہے قصہ ہو چلا اور گویا کہ کتے بھڑکے گویا تو اس کو اس کی ریت ہوئی تھی اور فوٹی کو کسی سکول سے بخوشی ہوئی۔

"اتوار صبح کریم کے بیٹے سے اس کی آگ لگ چکی۔"

"مال فوٹی کو کھر سے مری مری سب کتوں دور رہی ہے۔"

روٹی کا گھنٹے پڑے نہیں ہے بیٹا مگر مری بھوئی کے سب سے آگ سے شہرام بھی لگتا ہے ابھی سورہا ہے تم ہی جا کر کریم کے لئے دوڑا دھا۔۔۔ آتے دوڑا دھا۔۔۔ تو کاتو چیپ ہو گئی۔

کریم کو دوڑا دھا تو وہ دلی کی گود میں پر سکون ہو گئی، افضل کو ایک سروری کام سے کہیں جانا تھا مگر وہیں کسی کیونگ دوڑی کی تاڑ میں بیٹھا تھا کہ آج تو بات ہو گئے کہ رے کیس کی بارش ہوئی ہے پتے پھلے ہو جائے یہ تو ہاتھ سے لگتی بارش ہے

اب سب کچھ براداشت سے باہر ہوتا جا رہا ہے دھری اور عدل کھینچے چلے گئے سب سے شام ہو گئی افضل کی اسی مری کو کر اس کے ماموں گھر چلی گئی وہاں انکس میں چند کر مانی اخبار کے کٹلوں سے اُنس دل بھلانے کا شام کے سائے قد آدم کی طرح بھیل بھیل مگر ابھی اندھیرا پوری طرح نہیں چھا تھا فوٹی دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی افضل کو کہنے کے باوجود وہ بے حرکت آگے بڑھ گئی، گویا اس کا گھر میں ہونا وہ اس کے لئے کوئی نہیں تھی رکنا تھا۔

"غیر۔۔۔"

اس نے فطرتی اور کھر بڑے ہوئے قدم روک لئے اور پشت کر کے کھڑی ہو گئی کھڑے کچھ نہ بولی۔

"کہاں سے آ رہی ہو۔"

وہ دروازہ ناخوشی سے۔

"کہاں تھی سارا دن اتوار کو کون مل گیا سکول میں کیا ہے تمہارے باپ کا جیسا معاملہ میرے سہلی میں۔"

"تم سے مطلب۔۔۔"

سوال تو ایسے کر رہے ہو جیسے میں تمہاری فوٹی کر رہی ہوں پر قدم تم سے پوچھ کر اٹھاؤں۔۔۔ تمہارے کتے اٹھاؤں پتا چلے بر بات تجھے تاڑوں کہ کیا تمہاری فوٹی غلام ہوں۔"

تو شیمن اندھیر پٹنی کی افضل اس کے پہر آنے کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہا نہ اتنی تو وہ سے جتنا ہوا اس کے بیٹے کرے میں چلا گیا ان کی فوٹی کے تھیل کر کے رام سے پہلے لیٹ کر افضل کی فوٹی کے پیچھے کے اس کے بدلے ہوئے کھینکے کا ہاتھ لینے کا۔

"تو کچھ شیمن میں تمہارا ہوں کہ کوئی دشمن نہیں ہوں، دو کھ کھ کا سائی ہوں، اٹھو برے کا دھار ہوں اور ازرواد حق سے تمہارا مزاجی خدا ہوں تم سے پوچھنے پوچھا حق رکھتا ہوں کہ تم کہاں چالی ہو کہاں سے آئی ہو کیا کرنی ہو کچھ ہوں سے غیر معمولی تھی مگر کچھ ہوں آج کل کتنا دھمکس مجھ سے یا مال میں سے کوئی شک ہے جس طرح تم بات کر رہی ہو یہ

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے"

"نہیں رکھ لیجئے ہم اپنی خوشی سے دے رہے ہیں اس چائے پانی سے۔۔۔"

دونوں کے سر پر بے ہوش مگر مضمحل کپڑوں کی جیب میں خوشی لپہ انہوں نے عدل کو ساری بات سمجھائی کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں رات جیسے تیسے گزار لوں گی صبح مجسٹریٹ کی عدالت ہے تمہاری ضمانت دو جاوے گی، افضل نے اسے باہر سے کھانا ڈاکو اور پولی کو دے کر کھلے گئے۔

افضل نے گھر میں قدم رکھا تو دن دوڑانے کے پاس ہی کھڑی تھی میری اس کی گود میں رہتی تھی اس میں بلی کے دو قطرہ کینے کا بھی کھسکنا تھا اس کا لپکا لپکا کمرہ کھانے میں اور بلی اضافہ ہو گیا شہر نے بے ہوش کھانا کھا کر لوہے پر تو شین کی پریشانی، الگ ہونے کا جی بڑا تھا اس کی رات ہو گئی تھی مردہ کی جگہ تک پہنچی تھی جیسا کہ آئے کی امید ہم توڑی تو افضل نے اسے کہا

"میں جی سر ہم کو پھر میں فدا تو شین کو دیکھتا ہوں۔۔۔ ابھی تک نہیں آئی ہے"

"چپا کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ نہیں آئے گی اب اگر ابھی بھی تو ہم اسے اس گھر میں نہ رہنے دے گا، وہ بھی اسے ماموں کے ساتھ ہی ہوئی ہے، ابی کی جگہ چاہتا تھا میں بند ہے۔"

شیرام نے افضل کو بار بار سے منع کر دیا

"ہاں شیرام! تم ٹھیک کہہ رہا ہے، وہ چلا جائے عدالت کے بعد کہاں اس کی آپ"

اس نے بھی شہر کی بلی میں ہل ہلائی دیکھ اور انتظار کی سوئی بے لگے رات پچوں میں گزرتی رہی سو بے افضل کا ماموں اسے لینے آ گیا عدل کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کرنے سے پہلے انہوں نے وکیل کا انتظام کر لیا وکیل نے ضمانت کے کاغذ بھی تیار کر لئے تھے، وچس ہو تے ہی مجسٹریٹ نے عدل کی ضمانت منظور کر لی۔

"مجھے کچھ ضروری کام ہے تم عدل کو لے کر گھر جاؤ میں شام تک اس کو جان بآئیں گھر ہوں گی"

ایک خوشی آئی تو ایک نئی مصیبت جاگ میں۔۔۔ عدل کے گھر آتے ہی نئی پریشانی پھیل گئی تھی ان کے سواک کے لئے کھڑی تھی گھر پہنچنے سے پہلے عدالت کی طرف سے ملاقات کو اس میں وصول کرنا بھی تھا۔

"ہیٹا نہیں تو سے ملاقات لینا چاہتی ہے"

اس نے فحش افضل کو دیتے ہوئے کہا "یک خلد نہ وہ خلد" عدل کے گھر آئے کی ساری خوشی پھر میری میں بدل گئی افضل کی سوچ کے تمام دروازے بند ہو گئے، جتنی بھی سلجھانے کی کوشش کرتا تھے معاملات اور اچھے جاتے۔

افضل بنیاد کر کہ ہمارے نصیب میں شاید تم ہی نہیں۔"

ایک پریشانی نہیں ہوئی تو دوسری شروع ہو گئی تو عدل کی کچھ گورنری کر رہے تھے۔

افضل نے کہا تھا کہ ان کو اس ماموں کو بی پر ہونے والی قیامت سے آگاہ کرنا۔

"میں اب بھی کہ درمیان بھڑکی بعد اچھے جگہ تو ہو جاتی ہے مگر نوبت یہاں تک آئی اور تم مجھے بتایا نہیں کمال کرتے ہو اس کا مطلب عدل کے گھر میں پسند اور شین کے کہنے ہے

ڈاکو کیا کیا ہو گیا ہے اس کا راستہ ڈاکو"

"اس کا وہ نہیں پتا، پھر ان کو سے بدلہ دے گا ہمارے وہ چلے گئے فورٹ

اس حد تک گھر آئے کی میرے مکان میں بھی تھا، یہ تو سکول جانے کے بعد اس کے بچوں مل کر سنا ہے"

افضل نے ساری بات اب میری سمجھ میں آئی تم فورٹ کر دو کچھ کہنا ہوں۔۔۔"

اس دن کے بعد وہ سکول کوئی خیر اور دیکھ کر بچی بھائی کے گھر تک کے وہ بھی کچھ سے بعد فورٹ پر انہیں کشاف ہوا شیرام جس سکول میں پرستہ تھا اس سکول کے پرنسپل کے مشتق میں گرفتار اور تو شین نے باقاعدہ ملاقات کا تقاضا کر دیا، افضل کے ماموں کو کلام اور اس نے کہا کہ چلو شہرام کے سکول چلے ہیں افضل نے کوئی تیار نہ تھا۔

"ماموں! وہ ہے چاہیے کہ کسی کا نہیں اس گھنیا صورت کے ساتھ اب تو اور ممکن نہیں ہے جب وہ کھانا بھی پتر ہی

آئی تو پرنسپل سے ملے بیانات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے"

مردہ تھا خدا کرئیں میں بات کروں گا تم ایک بار مجھے لے کر تو چلو، ماموں کے صبر اس کے افضل نے بھی اختیار ڈال دے، وہ دونوں پرنسپل سے ملے شہرام کے سکول آگئے۔

"حق ہے تو تم ایک شریف انسان ہو، پڑھ لکھے ہوئے ہیں ہے وار گئے ہو یہ افضل ہے تو شین کا شہر جو تمہارے سکول

میں پڑھانے آئی ہے"

افضل کے ماموں نے بغیر کسی ترمیم کے مدعا بیان کیا۔

"جی میں جانتا ہوں تو شین پڑھانے آئی نہیں" آئی تھی۔۔۔

"ہاں! اس کا بیٹا میرے سکول میں پڑھنے ضرور آتا ہے"

پرنسپل نے بھی مختصر جواب دیا۔

"شہرام کے علاوہ افضل کی ایک بیٹی شام والی ہے سنا ہے وہ بدلتے تھا ہمارے بچہ میں اسے بچپن کو چھوڑ کر افضل سے

ملاقات کا تقاضا کر رہی ہے، بیٹا کو تو یہ بھی مستند ہونا کارا ہے تمہاری وجہ سے اس کا ہوتا ہے کہ وہ خود جانے گا اس کے بچوں اور بڑوں کی ماں کی فحشیں کے بعد ان میں رہے

ہو تم دوسروں میں مل کر تو شین پڑھانے ہو پھر ان کی زندگی میں کیوں اندھیرے سے بھرا ہے تو شین کے کام کو جو بچے خون

اپنے بچوں کے ساتھ دیکھ کر کہ سکتی ہے وہ تمہارے ساتھ کیا کرنا کہ سکتی

"آپ کو یوں کو بہت بڑی لگائی ہوئی ہے بھائی میں شادی شدہ ہوں اور فورٹ سے میرے چاہتے ہیں، میں نہیں پاتا کہ

افضل اور تو شین کے درمیان کیا بات ہے اور آپ تو یوں کے گھر کا معاملہ ہے لہذا کوئی بات نہیں تو شین کا ہمارے سکول

میں پڑھانے کا ہرگز مطلب نہیں کہ آپ کوئی بھی اہرام لگا میں کہ میرا آپ کو کبھی مشورہ ہے کہ اپنے گھر کے مسائل

اپنے ہی کی چار دیواری میں ہی رکھیں فعل سے تو آپ بھی مجھ وار اور ایک پتہ سوچ کے مالک گئے ہیں اور باتیں کسی کر رہے ہیں"

اس جواب کے بعد مزید پرنسپل سے کوئی سوال کرنا پڑا

یہی باکل

ٹھیک ہے تم نے فیصلہ کر لیا تو میں تمہیں متنب نہیں کروں گا اور

یہی نہ پڑھا چھپانے کے مترادف تھا، افضل کے ماموں نے ایک نیا منصوبہ بنایا وہ تو شین سے رابطے کی کوشش کرنے کا افضل نے پھر ماموں کو منع کیا۔

"اب انہوں میں تل جاشاں کی بیوی ہے ماموں اصل میں ساری فحش میری ہے اسے غیرت کو سمجھنے میں مجھے سے لگتی ہوگی وہ غیرتی کی راہ چلے گئے اتنی دور بگلی گئی ہے کہ اس کی داہمیں نہیں، میرا فیصلہ ہے کہ میرے عروہ کے کھانے

سے کوئی فائدہ نہیں، بیٹی والوں اس پسند میں ہی ڈاکو کرنا ہے ہی بہتر ہوگا، میرے بچوں کا اللہ مالک ہے۔۔۔ بھلا انھوں دیکھا ہرگز نہ کھاتا ہے"

افضل نے بہت سی بات سے اس میں اتفاق کرتا ہوں گے میں اسے اتنا بھی بخوش نہیں ہوں میں اس ایک بار اس کے گھر اس کے

منہ سے اس کی رائے بیان کرنا چاہتا ہوں پھر اس کے بعد ہی ہوگا جو تم کو بے ہوش کرے کوئی انسان روتے آئے ایک بار

کوشش کرنے میں کوئی ترغیب نہیں

ماموں نے تو شین کے کہ تو شین سے ملاقات کی وہ اپنے بھائی کے ساتھ عدالت میں آئی ہوئی تھی اس نے بہت گریہ و

گھراں کا فیصلہ تھا اور اسے کوئی بچہ دایہ نہیں تھا اپنی بات سے قانع نہیں اس نے پڑھانے کا مطالبہ کیا کہ وہ افضل

کا ساتھ دینا چاہتی ہے حال میں پرنسپل کا معاملہ کرنا چاہتی ہے ساتھ ہی اس بات کا بھی اثر کر لیا کہ اس کو افضل

سے کسی بات کا گھٹنیں ہے اس کا فیصلہ ہے اس نے صاف کہا کہ وہ افضل کو چھوڑ کر پرنسپل شہرام کے ساتھ شادی کرنا

چاہتی ہے اب اس کا فیصلہ کوئی بھی نہیں بدل سکا وہ خود بھی نہیں بدل سکتی اور نہ ہی وغیرہ ہے،

"ہو بہ۔۔۔ تو تو شین افضل سے چھٹکارا چاہے وہ بھی جلد سے عدالت کی بھی قیمت ہے۔۔۔"

افضل کے ماموں نے کہاں بھی کچھ کرنا ہو مجھ کے بات دہرائی

یہی باکل

ٹھیک ہے تم نے فیصلہ کر لیا تو میں تمہیں متنب نہیں کروں گا اور

یہی باکل

ٹھیک ہے تم نے فیصلہ کر لیا تو میں تمہیں متنب نہیں کروں گا اور

یہی باکل

ٹھیک ہے تم نے فیصلہ کر لیا تو میں تمہیں متنب نہیں کروں گا اور

یہی باکل

ٹھیک ہے تم نے فیصلہ کر لیا تو میں تمہیں متنب نہیں کروں گا اور

دنیا رنگ و نور

فلم انڈسٹری کی مایہ ناز اداکارہ..... بارہ شریف

پاکستان کی فلمی تاریخ میں یوں تو کئی ہیروئینیں آئیں جو کہ صرف بڑی سکرین پر اپنی جادو تاب کو قائم رکھ سکیں مگر ماضی کی اداکارہ بارہ شریف ایسی فنکارہ ہے جس نے بڑی سکرین کے ساتھ ساتھ چھوٹی سکرین پر بھی اپنے فن کا لوہا منوایا۔

بارہ شریف کی تاریخ پیدائش 17 مارچ 1954ء ہے۔ بارہ نے ملائکہ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بعد بارہ شریف نے فلمی دہان پر کئی ڈرامے کئے مگر وہ بہت شہرت ڈرامہ گرن کی فلمی تھا جس میں بارہ شریف نے سائیز رول ادا کیا تھا۔ بارہ شریف ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی سکرین کے چنگیزی بھی بارہ

شریف کو سونپی جیسے نے اپنی پہلی فلم ایک اور ایک گیارہ میں کاسٹ کیا تھا۔ لیکن عمومی قسمت یہ فلم ریٹرن نہ ہو سکی مگر بارہ شریف کا اس فلم سے فلمی سفر شروع ہو گیا۔ بارہ شریف کی قسمت نے ساتھ ہی ایک بیک شیم آرام نے انہیں اپنی فلم ”بھول“ میں کاسٹ کر لیا۔ شیم آرام نے بارہ شریف کے اندر ایسی جگہیں کھولی فنکارہ دیکھ کر انہیں اپنی فلم میں کاسٹ کیا تھا۔ جول 1974ء میں ریلیز ہوئی تھی بھول کے بعد بارہ شریف کی دو اور

1975ء میں بارہ شریف کی چار فلمیں پردہ سکرین پر ریلیز ہوئیں۔ نوکر، معصوم، اپنی اور شاہب کراؤٹی کی میرا نام ہے محبت..... فلم میرا نام ہے محبت سے بارہ شریف کو بہت اچھا پاس ملا۔ 1976ء بارہ شریف کے لئے بہت خوش قسمت سال ثابت ہوا کیونکہ اس سال بارہ شریف کی اردو اور پنجابی زبان میں بارہ فلمیں ریلیز ہوئیں۔ جن میں

خاص فلموں کے نام کچھ ہیں۔ انج تازہ خبر اور چوران مومور۔ انسانیت، آنسو اور شعلہ ان فلموں میں بارہ شریف نے ہر طرح سے کردار ادا کئے تھے۔ 1977ء میں بارہ شریف کی 9 فلمیں ریلیز ہوئیں۔ بچی، انسان، مہمان، عیار کا ودھ اور اسی طرح 1978ء میں 10 فلمیں ریلیز ہوئیں۔ دشمن کی تلاش، کورا کا کتھہ، برن اور زدن کی قاتل ذکر قلمیں ہیں۔ بارہ شریف نے مزاحیہ



BABRA SHARIF

اداکاری کے جوہر بھی کئی فلموں میں دکھائے۔ بارہ شریف نے اپنے چھوٹے فن کو بھی اُسے نہ آنے دیا بلکہ جو بھی کردار ملا بارہ شریف نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ اس کردار کو محراب اور بڑا بھاری ڈیمانڈ کے مطابق اداکاری کے جوہر دکھائے۔ بارہ شریف نے 1989ء میں فلم لیدی کاٹھو میں بہترین پرفارمنس دی تھی جس کی وجہ سے اسے کئی ایکشن فلموں میں کام کرنے آفر ہوئی تھی۔ بارہ شریف نے ایک سائنس فکشن فلم جانی میں بھی کام کیا تھا۔ دوسری کی فنکاروں کی طرح بارہ شریف نے ایک فلمی ہیرو سے شادی کی مگر پھر طلاق ہو گئی تھی۔

بارہ شریف نے 1993ء میں ایک اردو اور پنجابی فلم میں کام کیا جس کا زمانہ تھا فلم زبانا جس میں سلطان راہی مرحوم کے علاوہ آصف خان نے بھی کام کیا تھا یہ بہت یادگار اور لاڈل فلم تھی۔ بارہ شریف کی ایک اور فلم جو کہ پنجابی زبان میں لیمن کجھی دوہی بارہ شریف کی یادگار فلموں میں ایک فلم تھی۔ دیکھتے تو بارہ شریف کے کریڈٹ پر بہت ساری فلمیں ہیں اور انہوں نے فلم انڈسٹری میں کافی جھلک چھائی تھا۔ مگر جدیت کار حسن عسکری کی فلم ملائیں ہم سیکر

شہرت کی حامل فلم تھی۔ فلم انہیں میں حسن عسکری نے بارہ شریف کو ملا، بچی اور کال کرل کے علاوہ بڑی کا کردار دیا تھا۔ حالانکہ یہ سب بہت مشکل کردار ہیں۔ مگر بارہ شریف نے بہت عمدہ طریقے سے یہ کردار ادا کئے تھے۔ شائقین کو بارہ شریف کے یہ اداکاری کردار آج بھی یاد ہوں گے۔ زمانہ عروج میں بارہ شریف کو دلپ کمار کے ساتھ کام کرنے کی آفر ہوئی تھی۔ مگر بارہ شریف نے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت قوانین بہت سخت تھے کہ اگر وہ کبھی جی کہ ہندوستان جاسے گی انہیں اجازت نہیں ملے گی۔

بارہ شریف کی فلم انہیں میں کس بندہ ہونے والی فلم میرا نام ہے محبت بہت ریلیز ہوئی تو بارہ شریف کا مجسمہ چین میں سب کیا گیا تھا بارہ شریف نے 1997ء میں آخری فلم گھاس میں کام کیا تھا بارہ شریف نے 23 سال تک تقریباً 150 فلموں میں کام کیا۔ اس نے 8 دھندہ گاروارا حاصل کئے کامیاب فلموں میں میرا نام ہے محبت، عیار کا ودھ، منزل، میرے بتا کیا جینا..... ملائیں ہم زاناد سے شامل ہیں۔ بارہ شریف کا کہنا ہے کسی ایسے کردار کی آفر ملی تو اب بھی ضرور کام کروں گی۔

☆☆☆☆

رنگ خیال

غزل

یہ دنیا کو بتلا جاؤ نا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا کہ تھا ہے عید کے دن بھی بلوچ!
یہ تہائی نا جاؤ نا ہے عید آئی ہے
﴿متحدہ احمد بلوچ، میاں خانوں﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

کہہ میں ہے بھرا ہوا سامان وغیرہ
نکدہ، خوبصورت، گلابیں، گل و گھدبان وغیرہ
ان میں سے کوئی اجڑ میں لداؤ کو آئے
جن، دلی، پری، خضر یا لقمان وغیرہ
تو آئے تو غمزدگی میں پائندہ کے تجھے دے دوں
دل، جان، نظارہ، سوچ یہ ایمان وغیرہ
بس عشق کے سرگدے سے ذرا خوفزدہ ہوں
جھلکا ہے دیکھ تو بہت نقصان وغیرہ
﴿ایک نیکواری، جنگل﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

آسمانوں پہ کوئی چاہئے والا تھا مرا
اسی باعث تو ہر اک سہت اچالا تھا مرا
میری خواہش تھی کہ میں تجھ کو پکاروں لیکن
اس گلی میں بھی کوئی جاننے والا تھا مرا
فائدہ خاک ہوا عشق کی مزدوری میں
یہی کافی ہے کہ اک درد حوالہ تھا مرا
مجھڑ ہے بھی ہوا ترک محبت کے بعد
اس نے محفل میں بہت نام اچالا تھا مرا

ہاتھ رکھو، میںیں اداسی ہے
یہ مرا دل نہیں، اداسی ہے
ابتدا میں تو اتنا خوش مت ہو
مجھ میں آگے کہیں اداسی ہے
تو بھی اتنا نہیں ترسنا
جتنی دل کی قربت اداسی ہے
دیکھ اس شخص کو ہمارے طرف
وکیجہ اس شخص اداسی ہے
اس پہ غصہ خوشی نہ سہیے گا
میرے دل کی زمیں اداسی ہے
رج و رشت تو بعد کے ہیں گماں
میرا پہلا بیٹیں اداسی ہے
آنکھ کی چوڑیاں ہوا کا بیل
شام یا صبحیں اداسی ہے
تم اداسی کو کچھ کہتے ہو
میں جہاں ہوں وہیں اداسی ہے

﴿شہزاد میر﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

اسے کہنا کہ لوٹ آؤ نا ہے عید آئی ہے
اک بار تو آ کے ل جاؤ نا ہے عید آئی ہے
بن تیرے بہت عیدیں گزاری ہیں
اس بار تو بٹنے آ جاؤ نا ہے عید آئی ہے
اسے کہنا چدائی سے محبت کم نہیں ہوئی!

میں شاید آج بہت غیر کسی اس کے لیے
جس کے ہونٹوں پہ کئی سال مقالہ تھا مرا
﴿شاد سلیم، احسن ابدال﴾

♥♥♥♥♥♥♥

اپنوں سے شکایت

اپنوں کے رویوں سے گمراہیوں میں
بھری بزم میں تیارہ کیا ہوں میں
بے درد زمانہ اپنوں کی بے فنی
اس زندگی سے آگاہ کیا ہوں میں
یہاں الفت کا جواب نفرت
غلطی کے بدلے ہی ہے عداوت
قدم قدم پر پیش شو کریں مگر میری نہ سہی
کیا جس پر بھی مجھ پر وسوسہ ہی دھوکہ دے گیا
ہر ایک نے ہمارے اتحاد کا توں کر دیا
اپنوں نے کیوں ایسا کیا؟
ہم تو ہمیشہ مل جل کر کی ہمارے ہر دیکھ کے سامنے
پھر ہمیں ایسی سونا تھی؟
ایسی اجھڑی زندگی تھی؟

﴿سر سحریت غفار، کراچی﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

نہ جانے لوگ محبت کرتے کیوں ہیں
آنکھوں کے راستے دل میں اترتے کیوں ہیں
اپنا بنا کے کیوں چھوڑ جاتے ہیں
اپنی یادیں پنہون میں بھرتے کیوں ہیں
ہو جائے جس سے پیار وہی پیارا لگے
تجانبے عشق میں عاشق سزا کرتے کیوں ہیں
مہم کیوں ہوتا ہے ساتھ بیٹھے مرنے کا
تجانبے دو دل میں کے چھڑتے کیوں ہیں

قلب و نظر پہ کیوں خوف سا چھا جاتا ہے
آصف کرتے ہیں جو پیار وہ ڈرتے کیوں ہیں
﴿نثار اللہ آصف، آدمی کوٹ﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

کبھی اس دل میں حسرت جھانکتی ہے
کبھی آنکھوں میں حیرت جھانکتی ہے
کبھی حسن طلب ہوتا ہے دل میں
کبھی سینے میں نفرت جھانکتی ہے
نہیں ہوتی کبھی تیری ضرورت
کبھی حسب ضرورت جھانکتی ہے
بلور نائل ان آنکھوں میں دیکھو
بصارت میں بہت جھانکتی ہے
تجھے فن سے نہیں ہے کوئی نسبت
تیرے لفظوں میں شہت جھانکتی ہے
اگر دیکھیں تو ان کی دوستی میں
عداوت ہی عداوت جھانکتی ہے
ندیم خوشنور! شعریں میں تیرے
حقیقت! درحقیقت جھانکتی ہے
﴿پارس ندم نیازی، بکلی﴾

♥♥♥♥♥♥♥

محبت

محبت یاد کرنے میں مجب سا لطف آتا ہے
دل ناٹنا یاد کرنے میں مجب سا لطف آتا ہے
تجھیں اپنا بنانے میں مجب سا لطف آتا ہے
تجھیں نئے ملانے میں مجب سا لطف آتا ہے
تجھیں دن رات محبت و شام دل سے یاد کرتے ہیں
بس یوں آجیں بھرنے میں مجب سا لطف آتا ہے
تم کاموں میں اچھے ہو یا رباؤں میں کھوے ہو



آپ اور آپ کے مہمانوں کی جان
چھٹ پٹے اور مزیدار پکوان



میدان چنی پیش

عائشہ سحر

ابھی طرح ہی جاتے اور آدھے کھنے کے بعد چھری
کی مدد سے چیک کرکیں کہ گوشت کچ چکا ہے یا نہیں
اور اگر گوشت پھری طرح کچ گیا ہو تو اس کو خشک
ہونے دیں اور جب پانی ابھی طرح خشک ہو جائے تو
گوشت کو نکال کر ٹائیکر دو بج تقریباً چارہ منٹ کے
لے رکھ دیں تو اندر سے بھی بالکل خشک ہو جائے گا
آپ کا مزیدار رومل بنیف تیار ہے۔

☆.....☆

مصلحہ کیاب

انجام دینے کیلئے:

آدھا کلو
آبسن، اورک جیٹ چائے کا چمچ
نمک چائے کا ایک چمچ
کئی لال مرچ چائے کا چمچ
زیرہ چائے کا ایک چمچ
کھانے کے دو چمچ
پیاز (چاپ کی ہوئی) 3 عدد
ہری مرچ 3 عدد
برادھیا (بریک چاپ کر لیں تھوڑا سا)

رومٹ بنیف

اجزاء:

گوشت

دو کلو

سویا سوس

ایک پیالی

سرکہ

ایک پیالی

لیکوں کا عرق

پار کھینے

لبسن اورک کا جیٹ دو چمچ

پار کھینے

کالی مرچ جی ہوئی دو چمچ

پار کھینے

نمک

حب ذائقہ

تیل

حب ضرورت

نکسن

ایک چمچ

ترکیب:

ایک بڑے اور کھلے برتن میں گوشت کو صاف کر
کے ساتھ دھو لیں اور گوشت کو چھری کی مدد سے
گودھ لیں اور اس میں سویا سوس، لیکوں کا عرق،
لبسن اورک، کالی مرچ سرکہ اور نمک لگا کر تین کھینے
کے لئے رکھ دیں تاکہ لگائے ہوئے مصالحے گوشت
میں ابھی طرح کس ہو جائیں۔ ایک دو چمچ میں
گوشت کے پیں رکھ کر اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت

رہتا ہے تیرا ہی دن رات خیال
میں تجھے بھول جاؤں یہ طاقت نہیں مجھے
کل شب تمہاری یاد میں آنسو چمک پڑے
اب اور کچھ کہنے کی حاجت نہیں مجھے
کس کو سناؤں میں اپنا حال دل
تم نے جو کہہ دیا فرصت نہیں مجھے
﴿سید عارف شاہ، جہلم﴾

♥♥♥♥♥♥♥

کورا کاغذ

ہمت دے دیتی ہوں

کورا کاغذ کچھ دیکھ لیں

سوچ رہی ہوں کیا کہوں؟

اس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلا

جورل کو چھو جا تا اور

کاٹوں میں رس گرہاں، ہونٹوں پہ مسکان کھاتا

وہ تو عشق میں گورا تھا

اس کا دل بھی گورا تھا

جس کی ہرے نام کا کوئی حرف نہیں تھا

وہ آنکھوں کا بھی گورا تھا

کہ ان آنکھوں میں، میرے نام کا پتا نہ تھا

گلی وہ تیرا پتا نہ تھا

وہ اک گورا کاغذ تھا بس

بندوبس کے احساس سے عاری

لغظوں کی مٹھاس سے خالی

بس اک گورا کاغذ تھا وہ۔

♥♥♥♥♥♥♥

﴿سہاس گلی، رحیم یار خان﴾

تمہیں آواز دینے میں مجب سائلف آتا ہے
تمہارے ہی میری دنیا کے سارے رنگ چمکے ہیں
یوں فریاد کرنے میں مجب سائلف آتا ہے
کچھ دھنوں کے ساتھ بھی ہے پیار کا رشتہ
یہ چرچے عام کرنے میں مجب سائلف آتا ہے
تمہاری آغوش ساری ہمارے نام ہو جائیں
جی تکرار کرنے میں مجب سائلف آتا ہے
جو تم ساتھ ہو میرے تو خوشیاں ترس کرتی ہیں
یہ اقرار کرنے میں مجب سائلف آتا ہے
﴿گلنہ شین، کراچی﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

پاس بھی وہ رہتے ہیں بات بھی نہیں کرتے
اس طرح تو دیکھی بھی دیکھی نہیں کرتے
کب سارے قسمت کے کوئی چل جائیں
بس کہ ہم اسی ڈر سے وہی نہیں کرتے
گھر میں کسی کی یادوں کا اس قدر اچالنا ہے
ہم بھی جڑوں سے روٹی نہیں کرتے
یاد تو اہل گلیں پر ہیں مانتیں ان کی
پر بھی دوا میرے درد کی نہیں کرتے
جو دیا ہے جلا نہیں گئے وہ انہرے رشتوں میں
جو دلوں کے آگہن میں روٹی نہیں کرتے
وہ گیا تو کچھ ایسا درد دے گیا حائر
ہم کسی سے اب دل کی بات ہی نہیں کرتے
﴿افضل حائز، لاہور﴾

♥♥♥♥♥♥♥

غزل

کچھ اور سوچنے کی ضرورت نہیں مجھے
تیرے سوا کسی اور سے محبت نہیں مجھے

کارن گھور
معالے کے لئے:
پیاز (چاپ کی ہوئی) ایک عدد
لہسن پیسٹ چائے کا ایک چمچ
لٹائر (چاپ کئے ہوئے) 6 سے 7 عدد
ہری مرچ 6 سے 7 عدد
ادرک لہائی میں پی ہوئی تھوڑی سی
تیل 1/4 کپ
قصور پتی چائے کا ایک چمچ
ہر ادویہ حسب ضرورت

ترکیب:
تمام اشیاء کو مکس کریں اور 1/2 گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ پھر لیے کباب بنائیں اور بیک فرنی کریں اور انہیں کوئٹے کا دھواں دے دیں۔ دوسری دہائی میں تیل گرم کریں اور پیاز فرنی کریں۔ پیاز لائٹ براؤن کرنے کے بعد لہسن ڈال دیں۔ پھر لٹائر ڈالیں اور بھجیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو پانی ڈال دیں اور ساتھ میں کباب ڈال دیں۔ ہری مرچ، مٹھی، ادرک اور ہر ادویہ ڈال کر 5 منٹ تک دم دے دیں۔

کنڈو گوشت

ازادہ:
گوشت
پا
کالی مرچ
کاجر
دار چینی
لوگت
کوکوٹ ملک
تیل
زیرہ

لہسن پیسٹ
ادرک پیسٹ
ہری مرچ
پیاز (کٹی ہوئی)
خشخاش
آلو (چوکور کئے ہوئے)
نمک
حسب ذائقہ

ترکیب:
گوشت کو آدھے لہسن اور ادرک پیسٹ میں 2 گھنٹے کے لئے بریڈنگ کر لیں۔ نان اسٹک چین میں تیل گرم کریں اور پیاز کو لائٹ براؤن کر لیں۔ اب اس میں بانی ادرک لہسن کا پیسٹ ڈیرہ، نمک، خشخاش، ہری مرچ اور گرم مصالحہ ڈال کر 5 منٹ تک بھجیں۔ اب اس میں گوشت کے ٹکڑے ڈال کر 8 سے 10 منٹ تک بھجیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد پانی کے چیمپے ڈالیں تاکہ مصالحہ خشک نہ ہو۔ اب اس میں دو کپ پانی اور آٹا ڈال کر ڈھک دیں تاکہ گوشت اچھی طرح گل جائے جب گوشت گل جائے تو کوئٹے ڈال کر ایک منٹ تک جوش دیں۔ کاجر کو فرنی کر کے گوشت کے اوپر چلائیں کر لیں۔ اسے ہوتے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

ہرے مسالے کی فرانی کلیں

ازادہ:
کلیں
ہری مرچ
ہری پیاز
لٹائر
پسی لال مرچ
نمک
سن
ہر ادویہ

نکی حسب ضرورت ترکیب:

کچلی کو دھو لیں اور پانی کے علاوہ لہسن ڈال کر اسے اچھی طرح ابال لیں تاکہ بسانہ نکل جائے، کچلی کا پانی نکال کر پھینک دیں اور دوسری دہائی میں کھی گرم کریں۔ کھی گرم ہو جائے تو اس میں کچلی ڈال کر فرنی کریں۔ چھ منٹ بعد اس میں پیاز باریک کاٹ کر آدھی ملائیں اور آدھی بچا لیں جب یہ مرکب پختہ ہو سکے تو بانی پیاز، ہری مرچ، لٹائر اور اسے ہوتے لہسن کے جوے، پسی لال مرچ اور نمک کے ہمراہ اس میں شامل کر دیں۔ چھ منٹ کے بعد اس کے بعد پانی خشک کر لیں اور کھی بھون لیں۔ بھوننے کے بعد ہر ادویہ کر کے ڈال دیں۔

بکرے کے گوشت کا پلاؤ

ازادہ:
منجن
چاول
کھی
پیاز
لہسن
ادرک
گرم مصالحہ
خشک دھنیا
سونٹھ

ترکیب

چٹلی میں گوشت کے پارے، پانی، نمک، آدھا ٹائپرٹ لہسن، سونٹھ، خشک دھنیا، گرم مصالحہ اور ادرک کے ٹکڑے کی بخنی تیار کر کے پھلے سے اتار کر ایک طرف رکھ لیں۔ پھر کھی کو کڑوا کر اس میں پیاز بانی گرم مصالحہ (ٹائپرٹ) ڈالیں اور جب پیاز لال ہو

جائے تو گوشت کے ٹکڑے مع پا ہوا آدھا لہسن ڈال کر بھجیں جس کے دوران کچلی ایک ایک چمچ کر کے ڈالتے جائیں۔ پھر چاول بانی کچلی میں ڈال دیں اور انہیں پانی دے کر گھاسیں۔
مزیدار پلاؤ دلستے کے ساتھ پیش کریں۔
☆.....☆.....☆

پائے (پاکستانی ویش)

ازادہ:
ایک کلو
چائے
کھی
ہلدی (دھنیا ہوئی)
2 تو لے
4 ماٹھے
1/2 پاؤ
لوگت
ہر ادویہ
1 گدڑی
کالی مرچ
پیاز
نمک
ادرک

ترکیب:

پائے کے لئے کھانے کو پیلے ایک چٹلی میں ڈال کر تھوڑا سا نمک، دو لاکھ، دو لاکھ ڈال کر خوب ابال لیں۔ جب یہ پانی گل جائیں تو کھی میں پیسٹ کر لیں۔ پھر پیسٹ کا گواہی نکال لیں۔ کھی میں پیاز سرخ کر کے الگ نکال لیں۔ اب اسی کھی میں ہلدی ڈال دیں، دو لوگت، دو عدد لاکھ کھی ڈال دیں اس کے بعد پائوں سے نکالے ہوئے گوشت کو ڈال کر بھون لیں، پھر اس میں ادرک تیں کر دیں اور دہی ڈال کر خوب بھجیں۔ پھر پانی ڈال کر بقدر ضرورت نمک ملا کر پکائیں۔ جب شورپم ہو جائے تو کھی ہوتی پیاز میں گرم مصالحہ، لوگت، لاکھ، کالی مرچیں تیں کر شامل کر دیں۔ ہر ادویہ کاٹ کر چمک کریں۔ دانا کینڈہ بھی ڈال دیں۔

پرسکون سناٹے

خالد مزار اپنے دو بیٹوں کی بہو میں اردو بولنے والوں میں سے لے آئی تھیں۔ ایک بہو تو لاہوری تھی۔ اس کی گھائی اردو دس میں تھیں کچھ پچھلی کی پچھلی کا رنگ لگا ہوتا تھا، وہ ان کہ نہیں خاصی تھی تھی۔

"یہ اپنی چندا تو پنجابی گلدی اسے" وہ فخر سے کہتیں۔

"ہاں، مہارے کی وجہ سے زیادہ ہے۔" ان کا چہرہ یہی کو شراست سے دیکھتے ہوئے تھا۔

ان کا ایک چچا کوڑوں کے دس چاہا تھا اور سال کے سال آتا تھا اور اس کی اردو بولنے والی بیٹی اس قدر باتیں کیا کرتی کہ خالد مزار اس کے کاتوں میں دھماکے سے ہونے لگتے۔ بولنے کی وہ شوقین تھی یوں بھی امریکی کی سال بھر کی باتیں بتاتی ہوتی تھیں۔

"اماں خئی! اچھے تم نے سونا کوسکل میں داخل کیا تو تباہ ہے وہ بچہ، دن ایک لفظ نہ کہہ کر آئی۔ آپ لوگ قیاس ہی نہیں لگ سکتے، ارے سہی وہ "عیش آپ" کیلئے کر آئی۔ مگر آتے ہی سب ک شیت آپ کہنا شروع کر دیا۔ میں نے سوا چھٹیں اس کو کسی نے جبر سے بیڑ ڈانٹا نہ ہو، وہ مگنا نہ ہو مگر وہ تو بس بھس کر کہہ رہی تھی۔ ذوالفقار بولے، مونا بچی ہے، آپہرہ آہستہ اسی طرح اگر بڑی کیٹھکے گی۔ اب جو ہماری دائیں طرف والی پردوں سبز شرما ہیں، ان کی اگر بڑی تو ہمارے ہاں کی چابی بھی بچھ ہیں۔ ایک لفظ نہیں آتی آپ نہیں انگلیں مگر بلی ہے کہ اردو میں بات کر لیں۔ میں کر مری لینے جا رہی ہوں، دم وخت یا

تو وینٹ میں بس کسے حال ہو جاتی ہوں۔ پیکلو میں نے انگلیں نیو نیو کی گلاسز جواں میں مگر جو سکاٹے والیاں ہیں وہ اس قدر خرا کر بگری بولتی ہیں کہ میری تو خاک بچھ میں نہیں آتی تھی۔ جب وہ میری جی سونے کی چڑیاں دیکھ کر بولی تھیں۔ کتنے کی لیں اور میں مگر ان کی کھلی دیکھتی تھی۔ ذوالفقار بولے، شانی، وہ تمہاری بیگم کی پر اس پوچھ رہی ہیں تو میں نے کہا کہ پاکستانی روپے کے حساب سے تو ڈیڑھ لاکھ کی جتنی ہیں اور اس کی جی گھر یا پھر میں کسی اور کی، اگر بڑیوں کی بھی ہو سکتی ہے، ہاں ان سے میرے ہاتھ میں دور رہنے لگا۔ میں نے پاکستان اسی کے ہاں فون کیا۔ اسی نے فون ہولڈ کر کے گھر سے نپٹنے کی دعاؤں کوڑ کر تانی، میں نے کہا کہ ائی، آپ اس کو رورڈ ٹیکسٹ میں لکھ کر بھیج دیجئے گا، تاکہ ڈیڑھ تو ریکٹی نہ رہے، اب ہے تو بری بات مگر چھوٹے بچوں کے ساتھ مجھے دقت ہی نہیں

پانچ سال کے مکمل کر گئیں۔

"تو فائدہ کیا کر" خالد مزار اس کی دو میل میں بائیں سر کر لیں کر گئیں۔

"ایسا تو نہیں ہو سکتا، ذوالفقار اگر سال کے سال نہ آئیں تو وہ بہار پر جائیں۔ کہتے ہیں کہ اسی کو دیکھ کر ایک ہی تو آتی ان میں آ جاتی ہے۔ حالانکہ اصل تو آتی تو وہاں کے لوگوں میں ہے۔ اسے سونے لوگ کم از کم میں نے تو پاکستان میں نہیں دیکھے۔ سن فن کی جسات کی صورتیں سے گھر بھر آتی ہیں اور اپنے آپ کو خوبصورت بھی سمجھتی ہیں۔

میں تو میں کتنے ہی اتنے بچے ہیں کہ میں چلی جاؤں، خیال ہے کہ کوئی تعریف میں زبان دلائے۔ وہاں تو سب سے پہلے تعریف ہوتی ہے۔ آپ سہی اچھی لگ رہی ہیں۔ آپ کا لباس بہت خوبصورت ہے۔ کم از کم وہاں کے ماحول میں ہے شک دل میں بیٹے ہوں مگر اوپر سے اپنی جان کا اظہار نہیں کرتے۔ یہاں دل سے زیادہ زبان انکار سے برساتی ہے۔ ہے ناں ذوالفقار

"میرے تو سر میں درد ہو گیا ہے۔ شانہ کے آنے سے پورے سال کی اردو پوری ہو جاتی ہے مگر ہے کہ دوسری پہو چندا کو کتنی بھاسی کرنے کی عادت نہیں ہے۔



منا۔ اب دیکھیں ناں، انڈیا کے چھوٹے اور رئیس اپنی ذہنی باتیں غیر ہندوؤں کو بھی رڈو اپنے ہیں۔ ذوالفقار کو نام کے نکاح کی پوری تقریر یاد ہے جب ان کے دم پر اثر دم کر کے آگے پیچھے چکر لگاتے ہیں مگر ہمارے میڈیا پر رشور کرنے کے طریقے تک نہیں جانتے۔ عورتوں اور مردوں کی نماز اگر بار بار دیکھتے رہیں تو سب کی غلطیاں خود ہی ٹھیک ہو جاتی ہیں جائیں تا مگر ایسا کرتے ہی نہیں۔ میں نے سوچا کہ وقت لگے گا تو ایسا میری خود باتوں کی مروت ہے کہاں اور امریکہ میں تو بائبل بھی نہیں ہے۔ سال کے سال آ جاتے ہیں تو تو کیا بیٹ کاٹ کر آتے ہیں۔

"تو فائدہ کیا کر" خالد مزار اس کی دو میل میں بائیں سر کر لیں کر گئیں۔

"ایسا تو نہیں ہو سکتا، ذوالفقار اگر سال کے سال نہ آئیں تو وہ بہار پر جائیں۔ کہتے ہیں کہ اسی کو دیکھ کر ایک ہی تو آتی ان میں آ جاتی ہے۔ حالانکہ اصل تو آتی تو وہاں کے لوگوں میں ہے۔ اسے سونے لوگ کم از کم میں نے تو پاکستان میں نہیں دیکھے۔ سن فن کی جسات کی صورتیں سے گھر بھر آتی ہیں اور اپنے آپ کو خوبصورت بھی سمجھتی ہیں۔

دو تو ہر وقت سر میں درد رہا کرتا۔" خالد مزار اپنا سر تھام کر بولیں۔ بیٹے نے ہاں کی بات ان ہی کردی اور بچی کو سلائے لگا مگر شانی کی تقریر جاری تھی اب ایک دفعہ سزا راتل نے مجھ سے کہا کہ جانی رنگ آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے تو جس وقت بھی ان کے گھر کی جانی سوٹ پہن کر گئی۔ سزا راتل کی بہن کے گھر ان کی بہن کے خط اور تھے خائف کا پکٹ دینے کی تو وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگیں اور بولیں۔

"آپ کی چہرے کے گھر کی ساڑی کتنی اچھی ہے۔ اب ہاتھ ناں ذوالفقار، یہ ان کی تعریف تھی۔ میری تعریف کیا، میں تو سراسر سی ہو گئی۔ اپنے آپ کو چہرہ بخسوں یا اپنے آپ کو خوشی لباس۔ ہے ناں ذوالفقار، وہاں پر مجھے لکھا دونا آیا تھا۔ انہیں نے آگس کر کہ کیا لکھی تھی ہے اب فہمک ہوا تھا۔ بس یہاں کے لوگ میٹرو جانتے ہی نہیں ہیں اور کچھ کی کوشش بھی نہیں کرتے ہیں۔ ذوالفقار تو یہاں آ کر بہت تواب کھاتے ہیں مگر میں انہیں ٹھٹھا کرتی رہتی ہوں۔ اب ان کی بڑی پچھو کے کہ مجھے تو مہاراجہ پھیلا ہوا۔ لگا تھا ہر جگہ لفظ مگر نہ دیکھی ہوئی ہے۔ وہ اس بات پر شامیں کس کا اس ملک میں نے بنا چاہا لیا ہے۔ غی فرامی ملی ہے۔ کتنے پروے لگوائے ہیں۔ جبکہ مجھے ان کے گھر میں سخت وحشت ہو رہی تھی اور ہی چیزیں بھی ہونا تک کی لگ رہی تھیں۔ مگر اس کا کسی کو احساس بھی نہیں ہے اور نہ جانتا چاہتے ہیں۔ بچی تمہارا کرہ اس قدر چھوٹا سا ہے۔ بڑا دل چیزیں بھی ہوتی ہیں۔

الہادی کے اوپر بھی چار گدھا گاڑی کا سامان چھت تک رکھا ہوا ہے تو جنہیں اپنے کمرے میں پروے بڑے ڈیزائن کے پیچھے چلائے رنگوں کے لگائے کی کیا ضرورت تھی؟ اتھارے کمرے کی ہر چیز ہی خود ہی چیم پلا چائے ہوئے سے مگر کون سمجھتا؟ اور کون برا ہے، میں بھی بس ہوں باں کر رہی اور چائے کے علاوہ کوئی

زندگی کی ایک خاص صورت شام

نئے مہم کو ایک پلیٹ قائم پر رکھا ہونے کا اعزاز بخشا۔
اگلے سرور نے کہا تھا کہ رستم کی انگریزیت یہ ہے کہ رستم
خاندان میر کے لیے ہے۔ میں کہوں گی رستم اس ایک خوبئی
وجہ نہیں بلکہ برکات ہے۔ نرندرا اور برگ میں کمال ہے۔

رستم واحد ڈانچے ہے جو ہم نے گھبراہٹوں کی نہ
صرف حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ میں ایک پلیٹ قائم پر رکھا
کرنے کا بھی انتقاد کرتا ہے۔ اب آتے ہیں اس مہمیری شام
کی طرف جہاں قریب قریب شروع ہونے کو بھی مگر ہوتے
ہیں نہ جو ٹھنڈے ہیں نہ گرم۔ (کچھ تو گئے ہوں گے) جن کی
وجہ سے اوقات قریب میں جنہوں اٹھل سا گیا۔ کشاف اور
جران بھائی نے قریب کا کاغذ اٹھا کر کیا۔ جہاں علامات
قرآن پاک نے ہمارا سلسلہ زندگی باری تعالیٰ کی پاک
واہ سے جوڑا ہوا ہے۔ سائنس میں کسی کے سوا بیاد نام "تاجدار
حرم" سے نہیں جرم کی گئی تھیں۔ تاجدار۔ دل و دماغ
بے اختیار سے عموماً اٹھنے پاک کی عمر تاجہ کے بعد
کشاف اور جران بھائی نے فزٹ Phase میں ایوارڈ
تقسیم کرنے کے لیے پریکٹیز صاحب کو دعوت دی۔ کرنل
طاعت اور میر تاجہ صاحب سے مل کر بہت اچھا کیا۔ میں
ایوارڈ کے لیے کوئی نوٹ لیا کہ تیس دن کا کوئی نتیجہ خزان چاکر
بجائی ہیں۔ اور ان کو تیس دن کا کوئی نتیجہ معلوم پیر سے لیے زندگی کی
چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں۔ بہت اہم تھیں۔ میں ہر خوشی کو
بھر پور طریقے سے منجوا کرتی ہوں۔

رستم ایوارڈ قریب میں میں بتایا جانے والا دن میری
زندگی کا سب سے بہترین اور یادگار دن تھا۔ جو صرف اور
صرف میرا تھا۔ پر رانا ہے۔ ہر سال انسان کی زندگی میں کم
سے کم ایک دن تو ایسا ضرور ہونا چاہیے جو صرف اور صرف اس
کی اپنی ذات کے لیے ہو۔ جہاں وہ ہو۔ اس کے خواب ہوں
اور سامنے خوابوں کی تعمیر کھڑی ہو۔ جہاں مشن اور درک

شام تاز (رجانہ)

چاہوں گی سیاسی اور ملاؤں کی چاشنی میں دو خاص صورت
سلاسل امت و قافوں کے سامنے میں وطنی تھیں کی پری
بیکار آبی شری کی خدمت میں قبول ہو۔

2015 پر مئی 25 صبح آکاش پر لہراتے
بادلوں کے پیچھے چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد کر کے کر
ہے۔ اب تھا۔ اس سین کی شام ملے۔ ہزاروں ہجرہ کے کر
چاہے ہونے بھی ہم نے خوشیوں میں ہرے ان کا کھانہ کو
پادراشت کی ٹھنڈی میں ہاتھ مارا ہو۔ چل ہوئے دل کو کیسی
دے کر لوٹ آئے کہ زندگی کے وہ کی وقتہ اللہ اللہ اللہ اللہ
اس بہادرت میں شرکت کے لیے آج موجود ہوں گے۔

یقیناً ملنے پورا ایک سال اسی خواب کے زیر اثر
جہاں ہم تھے گھبراہٹیں، خواہشیں، دھڑکتے تھے شری کی آغوش
اور ان کی ہنسی ہاتھ میں تھیں۔ اور جہاں میں اس قدر سوچنے
تہمتیں تھیں۔ خیر ہمارا سال اللہ کے کر کو ہر خوشی ہوا۔ نہ
ہی کو نوید مل کے لیے ہر زور ہونے کیونکہ کمال تھیں
خوب کی کیفیت ہی آتی تھیں۔ اور ان کی ہنسی کیونکہ تھے
کھوں کے کر نے کا احساس تک ہوتا تھا۔ اور ان کی ہنسی کو ہر
میں چاہتا تھا۔ ابھی مل کی بات میں جب میں ان پر خیر تھیں
کو یاد تھا۔ اس کی لڑی میں پروردگار اسلام آباد سے لوٹے تھے اور
اب رستم ڈانچے کی طرف سے 2016 کا دعوت نامہ بھی
موصول ہو چکا تھا۔

30 اپریل 2016 کا سورج امید کی نئی کرنیں بکھیرتا
ہوا ایک بار چمروہیں سے طلوع ہوا۔ جہاں 25 اپریل
2015 کے کھڑے سورج نے ادوار چاہا تھا۔ ایک خوبصورت
مانداس خوبصورت ہی او بی اور فنی شکل کے انعقاد کے لیے
ہم آبی شری سرور کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں

ایسا بھی ہوتا ہے

مری میں چاہے کتنا ہی رش ہو۔ نئے دلیہا دلیہا
صاف بچانے جاتے ہیں۔

مہندی کے گرد میں ہی گر گیا ہوں، ٹھنڈا سا رشتہ
پر اندھ، بالادلا سا برسات ٹار ہونے والا شہر زیورات
اور چمکے دیکھنے کپڑوں سے بھی دلیہا مال روڑ پر چل
قدی کرتے وقت بالکل بھول جاتی ہے کہ اس کے علاوہ
بھی یہاں اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں، تاز رہے ہیں
اور رش رہے ہیں۔

چائیں، اس میں اچھا حاصل اور بہت کہاں سے
آجانی ہے جو وہ سب کی ہنسی مسکرائی انہوں کو کوئی
وقت ہی نہیں دیتی۔

جب دل چاہا، جہاں ٹارے ہو کر ایک دوسرے کی
قابل اعتراض پوز میں تصویریں لے لیں۔ کدو سے پر
ہاتھ رکھ کر چل پڑے۔ نگے میں انہیں ڈال دیں۔

ایک اپنی ریت کی کھوپڑی پر۔ پڑے کھسے، ایک
سے ایک رومانی افسانہ لکھنے کے ماہر، جب وہ شادی کے
بعد بھی صبر میں بیٹھ کر کونے لکھتے تو چمکیں قدم ان سے
آگے ہٹا کر رہے تھے۔

قریب سے چاندی حیران اور پریشان ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ
کر بھی مارتی تھیں۔

اور پھر یہی ہوا جس کا خدشہ تھا، جب وہ گھر پہنچے تو
برقعے والی نے اپنا ہاتھ کھج کر جو غائب الٹا تو وہ دھنکی
پیچھے رہنے والی خالدا مال نکلی آئیں۔

وہ دھنکی ہو کر اہل اس وقت گھر پر تھیں جو وہ ریت
کو ڈھونڈ لائیں۔ روتے دیکھنے میں خراباہر برقعے میں
لیٹیں پونی سڑکوں پر روتی پڑیں۔

خالدا مال نے کیا کچھ کہا۔ وہ تو بتایا ہی نہیں جا
سکتا۔

☆☆☆

چیز نہیں چمکی کہ ان کی بہو اپنے بچے کا بغیر تبدیل کر
کے ہاتھ دھوئے بغیر کباب حل کر لے آئی تھی۔ بہت
گندی ہیں یہاں کی خواتین۔ ہے ہاں ڈوا انصاف تھا ہے
کہہ رہی ہیں۔

"چندہ، اس لیے زیادہ نہیں بولتی کہ وہ چاب کرتی
ہے۔ چاب کرنے والوں کے اپنے ہی مسائل بہت
ہوتے ہیں۔ ان سے جان چھوٹے تو وہ آگے کسی اور کا
دشت پائیں۔" میں نے خالدا کو سمجھایا۔

"ابھی جانتی ہوں گی۔ اب بھائی سلطان اپنے
دونوں بیٹوں کے لیے چاب کرنے والی بھیجیں ڈھونڈ
رہا ہے کہ مرنے کی گئی شام کو آئیں تو گھر میں تو سکون
رہے گا۔"

"ہاں، تو یہ تو ہے کہ بھئی بھی گھر آ جائیں اور پر
سکون دھاریتے ہر سلسلہ ستارے بھی گھر میں رہیں تو اس
سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"شیخ صاحب بھی یہی کہہ رہے تھے۔ خالدا میں تو
اپنے سامنے بیٹوں کی چاب والی بھیجیں لاؤں گی کہ
ان کے سامان سے میرا گھر بھی بچ جائے اور ان کی غیر
موجودگی سے مجھے تنہا نہ رہے۔" میں نے فحش کے
خالدا کو بتایا۔

"تو تو، میں میں سے بھی نہایت تو رہے گی۔"
"تو تو کھدی اسے۔" نگے دے لیے بھی میں
چاب والی بہلے آساں۔"

خالدا اب میری جانب خوشامد بھری انہوں سے
دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ (جن کا مطلب میں بخوبی
سمجھ رہی تھی)

"میں ہاں، میری چھوٹی بہن ایک چمک میں کام
کرتی ہے۔ رات تو بچے جاتی ہے شام کو مغرب سے ذرا
پہلے گھر آتی ہے۔"

☆☆☆

[illegible]

☆ چپ کر جاتی ہوں یا چپ کے رو لیتی ہوں۔
س۔ اپنی عادت جو پسند ہے؟
☆ ہر ایک کے لیے اچھا سوچنا اور دعا کرنا۔ جلد محاف
کردنہ غلطیوں اور دوستانہ رویہ۔
س۔ ایسی عادت جو نا پسند ہو؟
☆ جلد اعتماد کرنا اور بہت زیادہ مروت سے نقصان بھی
اٹھاتی ہوں۔
س۔ کالج لائف کیسے گزری؟
☆ کالج لائف تو یادگار دور اور کرتا ہے۔ جیسے سالانہ
تقریب انعامات میں ایک ساتھ تین استاد اور اردو
ذہانت میں اول آنے پر میڈل کا ملنا۔ پیدرس
ڈس میں پڑنے کا لمحہ۔ بڑا اور تیز، قتالی اور گولا بجھنے
میں ڈرائی ملنا۔ یہی طرح کالج کی سب سے خشک مزاج
اور سخت پڑوسر کا میری والدہ سے میری تعریف
کرنا۔ (۱۱۱۱۱۱) یاد دلانا کہتے ہیں۔
س۔ اگر کسی کو آپ کی جاسوسی پر لگا دیا جائے تو کیا
اکشاف ہوگا؟
☆ جس میں سے اسے بیان سے پوچھا تو اس کے مطابق
میں لاوی ہوں، لیکن آگے بڑھے گا نے کی باتیں تو
جتنی ہوں اور ٹھیک ہوں۔۔۔ (۱۱۱۱۱۱)
س۔ محفل پسند ہے؟
☆ نہ ہی ابھی محفل میں جا رہا ہوں۔
س۔ پہلی ملاقات میں متقابل کی کس چیز کا جائزہ لیتے
ہیں؟
☆ اخلاق اور انداز گفتگو۔ ذہانت۔ (میں ظاہری
خوبصورتی سے متاثر نہیں ہوتی۔)
س۔ سونے سے پہلے اور گھٹنے کے بعد کیا کرتی ہیں؟
☆ کلگر بننے کے بعد موہاں سمجھتی ہوں۔ (۱۱۱۱۱۱)
س۔ پہلی کہانی کب اور کہاں شائع ہوئی تھی؟ اور کیا

☆ چچی کہانیاں میں شائع ہوئی تھی اور بہت اچھا رسپانس ملا تھا۔ (سال بمینے انٹیمس)

☆ تحفہ پر کیا رد عمل ہوتا ہے؟

☆ بہت تحفہ کو بیش خوش آمدید کہتی ہوں تاکہ اپنی سیلون کو دور کر سکیں۔

☆ کہنے کے علاوہ کیا مصروفیات اور شوق ہیں؟

☆ چڑھا، چڑھا، چڑھا اور گھیر لو کام۔ شوق تو بہت سے ہیں، ٹیکسٹ، ٹیٹل، ٹیٹلنگ، ٹیٹلنگ، ٹیٹلنگ، آرٹ ایڈیٹنگ، گرافک ڈیزائن۔

☆ آنو گراف میں کیا لکھتی ہیں؟

☆ کوئی شعر و ادب کا ایک تناسل۔

☆ شاعری بھی کرتی ہیں؟

☆ جی شروعات نظم میں شیع آؤدی سے ہی کی تھی۔ بعد میں نثر کے میدان میں بھی کود پڑی۔ اس کے علاوہ پتھر، کب اور اونٹیل بھی لکھتے ہیں۔

☆ اب کتنی شاعری شایع کیا ہے؟

☆ کافی افسانہ لکھ چکی ہوں، شاعری تو کچھ نہیں مگر "مرغِ سخن" ایمرالینڈ میں ہے۔

☆ راسخ کے کرداروں میں ان کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ آپ کا کون سا کردار آپ کی شخصیت کا عکاس ہے؟

☆ ہماری کہانیوں کے ۶۰ سے ۷۰ فیصد کردار ہمارے اپنے کردار کا پرتو ہوتے ہیں۔ ان بے جان کرداروں کے جذبات و احساسات ہمارے اپنے جذبات و احساسات ہوتے ہیں۔ شخصیت نگاری میں کسی راسخ کی تحریروں سے بھی اس کی شخصیت، مزاج، حالات اور اعزاز و اطوار کا عکاس بنایا جاتا ہے۔ میری تحریروں میں بھی میری شخصیت کے پہلو نظر آتے ہیں۔

س۔ فیملی میں کون کون آپ کی لکھی کہانیاں پڑھتا ہے؟
 سٹا۔ اہلیات۔ بچے تو کوئی نہیں پڑھتے۔ بہت خوشامد کر کے پڑھاتی تھی۔ اب ابی اور ہور دیکھ لیتی ہیں۔
 س۔ کس کس میگزین میں لکھ چکی ہیں؟
 سٹا۔ شرعات، جنگ کہانیاں سے لے کر نئی ساس کے علاوہ دوپٹرو، نمائے ملت، بہت سے سنڈے میگزینز اور ریشم میں میری تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔
 س۔ لکھنے وقت تمہاری پسند ہیں یا پاس رہتی ہیں، ٹیپ بھی ملتی ہیں؟
 سٹا۔ لکھتے وقت قلم توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، خاموشی اور تنہائی۔
 س۔ اپنے کسی پریمی کا کوئی واقعہ جو ابھی تک نہ بھولا ہو؟
 سٹا۔ ابھی ایسا وقت نہیں آیا۔ no crazy fan
 س۔ انکا جاول تک آ رہا ہے؟ اوکل سپر کام کر رہی ہیں؟
 سٹا۔ ایک افسانے پر کام کر رہی ہوں۔ جس کا پایس منظر وحشت گردی اور ضرب و تعذب سے ہے۔ بہت جلد آپ کے اعلیٰ ذوق کی مدح کروں گی۔
 س۔ لیجن میں ممبر کیس سے نکلیں؟
 سٹا۔ لیجن کی مکمل تاریخ ہمیشہ خود بھی کردار ہوں کو ڈرامہ کیا کرتے تھے۔
 س۔ گول گئے، امبی، چوران، گلک کیا شوق سے کھا رہی کرتی تھیں سکول لانف میں؟
 سٹا۔ سکول لانف میں اب سب پر پابندی تھی کیونکہ بیمار ہونے کا مسئلہ ہوتا تھا۔ ہال اب ان میں سے گول کھجے میرے فطور ہیں۔
 س۔ جب خرچ کتنا ملا کر تھا اور آپ کیسے خرچ کرتی تھیں؟

☆ کوئی شخص جب خراج نہیں تھا۔ اور میں مع کر کے اپنی پسند کی کوئی چیز خرید لیا کرتی تھی۔
 س۔ کوئی ایسی شراعت جسے یاد کر کے آج بھی ہنسی ہوں؟
 ☆ اپنی ہائی بھی شراعتیں یاد کر کے ہنسی ہوں۔ سکول جاتے ہوئے وہی دس پہانے بنانا آج بھی ہونٹوں پہ مسکراہٹ کی کلیاں بکسیر جاتا ہے۔
 س۔ بچپن میں کیا سوچتی تھیں کہ بڑے ہو کر کیا بنیں گی؟
 ☆ بچپن میں مستقبل کو کیا سوچتا۔ وہ الیسا دور تھا جس میں انسان "عال" میں رستہ رہتا ہے۔
 س۔ سگر میں سب سے زیادہ کون سے ذائقے تھے؟
 ☆ رائی گاڑی کے۔
 س۔ پسندیدہ نمونہ کون سا رہا آپ کا؟
 ☆ اسکول میں سیتھ اور بعد میں ہمیشہ اردو۔ تاریخ بھی شوق سے پڑھتی ہوں۔
 س۔ خواب دیکھتی ہیں؟ کیا آپ کے خواب پورے ہوتے ہیں؟
 ☆ جی جی خواب زندگی کے لیے بہت ضروری ہوتے ہیں۔
 بچوں میرے: چاہے حالات کیسے بھی ہوں چاہے جنوں کے چتے سحر میں اپنا وجود گھسٹ کر چلتا پڑے یا۔۔۔ پاؤں میں میڑیاں ہوں اور قیہ منطکی کا ٹاپر ہے۔۔۔۔۔ سوچ کو تو نہ ہونے دو خیال کے پیچھے آزادانہ دو آگئیں خبر نہ ہونے دو۔ خواب بچتے رہو

☆ خواب بچتے رہو۔۔۔۔۔
 س۔ خواب جس کے پورا ہونے کا انتظار ہے؟
 ☆ اللہ کا شکر ہے اس نے سب خوابوں کو پورا کیا۔ اب صاحب کتاب ہونے کا انتظار ہے۔
 س۔ کون ہے جس سے آپ دل کی ہر بات کہہ لیتی ہیں؟
 ☆ میری امی۔۔۔۔۔
 س۔ آپ کے خیال میں کون سی شادی کا سیاب رہتی ہے؟
 ☆ راج یا کوہیراج؟
 ☆ یہ تو تعصب کی بات ہے ساری۔ پسند کی شادی کا سیاب ازدواجی زندگی کی صفات ہے نہ والدین کی طے کردہ شادی کا یا زور یہ۔
 س۔ کیا سب ذائقے ہیں؟
 س۔ ایسی شادی والے گائے پسند ہیں۔ جو بھی اچھا فریڈی میوزک ہو۔ جو کاروں میں راحت اور محافظ زیادہ پسند ہیں اور تو فی ترانہ جی میرے فوٹ میوزک میں شامل ہے۔
 س۔ پسندیدہ شعر؟
 ☆ مجھ کو یاد آ رہی کا ایک شعر ہمیشہ دل کو لگتا ہے۔
 یہ بھی کیا شعر ہے، بڑھتے ہیں نہ بچتے ہیں قدم تک بار ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے اور میرا ایشو شعر ہے۔
 ہر لمحہ اسیری آزادی کے خواب بچتے گزارا ہے بال کو پر بھی نہ گیا میرا عشق پرواز
 س۔ آپ کے خیال میں شوگر کس کھانے سے انسان سوجھتا ہے؟
 ☆ عموماً شوگر کس انسان کو مضبوط کر دیتی ہیں۔ اور جو بار بار ایک ہی جگہ سے شوگر کھا کر بھی نہیں سمجھتا اسے بے وقوف کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ سو کبھی ایک

☆ سوارا سے دو بار نہیں زنا سنا۔
 س۔ کن موضوعات پر زیادہ لکھتی ہیں؟
 ☆ مجھے سادگی موضوعات پر قلم اٹھانا زیادہ پسند ہے۔ اور یہی اکثر و بیشتر میری تحریروں کا موضوع بھی ہوتا ہے۔
 میں آس پاس بکھرے ٹاپک کا انتخاب زیادہ کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے طبیہ لٹریچر زیادہ پسند ہے کہ بغیر تو کہانی مکمل ہی نہیں ہوتی۔
 س۔ تمہاری کیا لکھتی ہیں؟
 ☆ راز خوش قسمتی سے تمہاری مل جائے تو کچھ لکھی کوشش کرتی ہوں۔ سوچتی ہوں۔
 س۔ آپ کے نزدیک زندگی کیا ہے؟
 ☆ ایک امتحان ہے۔ لیکن بہت خوبصورت اور پے کشش بھی ہے۔ ہمارے اسیچے یا لوگوں کے رویے اسے تکلیف دہ بنادیتے ہیں۔
 س۔ محبت کیا ہے؟ آپ نے محبت کی کبھی؟
 ☆ محبت تو ایسا جے جو جبر سے مجر زمین میں بھی جڑیں پکڑ لیتا ہے۔ اور شاعر تو ایسے ہی بہت ذوقی ہوتے ہیں۔
 والدین کے بعد میری اولین محبت "پاکستانی" ہے۔ جو وقت کے ساتھ بڑھتی رہی۔ امی محبت نے مٹن کے لیے پتھر کرنے کا جذبہ پیدا کیا اور میں محبت مجھے نئی نسلوں کی آجاری یعنی تدریس کی طرف لے آئی۔ یہ پاک سر زمین اور افواج پاکستان ہی میرا عشق ہے۔
 س۔ اپنے قارئین کو کوئی پیغام اور سنے لکھنے والوں کو کیا کہیں گی؟
 ☆ خود سے اپنے کام سے، اس ملک سے ایماندار ہو جائیں۔ کچھ بھی کریں مکمل ایمانداری سے کریں۔
 ☆ ☆ ☆ ☆

☆ نمونہء کلام
 تجھ سا دورانہ ملا کوئی زمانے میں اک تو ہی تھا میری زندگی کے افسانے میں تیرے واسطے تھیں دل کی دھڑکیں بھی بہت دیر کر دی تجھے یہ بتانے میں غلوں دنیا بھر سے کن میں چھپانے ہوئے اک یہی ہیرا تھا میرے خزانے میں تم سو بار دھو، میں ہزار بار مٹاؤں گی کیا عجب لطف ہے دھوئے کو مٹانے میں ہوا پلکا بھر میں خود سے بچاؤ کر گیا بہت ماہر تھا وہ دلوں کو چرانے میں تیرے ہاتھ کی گونجائیں گے ایام زیست اک مدت لگی مکمل دل کو سمجھانے میں ☆ ☆ ☆ ☆ ☆
 غزل
 عقل اس کے خلاف دینی دلیں
 دل کب باتا بول کی اپنی تاریخیں
 اس کی دہائی پر ممکن نہیں رہتی
 بہت مضمر ہیں شہر دل کی جلیں
 قاتلوں نے خود ہی لگا رکھی ہیں
 ظلم کے خلاف راہ احتجاج میں سبیلیں
 وہ خود کو ناقابلِ تحقیر کہتا ہے
 ہر رنگ نے بلند کیوں قلعہ دل کی فصیلیں
 وہ دھو دھار کا سے روشنی سے محبت ہے
 بطور جوت بچھاتا گیا میری راہ کی قدیلیں
 وہ منور دہائی ذات میں منور جانا
 کہاں سے لاؤں عقل ان جہاں کی حقیلیں

خود کلامی

دل میں رکھ لے کہ نگاہوں میں بسالے کوئی
بس مرے خواب بکھرنے سے بچالے کوئی
اس نے بھی مرا بھرم رکھا بھری مٹھل میں
میں نے بھی یوں ایک سنبھالا کہ سنبھالے کوئی
(پرنس افسل شاہین، بہاولنگر)

بہتر ہے کہ 21 دن چلائے۔

رب کی رحمت سے ہمیں کیا رہے گا وہ کمر
جس میں نورت سے کمری ایک ہی دوج نہیں
(سز مریس، فٹنل شاہین، بہاولنگر)

فاصلہ ہاتھ کا خود ہم نے بڑھا رکھا ہے
روشن دامن بہت دور ہو، ایسا بھی نہیں
(ماہین فاطمہ، اوکاڑہ)

آگہ کی پتلیوں پر خراشوں کا لگ جال سامن گیا
خوابوں کے سز میں تجھے ٹیکہ کا پہلو دینا
(ملکا گریس، اوکاڑہ)

دو بھی دن تھے کہ گلاب ہوتا تھا
تجھ سے ہجڑوں کا تو سر جاؤں گا
(داؤد اشفاق، اوکاڑہ)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

عید کا رنگ چہرے سے چھپاؤں کیسے؟
تو میری روح میں ہے، گنیں ڈھونڈنے جاؤں کیسے
میرا ہر دن تیری چاہت میں بنا مینا دن
میں فقط ایک ہی دن مہندی لگاؤں کیسے؟
(سہاس کش، رستم یار خان)

روحانی معالج

نوٹ: کسی بھی آیت کو پڑھنے سے پہلے اول آخر خالق میں درود شریف پڑھنا
نہ صرف اثر و ثواب کا موجب بنتا ہے بلکہ کام میں بھی نئی کامیابی ہوتی ہے

گھر کیلئے اور تعلق کیلئے
تیزی و ذہن و یادداشت و حفظ وغیرہ کیلئے

اس آیت کی تہن کی رکابی پر لکھ کر 13 یا 11 دن

بہتر ہے کہ 21 دن چلائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم یا حی یا قیوم یا

رب موسیٰ و ہارون و عیسیٰ

بہتر ہوگا ایک طرف یہ نقش دوسری طرف تمہیں

القولب لکھ کر یا جگہ میں اس کو دھرو روزانہ چلائیے۔

شریف ہے۔

وجہ امن القضا الطہیة وجہ یسعی قال یا

قوم ابعوا الصلوات بطن البعوا من لا یسلک اجرا

وہ مہندوں

بہتر ہے کہ 21 دن چلائے۔

ملازمت پر بحالی کے لئے

اگر کسی کو ملازمت سے معطل کر دیا گیا ہو اور

کسی طرح بحالی نہ ہوئی ہو تو چاہئے کہ ہر نماز کے بعد

تین سو مرتبہ لکھ لپیٹے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس طرح سے پڑھے کہ اول و آخر سات

بار درود پاک پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کے

حصول کے لئے دعا مانگے۔

بفضل باری تعالیٰ بہت جلد ملازمت بحالی ہو جائیگی۔

بہتر ہے کہ 21 دن چلائے۔

بہتر ہے کہ 21 دن چلائے۔

بہتر ہے کہ 21 دن چلائے۔

آپ کے اوراق

باب اذوق قارئین کے حاصل مطالعہ کی خوبصورت چھکٹ

ترتیب: سعدیہ عقیل

فرمان الہی

جو لوگ اللہ کی راہ میں کئے جانے والے کام کو دھوکہ دے کر کہیں سے کہیں ہٹ جاتے ہیں، وہ زندہ ہیں مگر جہنم ان کی زندگی کا شکار نہیں۔ (البقرہ آیت نمبر 174)

لوگو! زمین میں جو طوفان چڑھیں، میں کھاد اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھاد نہیں ہے۔ (البقرہ آیت نمبر 166)

اے ایمان والو! تمہارے لئے قتل کے مقصودوں میں قصاص کا حکم دیا جاتا ہے۔ (البقرہ آیت نمبر 178)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (البقرہ آیت نمبر 195)

بندہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کہے گا کہ "چلو دور ہو جاؤ، تم پر اللہ کی راہ میں تو تمہارے لئے جھگڑا کر رہا تھا (یعنی تمہیں اس روز سے بچانا مجھے منظور تھا، میں تم آپ کی گناہ کا قرار کر چکا ہوں روزِ عظیم میں جاؤ۔) (مسلم شریف)

قیمتی موتی

پارش کا ننھا قطرہ پادل سے پڑا جب اس نے سمندری چوڑیاں دیکھی تو غمزدہ ہوا اور دل میں کہا کہ سمندر کے سامنے میری کیا حیثیت ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تو میں نہ ہونے کے برابر ہوں۔ جب اس نے

اپنے چھوٹے سے دل میں کوئی ارمان ضرور رکھنا دنیا کی بیلیر میں تم سدا ہماری بیلچان رکھنا اچھا نہیں لگتا مجھے جب رہے ہو تم اداس اپنے ہونٹوں پہ تم خدا سدا مسکان رکھنا (صوفیہ امجد، لاہور)

رزم بھرتا ہے نیا دھم لگانے کے لئے کیا سمجھا ہے کہ اچھا نہیں ہونے دیتا (فاطمہ امجد، کراچی)

یہ گزرتے ہوئے ہیں کہ تیری آنکھیں ہیں دن ہے آنسو کی طرح، رات ہے کاشمیر کی طرح (فری نیاز، لاہور)

دل سے جب دل کلام کرتا ہے لفظ آتے ہیں دوا میں کس کسما (خسرو امین، اوکاڑہ)

وہ پندہ جسے پرواز سے فرمت ہی نہ تھی آج تجھا تھا تو پرواز پہ آ بیٹھا ہے (رانا شفیق، آزاد کور)

سویا ہوا تھا شہر کسی سائب کی طرح میں دیکھتا ہی رہ گیا اور چاند بھل گیا (اشفاق انجم، فیاض آباد)

غم زندگی کا حسرت میں اور کس تانوار میری سوچ کی بلندی میری ہمتوں کی پستی (بابر فیصل، گوجرانوالہ)

میں تم سے پیار کرتی ہوں مگر ہوں عام میری لڑکی فری "تو اتنا خاص ہے تو اب مجھے بچپان کہ رکھا (فرخ طاہر، ملتان)

اپنے آپ کو کھارت سے دیکھا تو ایک بیٹی (صدف)
نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور دل و جان سے اس
کی پرورش کی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ہی قطرہ ایک بیٹی
موتی بن گیا اور بادشاہ کے تاج کی زینت بنا۔
(شاہد علیہ حسن ابدال)

محبت

محبت ایک پھول ہے اگر محبت کا مکمل طور پر مزہ لینا
ہے تو اسے چھوئے یا توڑنے کی بجائے صرف آنکھوں
کی مدد تک محدود رکھو اگر اسے چھوئے یا توڑنے کی
کوشش کرو گے تو گائے کی دھڑکے رہا جائے گا۔
(راشد علیہ حسن ابدال)

ڈرائیور

وہ کیسے سرخ رہتا ہے رے گا
ڈرائیور شہر ہے بڑھل نہیں ہے
نظر میں اس کی چمڑے کا سٹیل
چمچ راہ ہے منزل نہیں ہے

(آر فرخ شاہد، اسلام آباد)

سنہری باتیں

☆ طرف وسیع ہو تو کسی تعلق کو بھی موت نہیں
آتی۔
☆ لالچ سے ذلت اور پرہیز گاری سے عزت
حاصل ہوتی ہے۔
☆ جو دو گے وہ لوٹ کر واپس آئے گا۔
☆ حق دے دلوں میں نفرت پیدا کرتے ہیں۔
☆ اپنے فعل درست کر لو اعمال خود درست ہو
جائیں گے۔
☆ دوسروں کی قدر کرو تمہاری قدر خود بخود ہو

جائے گی۔

☆ زندگی ایک کھلوتا ہے آخر اسے ٹوٹ ہی جاتا
ہے۔ اچھا ہو کسی کے کام آ کر ٹوٹ جائے۔
☆ یاد رکھیں اگر آپ کسی کی تنقید برداشت نہیں کر
سکتے تو پھر ترقی بھی نہیں ہو سکتے۔

☆ بے وقوف اور بھدار انسان میں صرف اتنا
فرق ہوتا ہے کہ بھدار کو اپنی حدود کا پتہ ہوتا ہے۔

☆ شہنائیاں اور اوسایاں بہت درد ناک ہوتی
ہیں۔

☆ خوش اخلاقی اور انکساری میں آپ کے لیے
کافی فرق ہے۔

☆ اگر آپ کی بات متعلقہ شخص تک تیسرے
فریق کے ذریعے پہنچتی ہے تو شاید الفاظ نہ بدلیں مگر لہجہ
ضرور بدل جائے گا۔

(سزنگت غفار، کراچی)

بے چاری

میاں بیوی کی اولاد ہی تھک رہا تھا بچہ ہی بیسیاں
لیتے ہوئے لڑا،
کاش میں نے امی کی بات مان لی ہوتی اور تم سے
شادی نہ کرتی۔

شوہر نے ایک دم خشتِ پاڑتے ہوئے پوچھا: تمہاری
مان نے کیا کیا مجھ سے شادی کرنے سے روکنے کی
کوشش کی تھی۔

بیوی: روتے ہوئے بولی۔ ہاں
شوہر: اودھنایا میں اس بے چاری کو بھی برا بھلا
کہتا رہا ہوں۔

(پرنس فضل شاہین، بہاولنگر)

جاناں

جب گزر جویر اداں سے تو

کہنا اسے

میری ساری بہنیں
میری ساری رشتہیں

میری ڈائری کے دو اوجھڑے ورق
کھمبیرے کی دو خوشنکدی

کا پیل میرے کی دو سبکی گلیاں
معصوم میری خوشیاں

اواس میری پیر پیر چائیاں
لے دو میرے عمر سے ہوئے

خیال میرے سہماتے ہوئے
بھی جاؤں اس کوچہ جانوں کے پار

گلاب ہاتھوں سے دھک دیتا
جذبات کو خود بوسہ رکھتا

اس سے الچھ کرنا
دفا کو میری رومال کپڑا

لوٹ آؤ میرے ان پتوں میں
بس جاؤ ان نکلی مائتوں میں

جو فقط
اس کے نام سے ہیں جلتی

(سحرین اختر، لاہور)

گدھا

ایک صاحب گھبرا گئے ہوئے گھر آئے بیوی سے
بولے "بیکم میں دفتر سے آ رہا تھا راستے میں ایک
گدھا..." اتنے میں ان کی ایک بیٹی بول اُٹھی "امی
ٹھینے میری گزیا تو ڈوڈی..."

بیوی نے کہا "اچھا بیٹی! تم جیسے دوسری گزیا لا
دیں گے" شوہر نے پھر کہا شروع کیا۔ "ہاں تو بیکم
میں کبیر ہاتھ کا راستے میں ایک گدھا..."

اتنے میں ان کا ایک لڑکا بول اُٹھا۔ "امی! گدو نے
مارا ہے..."

بیوی جھلا کر بولی۔ "کبھی خدا کے لئے چپ ہو جاؤ"

مجھے گدے کی بات سننے دو۔"

(مذہر عظیم، کراچی)

دعا

دعا کو عبادت کا مظہر کہا گیا ہے۔ دعا ایک خدا اور فریاد
ہے۔ دل مغرب کی جڑوں میں جب الفاظ کا روپ عبادتی
ہوے تو دعا کہلاتی ہے۔ شب تاریکی کی تہا میں آنکھ
سے نکلنے والا آنسو بھی دعا ہے۔ کوئی حزن بھی، اگر ہم
ذرا غور سے دیکھ لیں۔ اپنے گریبان میں جھانکیں، ہماری
دعا ہمیں کس تکلف بن کر رہتی ہیں۔ ہمیں دعا میں رسم
ہونا پڑ رہا ہے۔ ہم دعا میں مانگتے نہیں بلکہ پڑتے
ہیں۔ لیکن پھر غصہ کرتے ہیں کہ ہماری دعا میں قبول نہیں
ہوتی۔ انسان اپنے اعمال کی بھرت سے حق سکا ہے اور
قدرتِ مہربان کھا سکتی ہے۔ شکر ہے کہ دعا میں مانگی جائیں
نہ کہ چھٹی جائیں۔ آج کل جب اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ
اٹھاتے ہوئے دعا مانگیں۔

(انجم ایڈ علیشا، لاہور)

بھول

ایک صاحب مولانا عبدالحکیم شرر سے ملے گئے۔
مولا نے وقت مولانا تعقیف و تالیف میں مصروف رہتے
تھے اور بے کار لوگوں کا آنا پینہ نہیں کرتے تھے۔ خود ہی
دیکھ وہ صاحب ادھر ادھر کی باتیں کر کے رخصت ہو
گئے اور مولانا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ چند
منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ صاحب پھر آ گئے جس پر
مولانا نے فریاد کیا۔
کیسے کچھ بھول گئے تھے؟
وہ صاحب بولے۔
نہیں... میں بھولے سے اٹھ کر چلا گیا تھا!

(صابر فیصل، لاہور)



کے اندر تک مختلف طرح کے آلات کا استعمال کر کے صفائی کرتی ہیں، جس کی وجہ سے جلد اور ناخن کے درمیان ایک خلا بن جاتا ہے اور کام کرنے کے دوران اس خلا میں دھول مٹی وغیرہ جم جاتی ہے۔ اپنی مکین اسٹھ کے مطابق ناخنوں کے اندر کی صفائی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس میں طرح طرح کی چیزیں زبردستی ڈالی جائیں۔ بلکہ انہیں کسی بھی نرم دھان والے برش کی مدد سے رگڑ کر صاف کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ناخنوں کے اندر تک کی صفائی آسان ہو جائے گی۔

ناخنوں پر نیل پاش لگانے کے بعد اگر ان پر زیادہ دیر تک سورج کی شعاعیں پڑتی رہیں تو وہ بہت نقصان دیتی ہیں۔ اس لیے صوف میں جانے سے پہلے کوشش کریں کہ ناخنوں پر مین پلاک لگائیں اس کے علاوہ آج کل ایئر لیٹک نیل لگانے کا بہت فیشن ہے۔ ڈرما لو جسٹ کا کہنا ہے کہ ایئر لیٹک سے بچے ناخن دیکھنے میں تو خوبصورت نظر آتے ہیں لیکن اس سے ناخنوں پر مختلف طرح کے انفیکشن ہونے کا بہت خطرہ رہتا ہے۔

پانی میں باقہ ڈالنے کی وجہ سے ناخن نرم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جب بھی پانی میں باقہ ڈالیں تو اس کے بعد تھوڑی دیر ناخنوں کو سوکھنے دیں۔ جس سے وہ زیادہ سے اپنی اصلی حالت میں واپس آ کر ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے کام کریں، اس طرح بھی ناخن ٹوٹنے سے محفوظ رہیں گے۔ جب بھی ناخن کاٹیں تو ان کے کناروں کے نوکیلے پن کو ختم کرنے کے لیے ٹانگڑا کا استعمال کریں۔ ٹانگڑا پر ناخن کو گھسنے کی وجہ سے ان کا نوک تیز ختم ہو جاتا ہے اور وہ ٹوٹنے سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔

روکھن ناخنوں کو مضبوط بناتا ہے۔ لہذا خوراک میں گوشت اور انڈے کا بھی کچھ ضرور کریں۔



آپ کے ناخن کیا کترے ہیں؟

مشہور ڈرما لو جسٹ ایپی مین اسٹھ جو بیوٹی بی ڈاؤنڈ اسپتال، رائل اوک میں کام کرتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ایسی خواتین جنہیں حد سے زیادہ ناخن کی صفائی کرنے کا شوق ہوتا ہے اور وہ آدھے دن تک کیور کر دیتی ہیں۔ ان میں بیوٹیٹرل انٹینسٹن کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ناخنوں کی صفائی کے لیے میپے میں کی بار پارک کا پیکر لگانے سے بہتر ہے کہ ناخنوں کی گھر میں صفائی کر لی جائے اور ناخن کا خیال رکھا جائے۔ ناخنوں کا خیال کس طرح رکھا جا سکتا ہے؟ اس کی کچھ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

صفائی سے قبل اگر بات کی جائے ناخنوں کی تو یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ناخنوں کی صحت میں بھی بور، یعنی کڑوہ پڑے جس کی بولن ان میں قدرتی چمک بھی ہو۔ یہ سب متوازن غذا کھانے سے ممکن ہو سکتا ہے۔

ڈرما لو جسٹ ایپی مین کہتی ہیں کہ ایسے پبلیسٹ جن میں دھاتوں کی (بائیوٹین) شامل ہے۔ وہ ناخنوں کو مضبوط بنانے اور ان کو تیزی سے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اپنی یہ بھی کہتی ہیں کہ ان کے ناخن بھی ہمیشہ سے کمزور رہے ہیں۔ لیکن اب وہ چونکہ روزانہ دھاتوں بھی لیتی ہیں تو ان کے ناخنوں میں چمک کے ساتھ ساتھ مضبوطی بھی آگئی ہے۔

اپنی کے مطابق نیل پاش لگانا نقصان دہ نہیں ہے

خون میں شوگر کی کمی ، ایک خطرناک مرض

شوگر جسم کو روکار توانائی کی فراہمی کا اہم ماخذ ہے لیکن اگر شکر کی خون میں زیادتی یا کمی ہو جائے تو یہ دونوں صورتیں صحت کے لئے نہایت خطرناک ہو جاتی ہیں۔ خون میں شکر کی زیادتی کو فائیس جسکے اس کی کمی ہائپوگلیسیا کہا جاتا ہے۔

فائیس اس وقت ہوتی ہے جب لیپڈ یا تو انسولین بنانا بند کر دیتا ہے یا جسم کو روکار ضرورت کے مطابق انسولین پیدا نہیں کر پاتا ہے۔ خون میں شکر کی کمی جتنی ہائپوگلیسیا سے اس وقت لاحق ہوتا ہے جب لیپڈ کو روکار انسولین زیادہ مقدار میں فراہم نہ کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں خون میں شکر کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ ہائپوگلیسیا سے بعض اوقات صحت مند لوگوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ کیفیت صرف حادثاتی یا مارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔

جسم میں شکر کی کمی اس لحاظ سے بھی خطرناک مرض ہے کہ اس کی وجہ سے امراض و بیماریوں کا سام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ واضح طور پر جسم کے دیگر اعضاء کی طرح دماغ بھی اپنے لئے ایندھن غذا سے ہی حاصل کرتا ہے لیکن یہ صرف اس شکر کو استعمال کر سکتا ہے جو کاربوہائیڈریٹس نے تیار کی ہو۔ دماغ، دیگر اعضاء کے نشوونما کی طرح یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ اپنی ضرورت کے مطابق روکار ایندھن شکر کی مطلوبہ مقدار سے اندر ہی ذخیرہ کر سکے، اس لئے اس خون میں کمی کے شکر کی مسلسل فراہمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خون میں شکر کی بائیل چلائی میں اضطراب پیدا ہونے سے انسان کی ذہنی پر خطرناک اثرات پڑ سکتے ہیں اور اس سے انسان کی جسمانی قوت اور دماغی کارکردگی پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

ڈاکٹر حضرات ہائپوگلیسیا کے لئے عام طور پر جوبائی پورین سے بھر پور تجویز کرتے ہیں، تاہم بعض اہمکار کہتے ہیں کہ یہ غذا عملی طور پر اس عارضے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ لہذا ذہنی طور پر مریض

کو کچھ اوقات چھپا دیتی ہے لیکن بعض پہلوؤں سے نقصان دہ بھی ہے۔ اس سے دل کی تکلیف، جڑوں کا درد اور گردنوں میں نقص پیدا ہونے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی لائق ہو سکتا ہے۔

اہمکار کہتے ہیں کہ ہائپوگلیسیا کے مریض کے لئے معیاری اور موزوں ترین غذا میں تین بیانیہ فوڈ گروپ پر مشتمل ہو سکتی ہیں۔ یہ فوڈ گروپ مندرجہ ذیل ہیں۔

- (1) اناج کے دانے، جے، بادام، اخروٹ، مونگ پھلی وغیرہ۔
- (2) سبز چڑوں والی اور دیگر تمام سبزیاں۔
- (3) تمام اقسام کے پھل۔

ان گروپوں کے ہمراہ، دودھ، دودھی کی مصنوعات اور دھنی پھل کی بھی استعمال کیے جانے چاہئیں۔ جے، بادام، اخروٹ، مونگ پھلی اور اناج کے دانوں کا اس قدر خاص مقدار میں شامل ہونا ضروری ہے۔ پھر جے، بادام، اخروٹ وغیرہ کی حالت میں ہوں جبکہ اناج کے دانے کے ہونے چاہئیں۔ جے، بادام، اناج آہستہ آہستہ ہضم ہوتا ہے اور ہر گز کو آہستہ آہستہ شکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے خون میں شکر کی سطح کم ہو جاتی ہے اور ذہنی وقت کم ہو کر اسی کی

بولڈ شکر کے مریضوں کو دن میں دو یا تین بار ہر دو گھنٹوں کے بجائے چھ یا آٹھ گھنٹوں پر غذا بخورنا چاہئے۔ کے مغزات اور ذہنی مشاغل کھاتے ہیں اور سوچیں کہ کچھ اناج اور ان کھانوں کے درمیان میں دودھ کی یا پھلوں کے جوس کا چٹا بھی ہے۔ حد قاعدہ منہ ہوتا ہے۔ علاوہ انہی تمام معنوں اور کی ہوتی ہے جو کچھ کھانا بائیل بند کر دیتا ہے۔ کافی، الکھول، ہمارا مشروبات کا استعمال بھی ترک کر دیجئے۔ تک بھی کم استعمال کریں کیونکہ اس کے استعمال سے خون میں موجود چھپا ہوا شکر کی ضروری مقدار ضائع ہو جاتی

ہے۔ جس سے خون میں شکر کی دائمی کمی ہو جاتی ہے۔ غذاؤں کے ذریعے امراض کا علاج کرنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ خون میں شکر کی کمی کے مریضوں کے لئے درج ذیل خوراک کا عیادت تجویز کر کے اس عمل کیا جائے جو صحت کے لئے موزوں رہتا ہے۔

تجربہ کار ہونے پر: تازہ سیب، آڑو، آلو بخارا، تریز، ناشپاتی کھائے یا ان میں سے کسی ایک پھل کا جوس نکال کر پی لیں، لیکن جوس تازہ نکالنا ضروری ہے۔ ناشپات، بادام، اخروٹ، مونگ پھلی، پھلوں کے جے کے مغزیات، شکر کی ہوتی ہے اور شکر کی وغیرہ۔

فیل اوپنر، پھل، پھلوں کے جوس وغیرہ۔ دودھ کا کھانا، شکر کی ہوتی ہے اور شکر کی، چاول اور دودھ وغیرہ۔

ناشپاتی کی شکل دل سے قدرے پیچلتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسے دل کو تقویت پہنچانے میں بھی مفید قرار دیا جاتا ہے۔ طبی یونیورسٹی میں جو دو ایسے اور ندرائیں شامل ہیں اس میں بھی ناشپاتی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مشرق و مغرب کے معجزین کی رائے میں یہ

معدے، جگر اور دماغ کے لئے بھی مفید ہے۔ اسے کھانے سے معدہ مضبوط ہوتا ہے۔ خون کو ڈھکا کرتی اور اعضا کو ترقوت بخشتی ہے۔ قوت باطن میں اضافہ کرتا ہے۔ اسے کھانے سے بلغم پریش کے ساتھ مٹایا بھی کم ہوتا ہے۔ ناشپاتی میں چشایب زیادہ لانے کی بھی صلاحیت ہے۔ جس سے جسم کے فاسد مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے گردوں اور خاص طور پر گردوں کے ورم کی شکایت کے لئے بہت مفید سمجھا جاتا ہے۔

بعض مسخرہ فیکٹوں کے خیال میں اسے اگر سفوف باہم کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس کے فوائد کم کرنا بڑھ جاتے ہیں۔ یہ باہم سفوف گھر پر بہت آسانی سے بنایا جاسکتا ہے۔ ایک ہی مقدار میں سیاہ زہرہ و جلیب سیاہ، کھک سیاہ، اجڑاؤن دیکسی، سولف و آملہ، سوخا اور کھانے کا نمک لیں۔ پھر تمام اجزاء کو چوبیس گھنٹے۔ جب بھی ناشپاتی کھائیں اس کے بعد 2 گرام باہم سفوف بھی کھا

لیں۔ طرح ناشپاتی سے پوری طرح ندرائیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ سفوف عام بد پشی کی شکایت کے دوران بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس کے کسی قسم کے کوئی مسخرہ اثرات بھی نہیں ہیں۔ مغربی ممالک میں خاص طور پر ناشپاتی جلد کو ترو تازہ اور صحت مند رکھنے کا بہترین تاک خیال کی جاتی ہے۔ خشک اور روکی پشلی جلد کی حامل خواتین اسے خاص طور پر استعمال کرتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں ورم کی خواتین اپنی جلد کو جوان اور زیادہ خوبصورت بنانے کے لئے سب سے زیادہ ناشپاتی پر انحصار کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ناشپاتی کھانے سے جلد چمکے۔ چمکے اور کمر ہواں ہوں۔

آنت (قولون) کا ورم بھی کم ہو جاتا ہے۔ پرانے نزلے کے مریضوں کے لئے بھی اس کا استعمال فائدہ پہنچاتا ہے۔ بخار میں یا اس کو کم کرتی ہے۔ حدت جگر اور جگر کی پتھری کے لئے بھی اسے مفید سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً شکر کی ناشپاتی زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ ناشپاتی کا سیب کی طرح مری بھی بنایا جاتا ہے جسے دل کی تقویت اور گھبراہٹ میں مفید سمجھا جاتا ہے۔

☆☆☆

الف سے اچھے، ب سے بچے

محمد عبداللہ شہر



جنات کی دعوت

اقب اولیں

میں سے ایک ہوا۔

جو بڑا آتی تھا۔ اس کا ایک بچپن کا دوست تھا۔ جس کا نام بال تھا۔ جس طرح بادشاہ سلطوت میں مشہور تھا اس طرح بال جو کہ بادشاہ کا پسر ہلا رہا تھا بادشاہی محل میں مقیم تھا۔ بادشاہ سال میں ایک بار ایک جشن مناتا جس میں ہر شخص بلا امتیاز شریک ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ جشن میں آٹھ بوڑھے آئے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ یہ لوگ اس ملک کے باشندے نہیں۔ وہ خود ان کے قریب آیا اور سب سے پہلے ان کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ جو کچھ بھی ان کے سامنے رکھا جاتا وہ چٹ کر جاتے۔ یہاں تک کہ جو کھانا چڑھا ہوا ٹوٹوں کے لئے تیار ہوا تھا یہ آٹھ بوڑھے اکیلے ہی کھا گئے اور پھر کھانا ہاتھ لگے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بہت گھبرایا۔ اتنی جلدی اور کھانا چڑھا دینا ہو سکتا تھا۔ بادشاہ اس بات پر حیران اور حیرت زدہ تھا۔ وہ یوزوں سے مخاطب ہوا۔

معزز ہمارا! مجھے بہت انہوش ہے کہ اس دعوت میں آپ لوگوں کو ہمو کر رہا ہوں اگر آپ لوگ اگلے سال اس جشن میں تشریف لائیں تو میں وعدہ کرتا ہوں آپ لوگ بھوکے واپس نہیں جائیں گے۔ لیکن اسی دوران اس نے یوزوں کی آنکھوں میں بڑے غور سے دیکھا تو خوف کے مارے اس کا جسم کھینک گیا اس نے ان لوگوں کو پہچان لیا۔ یہ انسانوں کے روپ میں جنات تھے۔ بادشاہ کی بات سن کر آٹھوں بوڑھے اٹھ اور ان

میں سے چاہے جتنی اشرافیائی نکالی جائیں جتنی بھروسہ کی ویسی بھری رہتی ہے۔ اس طرح ہمیں بھی کئی پری، دیو یا جن سے کوئی ایسا ترنیل جائے تو پھر ہم دولت کے ان جنات کا پیٹ بھر سکتے ہیں۔ بات تو تم نے بڑے پتے کی ہے لیکن ہم کسی پری یا دیو کو تھیں کہاں سے کریں؟

حضور! چلیں تو کسی ہم دونوں اس ہم پر چلتے ہیں۔ بادشاہ رضا مند ہو گیا اور پھر دونوں تیز رفتار

شیت کا پھل

نبیل عابد

سلمان کا حلق متوسط گھرنے سے تھا۔ وہ بچپن ہی سے نمازی اور اچھے دوستوں کی صحبت کو ترجیح دیتا تھا اور والدین کی دل و جان سے تابعداری اور احرام کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اسے دینی کتب پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ فی وی دیکھنے اور فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے، نیک کاموں اور اچھے لوگوں کی محفل میں بیٹھ کر انجیل یا کتب پڑھنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کی اہلی عادات کی وجہ سے تمام ہی لوگ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی مشکل میں ہوتا تو سلمان بامحکم اس کے کام آتا اور دن کا کام کر کے اسے بھی خوشی حاصل ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خرید کے موٹے پر اسے ایک کچھ شوق پیدا ہوا کہ وہ اپنی جدید خرچ سے کھرا خرید کر قربانی کرے گا۔ جب اس نے اپنے جیب خرچ کا سالانہ ہر حساب لگایا تو اس پر یقین میں نہ تھا کہ قربانی کا کھرا خرید کر اپنا شوق پورا کر سکے۔ اس نے اپنے ایک قریبی دوست حکیم سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے اپنی ذہانت سے اس سچیدہ مسئلے کا حل فوراً تلاش کر لیا۔ حکیم نے سلمان کو مشورہ دیا کہ وہ دو تین ماہ کا بکری کا بچہ لے آئے اور اس کو پال کر قربانی کر لے اور یہ سب کچھ جیب خرچ میں سے آسانی کے ساتھ ہو جائے گا پھر قربانی کرنے کا لطف بھی آئے گا۔

سلمان کو حکیم کی یہ تجویز مقبول لگی۔ اس نے اگلے ہی روز اپنے والد سے کہہ کر ایک بکری کا بچہ منگوا لیا۔ سال بھر سلمان نے بکری کے بچے کی دل و جان سے خدمت کی اور اسے کھانا پلا کر خوب صحت مند بنا دیا۔

2016 ستمبر

Primenovels.blogspot.com

گیا۔ اسے بہت دکھ پہنچا تھا کیونکہ بکری کا بچہ اس سے بہت باغی تھا اور دوسرے یہ کہ اس کی جیب اب اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ دوسرا بچہ خرید کر لے آئے اور اس مسئلے میں وہ کسی کی مدد لینے کو بھی تیار نہ تھا۔ اس کی نیت بڑی صابر تھی اسے پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت دور کرے گا۔

بکری کے بچے کو کم ہونے پر پورے پانچ ماہ کا عرصہ ہو گیا مگر اس کا سراغ نہ مل سکا۔ ایک مرتبہ سلمان اپنے گھر کے لان میں افسردہ بیٹھا تھا کہ اس کے دوست نے اسے فون پر یہ خبر سنائی کہ تمہارا بھرا برابر والے گاؤں میں دیگر بکروں کے ساتھ گھاس چر رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے تو تائب کا چہرہ خوشی سے چوم اٹھا پھر پریشان سا ہو گیا کہ یہ بچے ممکن ہو سکا ہے اس کی گمشدگی کا پانچ ماہ ہو چکے ہیں اب تو وہ جان ہو گیا ہو گا۔ اس کی پہچان کیسے ہوگی۔ اسی طرح سوچتے سوچتے اس نے وہاں جانے کا ارادہ کر لیا۔

اگلے روز سلمان اپنے اسی دوست کو لے کر برابر والے گاؤں گیا۔ سلمان نے جب بکری کے بچے کو دیکھا تو وہ کافی محنت مند اور بوہڑا ہی تھا۔ جب وہ کچھ ماہ پہلے بکروں کی وجہ سے کم ہو گیا تھا۔ سلمان نے ریوڑ کے مالک کو بکری کے بچے سے کم ہونے کی پوری کہانی سنائی۔ پہلے تو ریوڑ کے مالک کو یقین نہ آیا کہ یہ وہی بکری کا بچہ ہے جو اس کو کچھ ماہ پہلے تھا۔ اس نے سلمان کے ٹیک بٹے کو سہا اور اس کی کوششوں کی تعریف بھی کی۔ سلمان نے ریوڑ کے مالک کو کچھ رقم دینا چاہی مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا اللہ نے آپ کی نیک نیتی کا پھل دیا ہے۔ پھر ریوڑ کے مالک نے بتایا کہ یہ بچہ ہمیں ملا تھا۔ میں نے اس کی حفاظت ایک امانت کی حیثیت سے کی اور اس کی اسی طرح دیکھ بھال کی جس طرح اپنے ریوڑ کے دوسرے جانوروں کی کرتا ہوں میرے پاس آپ



جانور گھرن کب ہوتا ہے؟

روشنی کے سامنے آنے والی برقیٹ اور خوشی کے طرح زمین بھی سایہ کو ممتی ہے۔ زمین پر نہ آنے والی سورج کی روشنی کے سبب جتنے والا زمین کا سایہ جب جانور پر پڑتا ہے تو جانور گھرن کا باعث بنتا ہے۔ جانور گھرن مکمل بھی ہوتا ہے اور جزوی طور پر بھی مکمل جانور گھرن مکمل طور پر روشنی جانور کو لگتا ہے، اس دوران سورج زمین کے بالکل جھپٹے ہوتا ہے، البتہ اگر جانور بچہ والا ہے تو اس کے جانور پر زمین کا سایہ کم ہی پڑتا ہے۔ جانور گھرن کے دوران جانور مکمل طور پر تاریک نہیں ہوتا بلکہ سورج کی روشنی بھی چھن کر زمین تک پہنچتی ہے جس کے باعث جانور غریب ناک جھورے رنگ کا دکھائی دیتا ہے۔ جانور گھرن کا دورانیہ ایک گھنٹے پر محیط ہو سکتا ہے، جانور گھرن مخصوص اوقات میں زمین کے مخصوص سطحوں میں آتا دیکھے جا سکتے ہیں۔ جانور کا زمین سے تعلق 3,84,000 کلومیٹر ہے، چونکہ جانور کا مکمل طور پر واٹر کی نہیں ہے، اس لئے اس کا خشک ہونا بہت آسان ہے۔

کی امانت کی آپ اس کو بغیر کسی معاوضے کے لے جا سکتے ہیں اس کی دیکھ بھال کا اجر اللہ بخندے گا۔ سلمان بکرے کو لے کر گھر پہنچا تو سب بے حد خوش ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد جب برقیٹ آئی تو ان لوگوں نے بکرے کی قربانی کی سلمان نے اللہ کا شکر ادا کیا، جس نے اس کی نیت کو بدھتے ہوئے اس کی قربانی کے معاملے کو آسان کر دیا۔ جی کتبے ہیں کہ اگر نیت صاف ہو تو اللہ بھی منزل آسان کر دیتا ہے اور انسان اپنے مقاصد کو پالیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

2016

Primenovels.blogspot.com



عکھ ڈاک کا ملازم جب ریٹائر ہوا تو الوداعی تقریب کے انتظام برائے ایک تاجت نے پوچھا۔
"یہ بتائیے کہ آپ کو ہمارے ساتھ رو کر کیا ذاتی تجربہ حاصل کیا؟"

مگر یہ تو بہت حاصل ہوا۔ ملازم نے کہا۔
آپ سے گزارش ہے کہ میری دشمنی کی رقم پر رخصت ڈاک مت بھجوائے گا۔

(مہوش، اداکارہ)
ایک پریشان حال شخص ایک آدمی کے پاس اپنا شافی کارڈ کا قلم بھردانے کے لیے آیا۔ ان صاحب نے پوچھا تمہارا نام؟
"اسلم خان"

"باپ کا نام؟"
جب نوٹ شافی علامت تک پہنچی تو اسلم خان نے مصمومیت سے بولا۔
"لکھ دیجئے پھر سے پریشانی کے آثار۔"

(روبیہ، لاہور)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
بچے (ماں سے) اسی جان آپ نے فرمایا تھا کہ انسان کو میرا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ہاں بیٹا میں نے کہا۔
بچہ! آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔

ہاں! بیٹا میں نے یہ بھی کہا تھا۔
بچہ! آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ خدا کے کاموں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆ ☆ ☆



تبت ٹالکم پاور - جمع سے شام جبکہ چھٹا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆ ☆ ☆